سراجًا منیرًا

(چمکتا چراغ)

تالیف

مفتی فیض الوحید

ناشر

جامعہ مرکز المعارف بٹھنڈی جموں

تفصیلات

نام کتاب   سراجاً منیراً (چمکتا چراغ)

تالیف   مفتی فیض الوحید

کتابت   المعارف کمپیوٹر مرکز المعارف بٹھنڈی جموں

سن اشاعت   ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰۱۹ء

ناشر

شعبہ نشرواشاعت   جامعہ مرکز امعارف بٹھنڈی جموں

يٰٓاَيُّهَاالنَّبِيُّ اِنَّآ اَرْ سَلْنٰكَ شَاهِدًا
وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا☆
وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰه بِاِذْنِه
وَ

سِرَاجًا مُّنِيْرًا☆

اے نبی (ﷺ)
ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، اور خوشخبری سنانے والا، اور
ڈرانے والا، اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا، اور
چمکتا ہوا چراغ
بنا کر بھیجا ہے
(سورۃ الاحزاب: ۴۵،۴۶)

انتساب

میں اس محنت کا انتساب ان تمام سعادت مند وخوش بخت

انسانوں کے نام کرتا ہوں جو زندگی کو آخرت بنانے کا ذریعہ

سمجھتے ہیں، اور آخرت کی کامیابی کو صرف اور صرف حضرت

رحمت عالمﷺ کی اتباع میں منحصر مانتے ہیں؛ نیز آقائے

مدنیﷺ سے پھوٹ پھوٹ کر محبت کرنے اور ان کی ایک

ایک ادا کو اپنی حیات مستعار میں زندہ کرنے

کی کوشش کرتے ہیں۔

فہرست مضامین

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين .

کافی پہلے کی بات ہے جب قرآن کریم کے گوجری ترجمہ اور تفسیر فیض المنان کا اجراء ہوا تو میرے کچھ احباب نے پرزور مطالبہ کیا کہ میں سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر اسی زبان میں کچھ لکھوں! میں یہ بات سن کر شرم سے پانی پانی ہو گیا، کہ یہ گنہگار، سیاہ کار اس مقدس اور پاکیزہ عنوان پر کچھ لکھے؟ یہ سعادت کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟ جب کہ اس موضوع کا تقاضا تو یہ ہے کہ !

هزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب
هنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

''کہ مشک وگلاب سے ہزار بار منہ دھو دھو کر بھی آپ ﷺ کا مقدس اسمِ گرامی لینا کمالِ بے ادبی ہے''۔ جن کے اونچے اخلاق وکردار اور پاکیزہ سیرت بیان کرتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ - جن کو جبرئیل امین علیہ السلام کی تائید اور رحمتِ عالم ﷺ کی دعاء حاصل تھی - وہ بھی اپنی بے بسی اور کم مائیگی کا اعلان کر گئے۔ غور کیجیے! کیا فرماتے ہیں:

خلقت مبرء من كل عيب كانك قد خلقت كما تشاء

''آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں، بس جیسا آپ ﷺ چاہتے تھے ویسے ہی پیدا کئے گئے ہیں''۔ بس یہی احساس قلم اٹھانے نہیں دیتا تھا اور میں عدیم الفرصتی کا بہانہ کر کے دوستوں سے دامن چھڑا لیتا تھا۔ لیکن آخر اپنے کریم رب سے توفیق کی دعا مانگ کر صرف دو باتیں سامنے رکھ کر مضامین جمع کرنے شروع کر دئے:

(۱) ایک تو یہ کہ زندگی کا سورج تیزی سے مغرب کی طرف دوڑا جا رہا ہے، نہ جانے کب پیغامِ شام آ جائے۔ ادھر سفر بہت لمبا جب کہ نہ کوئی رفیقِ سفر ہے نہ زادِ راہ ہے۔ ایسے میں شاید

مالک الملک اپنے کرم سے اس محنت کو ہی قیامت کی رسوائی سے بچنے کا ذریعہ بنادے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ دنیا کی ہر زبان میں سیرت پاک کے مقدس موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے، صرف اردو میں ہی سیکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں موجود ہیں لیکن یہ زبان اس سعادت سے محروم ہے۔

مالک الملک کے خاص کرم سے ۲۰۱۹ء میں یہ مسودہ تیار ہو گیا، لیکن اس کی اشاعت سے پہلے ہی گوجری نہ سمجھنے والے احباب و متعلقین کا زبردست تقاضا آ گیا کہ اس کو اردو میں بھی منتقل کیا جائے۔ حالانکہ اردو میں سیرت پاک کے ایک ایک گوشے پر بڑے علمائے کرام نے اتنا کچھ لکھدیا ہے کہ عربی کے بعد کسی زبان میں یقیناً اتنا نہیں لکھا گیا ہوگا۔ اور اکابر نے اصاغر کے لئے کسی پہلو کو تشنہ چھوڑا ہی نہیں ہے، پھر اس چھوٹی سی کتاب کے اضافے سے کیا فائدہ ہوگا؟ لیکن صرف یہ سوچ کر کہ شاید یہ محنت میرے لئے اور میرے احباب کے لئے زادِ آخرت بن جائے، مین نے اس فرمائش کو قبول کرلیا اور چند حضرات کو الگ الگ مقامات سے ترجمہ کا کام بانٹ کر دے دیا، جب کہ راقم الحروف نے اس پر نظرِ ثانی کی ذمہ داری لے لی۔ آغاز سے والدہ ماجدہ کے انتقال تک اور حجۃ الوداع سے آخر تک عزیزم مولانا مفتی محمد سلیم قاسمی صاحب استاذ جامعہ مرکز المعارف بٹھنڈی نے ترجمہ کا فریضہ انجام دیا، جبکہ بیچ کی مکمل کتاب گھر کی بچیوں نے آپس میں بانٹ کر گوجری کو اردو کا جامہ پہنانے کی جدوجہد کی، اور راقم نے لفظ لفظ پر نظر ثانی کی کوشش کی، تقریباً آٹھ، دس ماہ کی محنت شاقہ کے بعد آج یہ نسخہ طبع ہونے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ وَاللّٰہُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِیْم۔ ہم اس محنت میں کس حد تک کامیاب ہوئے وہ تو پڑھنے والے ہی بتائیں گے۔ راقم الحروف کو تو امید ہے کہ یہ ترجمہ نہیں بلکہ اردو ہی کی کتاب سمجھی جائے گی۔

کتاب کا نہج

سیرت پاک کا موضوع ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ اور اس کے گوشے اتنے

پھیلے ہوئے ہیں کہ جن کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا، ہر ایک لکھنے والا اپنے سامنے کوئی خاص زاویہ رکھتا ہے، پھر اسی کے گرد اس کی تحریر گھومتی ہے، اس کتاب میں بھی رحمتِ عالمﷺ کی سیرت مبارکہ بیان کرتے ہوئے دو باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے:

۱- ایک تو یہ کہ سیرتِ پاک کے ہر مقام کو قرآن پاک میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خود ربِ کریم اپنے حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس موقع پر کیا فرما رہا ہے؟ اس لحاظ سے امید ہے قارئین کرام کو پڑھتے ہوئے ان شاء اللہ محسوس ہوگا کہ یہ ''رب کے پیارے کی کہانی قرآن کریم کی زبانی'' ہے۔

۲- دوسرے سیرت پاک کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے کوشش یہ کی گئی ہے کہ پڑھنے والے ہر موقع پر اپنے لئے کچھ عبرتیں، کچھ نصیحتیں اور کچھ اسباق لے کر اٹھیں اور پچھلی زندگی پر ندامت کے چند آنسوں ٹپکا سکیں، نیز ہر ایک پڑھنے والا یہ سمجھے کہ یہ واقعہ میرے ہی لئے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ پھر دیکھے کہ آج کے اس ابتری، کس مپرسی، اور زبوں حالی کے دور میں، میں اس سے کیا سبق حاصل کرسکتا ہوں، اور مجھ سے کیا تقاضا و مطالبہ کیا جا رہا ہے اور مجھے اپنی آخرت کے لئے، اپنی زندگی میں سیرت کے اس پہلو کو کیسے زندہ کرنا ہے؟

یہ تحریر اس منزل کو پانے میں کتنی کامیاب ہوئی؟ راقم الحروف تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے یہی آس لگائے بیٹھا ہے کہ ان شاء اللہ زندہ دلوں میں اس سے ہلچل مچے گی، اللہ کے پیارے حبیبﷺ کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے تڑپتا ہوا دیکھ کر آنکھوں کے خشک چشمیں ابلیں گے، جس سے اخلاق و کردار کی کھیتی سرسبز شاداب ہوگی، دلوں میں کچھ کرنے اور اپنے آپ کو سیرتِ پاک کے کردار میں ڈھالنے کے جزبات پیدا ہوں گے! اور اگر چند نفوس بھی اس طرح سیرت پاک پر عمل پیرا ہونے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، تو اس محنت میں شامل سبھی حضرات کے لئے وہ صدقہ جاریہ بن جائیں گے۔

اظہارِ تشکر

کتاب کی تیاری میں میرے احباب نے میرا اتنا ساتھ دیا کہ میں بجاطور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب مجھ سے زیادہ میرے کرم فرماؤں کی محنتوں کا نتیجہ ہے، میرے ایک عزیز نے حسبۃ للہ کمپوزنگ کا کام بھی کیا اور بار بار تصحیح میں تعاون بھی فرمایا۔عزیزم مولانا مفتی محمد سلیم صاحب سلمہ نے اپنے ترجمہ والے حصے کی خود ہی کتابت بھی فرمائی ،عزیزم مولانا مفتی صغیر احمد صاحب زید مجدہ ناظمِ تعلیمات جامعہ مرکز المعارف نے بھی عمیق نگاہ سے مسودہ پر نظر ثانی فرمائی ۔قاضی محمد صدیق سلمہ ومفتی محمد اقبال سلمہ ومفتی عارف حسین سلمہ وغیرہ نے حوالہ جات تلاش کرنے میں بہت تعاون فرمایا۔

اور میری اس کتاب کے تعلق سے یہ بات میرے لئے بہت ہی مسرت وشادمانی کی ہے کہ میرے گرامی قدر استاذ حضرت مولانا مفتی منیر حسین قاسمی دامت برکاتہم نے اس کا مکمل مسودہ حرف بحرف پڑھکر بہت مفید مشورے دیےاس احسان پر راقِم آثم سبھی حضرات کے لئے اپنے مالک کریم سے جزائے حسن کی دلی دعا کےسوا کیا کرسکتا ہے!

راقم الحروف ان اکابر اصحابِ علم وفضل کا بھی بے حد ممنون ومشکور ہے جنہوں نے میری حقیر سی گزارش پر کتاب پر اپنی گراں قدر تقریظات لکھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی ،**فجزاھم اللہ خیر الجزاء**۔

اللہ تعالیٰ اپنے خاص کرم سے اس حقیر سی کوشش کو قبول فرما کر ہم سب کاتبین وقارئین کو سیرت طیبہ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو ہم سب کے لئے اس دن کام

آنے والا بنائے جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد کام آئی گی۔ آمین یارب العلمین!

یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ ☆ ترجمہ: جس دن مال اور اولاد کچھ کام نہیں آئے گا

والسلام

اپنے رب کا عاجز بندہ

فیض الوحید غفرلہ

۹؍صفر ۱۴۴۱ھ مطابق ۹؍اکتوبر ۲۰۱۹ء

کلمات بابرکات

حضرت اقدس جناب مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی دامت برکاتہم العالیۃ

استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ تعالیٰ

حامداومصلیاومسلما!

آقائے مدنی محمدرسول اللہ ﷺ قرآن پاک کے صریح اعلان ''وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ☆'' کے مطابق کسی خاص قبیلے کے لیے مبعوث نہیں کیے گئے، بلکہ پورے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔

نبی آخرالزماں ﷺ کا ہر گوشۂ زندگی پوری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے، قرآنِ پاک اور احادیث مبارکہ کے ذریعے ان گوشوں کو واضح کردیا گیا ہے۔علمائے کرام ابتدائے اسلام سے مزید ان کو اجاگر کرتے چلے آئے ہیں؛ چناں چہ دنیا میں بولی جانے والی سینکڑوں زبانوں میں لاکھوں لاکھ کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں جن سے امت استفادہ کرکے راستی کے راستے پر آکر نشانِ منزل کو پالیتی ہے اور سیرت طیبہ کی روشنی میں راہِ ہدایت پر چلتی رہتی ہے۔

عربی زبان کے بعد فارسی اور اردو زبان میں سیرتِ مقدسہ پر بہت کچھ لکھا گیا، مگر گوجری زبان کا دامن غالبًا ابھی اس سے خالی چل رہا تھا۔اللہ تعالیٰ، عزیزِ مکرم مولانا مفتی فیض الوحید صاحب قاسمی زیدمجدہ، صدر مدرس جامعہ مرکز المعارف بٹھنڈی، جموں، کو جزائے خیر عطا فرماوے کہ موصوف نے گوجری زبان میں سیرتِ طیبہ پر بہ نام ''سراجاً منیراً'' کتاب ترتیب دی جس سے اس خطے کے لوگ خوب خوب فیض یاب ہو رہے ہیں۔میں اس کے رسمِ اجرا کے موقع پر حاضر ہو چکا ہوں یہ کتاب دراصل سیرتِ مبارکہ کے ہمہ جہتی گوشوں پر مشتمل ہے۔

مرتب حفظہ اللہ نے حال ہی میں ہم دست کتاب کو اردو کا جامہ پہنایا ہے، جس سے اس کا افادہ واستفادہ عام وتام ہوگیا ہے، گویا کتاب دوآتشہ ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کتاب ''سراجا منیرا'' کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور مؤلف کو اجرِ جزیل عنایت فرمائے!۔اور مزید اس طرح کے کاموں کے لیے توفیق ارزانی فرمائے، آمین ثم آمین!

خیر خواہ

عبدالخالق

خادم دارالعلوم دیوبند

۵/۱۰/۴۰ء

تقریظ انیق

حضرت مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی دامت برکاتہم

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو

حق تعالیٰ کا اپنے تمام بندوں کے لئے فرمان ہے کہ ’’لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ‘‘ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں عمدہ نمونہ ہے۔ دوسرے موقع میں صراحتاً حکم دیا ’’اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ‘‘ کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو۔ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ‘اپنے قول عمل سے رسول تم کو جو پیغام دیں اس کو قبول کرو، اس کے مطابق عمل کرو، اور جن باتوں سے روک دیں ان سے باز آ جاؤ۔ دنیا سے رخصت ہوتے وقت حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے موجود تمام صحابہ کے سامنے یہ اعلان فرمادیا کہ میں دو چیزیں تمہارے لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں، تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکتے، اور کوئی طاقت صراط مستقیم سے تم کو ہٹا نہیں سکتی اگر تم دو چیزوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے اور اس کے مطابق عمل کرتے رہو گے (موطا مالک) ایک کتاب اللہ دوسرے سنت رسول اللہ۔ آپ کی پوری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی، جس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ’’کان خلقه القرآن‘‘ کہ آپ کے اخلاق کریمانہ تو قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی، احادیث قولیہ وفعلیہ اور آپ کی زندگی میں پیش آنے والے تمام واقعات، آپ کے معمولات وعادات یہی آپ کی سیرت مبارکہ ہے، جس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا ’’لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ‘‘۔ رہتی دنیا تک سارے عالم میں امت پر جب بھی جس طرح کے بھی حالات پیش آئیں، آپ کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ سے اس میں رہنمائی ملتی رہے گی؛ اس لئے پوری امت کسی موقع پر بھی آپ کی سیرت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتی، اسی وجہ سے ہر زمانہ میں علماء کرام اپنی صلاحیت وذوق اور امت کی ضرورت کو سامنے

رکھتے ہوئے مختلف انداز سے سیرت کی کتابیں لکھتے آئے ہیں ۔سیرت طیبہ سے اشتغال خواہ وہ کسی بھی نوعیت اور کسی بھی جہت سے ہو بشرط ایمان واخلاص بڑی سعادت اور نیک بختی کی علامت ہے، نیز رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کی علامت ہےاور آپ کی محبت پیدا ہونے اور ترقی کا ذریعہ بھی ہے۔

میرے محترم بزرگ اور مخلص رفیق جناب مولانا فیض الوحید صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے سیرت طیبہ کے موضوع پر''سراجا منیرا'' کے نام سے بڑی عمدہ کتاب تصنیف فرمائی ہے، اصل کتاب گوجری زبان میں ہے، بعد میں اس کو اردو میں کیا گیا ہے۔مولانا محترم مخلص صاحب علم ذی استعداد وباذوق مصنف ہیں، تفسیر قرآن اور سیرت طیبہ سے ان کو خاص شغف ہے، ہر سال رمضان المبارک میں پورے قرآن کریم کا خلاصہ مع مختصر تفسیر بیان کرتے ہیں ۔امت کی ضرورت وحالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ کتاب تحریر کی گئی ہے۔پوری کتاب سے احقر مستفید نہ ہوسکا، لیکن جن جن مقامات کو دیکھا اس سے اندازہ ہوا کہ اس کتاب کی تیاری میں مصنف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، نیز سیرت کی مستند کتابوں اور معتبر مآخذ کو پیش نظر رکھ کر کتاب مرتب کی گئی ، انداز بیان نہایت فصاحت آمیز، دل میں اتر جائے ، اور سخت دل بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے ۔اور رسول اللہ ﷺ کی محبت وعظمت اور ہیبت ووقعت دلوں میں بیٹھتی جائے ۔موقع محل کے لحاظ سے عربی اشعار بھی درج کیے گیے اور ان کا نہایت آسان ترجمہ اور مفہوم بھی لکھا گیا ہے۔اور بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ موجودہ حالات میں سیرت طیبہ سے جو رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، اس کی طرف بھی اشارے کیے گیے ہیں یا تمہید میں وہ بات اپنے انداز سے کہی گئی ہے جس سے کوئی مفید سبق اور رہنمائی ملتی ہے، پھر سیرت طیبہ سے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے، اللہ تعالیٰ شیخ موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے ۔ہم مولانا محترم کو ان کی اس مبارک تصنیف پر مبارک باد پیش کرتے ہین اور مولانا کی فرمائش پر چند سطور لکھنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ اس کتاب سے امت کو خوب خوب مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے ۔

اورخیر کثیر کا ذریعہ بنائے۔آمین

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو۔

۱۴؍شوال ۱۴۴۰ھ

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا صلاح الدین سیفی نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

خالقِ کائنات کے بعد اگر کوئی ہستی محبت کے قابل ہے تو وہ محبوب ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔لہذا ہرامتی کو چاہئے کہ محبوب ﷺ کی ایک ایک ادا، ان کی زندگی کے ہر پہلو اور ایک ایک ہدایت کو سمجھے اوران پر دل وجان سے عمل کرنے کی نیت کرے۔

زیرِنظر کتاب ''سراجا منیرا'' کو برادرم مفتی فیض الوحید صاحب دامت برکاتہم نے محبت کے جذبے سے سرشار ہوکر قرآنی آیات کی روشنی میں اس بہترین پیرائے میں ترتیب دیا ہے کہ محبوب ﷺ کی سیرت آیاتِ قرآن کی عملی تفسیر بن گئی ہے۔

کتاب پڑھ کر قاری نہ یہ کہ اپنے باطن کو دھلا دھلایا محسوس کرتا ہے، بلکہ ایک نئی زندگی کا آغاز سمجھتا ہے، اور بقیہ زندگی محبوب ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں گزارنا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔

کتاب کے مطالعے کے دوران آنکھوں کے خشک چشمے ابل ابل کر بہہ پڑتے ہیں، جن کے ذریعہ دل کی ویران سرزمین میں بہار سی آجاتی ہے۔ نیز کئی مقام پر

کتاب پڑھتے ہوئے یہ کیفیت بنی کہ کتاب بند کر کے سینے سے لگا کر محبوب ﷺ کے سراپا کو تصور میں بسا کر اور محبت کو سینے میں سجا کر اٹھ کھڑا ہوا جائے، اور دنیا کی شبِ تاریک کو محبوب ﷺ کے نقشِ قدم پر چل کر اور محبوب ﷺ کے مشن کو لے کر صبحِ روشن میں تبدیل کر دیا جائے۔ یقیناً کتاب کو اگر صدقِ دل سے جزبۂ محبت سے پڑھا جائے تو بڑے نفع کی کتاب ہے۔

میں دل کی گہرائیوں سے برادرم مفتی فیض الوحید صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ربِ کریم مفتی فیض الوحید صاحب کے اس فیض کو عام و تام فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنا کر قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو سلامت با کرامت رکھے اور ان کے فیض کو تا قیامت جاری و ساری رکھے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

والسلام

فقیر صلاح الدین سیفی نقشبندی مجددی عفی عنہ

تقریظ

حضرت اقدس حضرت مولانا محمد خیر محمد مکی صاحب
دامت برکاتہم مدرس حرم مکی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین ، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعہم باحسان الی یوم الدین .

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر ایک ایمان والے کے لئے جزوِ ایمان ہے۔ اور ایمان والوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا یہی وہ سمندر ہے جو ان کو ہر قسم کے حالات میں آقائے مدنی ﷺ کی اتباع پر مجبور کرتا ہے، اور اسی سے اہل ایمان کے قلوب میں رحمتِ عالم ﷺ کی حیات طیبہ، پاکیزہ سیرت اور آپ ﷺ کے حالات طیبات جاننے کا اتنا شوق ہوتا ہے کہ اتنا اپنے حالات جاننے کو شوق نہیں ہوتا۔

اسی عشقِ نبوی کا ثمرہ ہے کہ ہر دور کے اصحابِ علم وفضل نے سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو سعادت دارین کے لئے اپنی تحریر کا موضوع بنا کر اپنی عقیدت کے گلہائے رنگارنگ نچھاور کئے ہیں، جس کے نتیجے میں دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں ہزاروں نہیں لاکھوں کتبِ سیرت منظر عام پر آچکی ہیں، لیکن پھر بھی لکھنے والون کے سامنے نئے نئے گوشے اور زاویے کھلتے جاتے ہیں اور ہر نئی صبح ایک تازہ تالیف منصۂ شہود پر آتی جا رہی ہے۔ یہ آقائے مدنی ﷺ کا جیتا جاگتا زندہ معجزہ ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

دامانِ نگاہ تنگ وحسن رخِ تو بسیار ع

یا

یزیدک وجهه حسنا　　　اذا ما زدته نظرا

اسی سلسلۃ الذہب کی تازہ کڑی عزیز محترم مولانا مفتی فیض الوحید صاحب قاسمی کی یہ کتاب ''سراجاً منیراً'' ہے۔ جو کہ اصلاً گوجری میں تھی، جس کو موصوف نے اردو میں منتقل کروایا ہے۔

میں نے کتاب کے عنوانات اور موٹی موٹی سرخیاں دیکھی ہیں اور جستہ جستہ مقامات کا مطالعہ کیا ہے، جس سے محسوس ہوا کہ مفتی صاحب نے کافی عرق ریزی اور محنت سے کام لیا ہے۔ مضامین میں تسلسل، روانگی، چاشنی اور کشش ہے، ہر بات کو قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل ومحکم کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جزبۂ دروں اور سعیِ جمیل کو قبول فرما کر اس کے نفع کو عام وتام فرمائے اور مؤلف کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین! والسلام

محمد خیر محمد مکی حجازی (المعروف بشیخ مکی) مدرس حرمِ مکی

۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمات تبریک

حضرت مفتی منیر حسین صاحب دامت برکاتہم تھنہ منڈی راجوری

الحمدللہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اللہ رب العلمین کا بے حد احسان وکرم ہے کہ اس نے اپنے پاک ومبارک دین کے لئے اپنے خوش قسمت وسعادت مند بندوں کو منتخب فرما کر ان کو اپنے دین کے کام عطا فرمائے۔

ان ہی سعادت مند بندوں میں عزیزم مفتی فیض الوحید سلمہ ہیں، جو ہم سب میں متعارف اور عوام وخواص کی دلی تمناؤں کا مرکز ہیں۔ اور اپنے اکابر کی نیک دعاؤں، شفقتوں اور توجہات کا ثمرہ ہیں۔ ان کی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قابلِ رشک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم صحیح کے ساتھ ساتھ فہمِ صحیح، مزاجِ دین اور نہج اسلاف بھی عطا فرمایا ہے۔ **وذلک فضل الله یؤتیه من یشاء**

دیگر خدمات کے علاوہ تقریر وتحریر کے میدان میں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت کام لیا ہے، ان کے قلم سے کئی مفید تصانیف وجود میں آ کر ان شاء اللہ سعادت دارین کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ **اللھم زد فزد**۔ اس سلسلے کی تازہ کاوش سیرت پاک کے موضوع پر یہ کتاب ''سراجا منیرا'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو موصوف کے لئے بہت بڑا ذریعۂ سعادت مندی ہے، راقم الحروف نے از اول تا آخر حرف بحرف مکمل مسودے کا مطالعہ کیا ہے، اس بے بدل خزانے کی قدر وقیمت کا اندازہ تو اہلِ علم، اہلِ فن اور اہلِ نظر کریں گے، راقم الحروف یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سیرت کے موتیوں کا بہترین ہار یا خوشبودار مہکتے پھولوں کا سلیقے سے سجایا ہوا گلدستہ ہے۔ تحریر عام فہم اور دل میں اترنے والی اور پڑھنے والے کو متاثر کرنے والی ہے۔ ابطال شرک کے دلائل قرآنیہ کا ایک جگہ

خلاصہ کردیا گیا ہے۔ یہ اس کتاب کی امتیازی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے وہ اپنے کرم سے موصوف کے علم وعمل اور صلاحیتوں اور سعادتوں میں بے پناہ برکت عطا فرمائے اور اس محنت کو سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

منیر حسین قاسمی

۲۶/رمضان ۱۴۴۰ھ یکم جون ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریکیوں میں نور کی کرن

ربِّ کائنات نے زمین وآسمان کا یہ وسیع وعریض نظام بنایا جسے دریاؤں، ندیوں، پہاڑوں، جنگلات، رنگ برنگے پھولوں اور باغات سے آراستہ وپیراستہ کیا، لیکن روشنی کے بغیر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں دکھتا تھا، پھر سورج، چانداور ستاروں سے اس دنیا کو رونق بخشی۔

اسی طرح ظاہری روشنی کے ساتھ ساتھ باطنی روشنی یعنی روحانی نور کا بھی انتظام فرمایا، اس حقیقی روحانی روشنی کے لئے ربِّ کریم نے وحی، نبوت اور رسالت کا سلسلہ شروع فرمایا، حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک اسی اشرف المخلوقات یعنی حضرت انسان کے طبقہ میں نہ جانے کیسی کیسی، پیاری پیاری ہستیاں تشریف لائیں، اور کیسے کیسے اعلیٰ وارفع کارنامے انجام دیئے!، ہمارے ہاتھوں میں ان کی تفصیلی تاریخ تو نہیں ہے؛ البتہ ہم خالقِ کائنات کی سچی کتاب قرآن کریم کے ذریعہ اتنا جانتے ہیں کہ ہمارے مالک کا برپا کیا ہوا یہ سلسلہ ہر جگہ پہنچا، بلکہ ہر قوم اور قبیلہ میں پہونچا اور وحی کے روحانی نور سے اس دنیا کو چمکایا اور مہکایا، آج دنیا میں اسلام کے علاوہ جہاں کہیں بھی کچھ معمولی سی روشنی دکھائی دیتی ہے، وہ انہی مبارک ہستیوں کے روشن کئے ہوئے نور کی روشنی ہے، خالقِ کائنات کا ارشاد ہے:

اِنَّا اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ☆

ترجمہ:-ہم نے تمہیں حق بات دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم خوش خبری دو، اور خبردار کرو، اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔ (سورہ فاطر:۲۴)

یہ ہمارے مالک کی گواہی ہے جس سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں ہوسکتی،:

وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیۡلًا☆

ترجمہ:-اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے؟۔(سورہ نساء: ۱۲۲)

اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کے بعد کسی گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ☆

ترجمہ:- کہہ دو کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے کافی ہے۔(سورہ رعد:۴۳)

ان مبارک ہستیوں کی روشنی کیا تھی؟ بس یہی کہ بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا جائے، ان کی تمناؤں اور امیدوں کا مرکز صرف ایک ہی ہو، اس کائنات کی سب سے اعلیٰ وارفع مخلوق حضرت انسان کا سر اپنے مالک کے در کو چھوڑ کر کسی اور در پر نہ جھکے، یہی سب نبیوں کا مشن اور اصل کام تھا، قرآن کریم رب العالمین کی گواہی پیش کر کے اعلان کر رہا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ☆

ترجمہ:- اور تم سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہذا تم میری ہی عبادت کرو!۔(سورہ انبیاء:۲۵)

لیکن یہاں ایک زبردست سوال پیدا ہوتا ہے، کہ ہمارے مالک پروردگار کو اس کی حاجت کیا تھی؟ کہ وہ ایک ہی بات کی یاد دہانی کے لئے یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتے تھے، جبکہ سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو یہ بات سکھلا دی تھی، پھر کون سی بات یاد کرانے کی ضرورت تھی؟ یہ سوال لگتا تو بہت گہرا ہے لیکن درحقیقت یہ کوئی سوال ہی نہیں ہے، اس لئے کہ مالک الملک نے جب انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر پیدا فرمایا تھا، اسی وقت یہ اعلان فرما دیا تھا کہ اس مخلوق کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر یہ نیکی کا ارادہ کریگی تو اس کی فطرت میں ایسی طاقت ہوگی کہ یہ نیکیوں میں فرشتوں سے آگے بڑھ جائیگی، لیکن اس میں یہ بگاڑ بھی موجود ہے کہ خدا نہ کرے اگر یہ بگڑنے لگ جائے تو اس سے نیچے کوئی بھی نہیں جا سکے گا، اسی حقیقت کا سورہ تین میں اعلان فرمایا ہے، ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ☆ ترجمہ:- پھر ہم اسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں۔(سورۂ تین:۵)

اور یہی بات سورۃ الشّمس میں اس طرح سمجھائی گئی ہے، فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ☆

ترجمہ:- پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اس کے لئے برائی کی ہے اور وہ بھی جو اس کے لئے پرہیزگاری کی ہے۔(سورۂ شمس: ۸)

بس آخری بات یہ ہے کہ خدائے قہار نے جہاں اشرف المخلوقات حضرت انسان کو پیدا فرما کر تمام مخلوق کا سردار ہی نہیں بنایا بلکہ کائنات کی ایک ایک چیز اس کی خدمت میں لگادی، زمین وآسمان کی چھوٹی بڑی تمام چیزوں سے لیکر سورج چاند جیسے بڑے بڑے سیارے بھی اسی کی خدمت میں لگائے، وہاں اس کی رحیمیت اور اس کے کرم کا یہ تقاضہ بھی تھا کہ وہ اس مخلوق کو جس کے لئے یہ سارا نظام بنا اس کو اپنی نورانی نعمت سے محروم نہ فرمائے، اس کی نورانی نعمت یہی توحید والا نور ہے، جو پیغمبروں کے صدقے انسانوں کو ملا، پھر اسی نور کو چمکتا دمکتا اور جیتا جاگتا رکھنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا یہ سلسلہ جاری فرمایا۔

اس حقیقت کے ظاہر ہوجانے کے بعد اب اس بحث کی بالکل ضرورت نہیں رہتی ہے کہ یہ سلسلہ کہاں کہاں اور کب کب پہنچا؟ یہ تو ہر جگہ ہر زمانے میں پہنچتا رہا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق یہ تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تک پہنچتی ہے، ان میں سے عرب کے آس پاس آنے والی پچیس ہستیوں کا قرآن کریم نے تعارف کرایا پھر کچھ کے کام کا تفصیلی بیان فرمایا، اور کچھ کی دعوتِ دین کا سرسری تذکرہ فرمایا، سورہ انعام آیت ۸۴،۸۵،۸۶، اور ۸۷ میں ان میں سے اٹھارہ ہستیوں کا تذکرہ ایک ہی جگہ موجود ہے۔

(۱) حضرت ابرہیم علیہ السلام (۲) حضرت اسحاق علیہ السلام (۳) حضرت یعقوب علیہ السلام (۴) حضرت نوح علیہ السلام (۵) حضرت داؤد علیہ السلام (۶) حضرت سلیمان علیہ السلام (۷) حضرت ایوب علیہ السلام (۸) حضرت یوسف علیہ السلام (۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۱۰) حضرت ہارون علیہ السلام (۱۱) حضرت زکریا علیہ السلام (۱۲) حضرت یحییٰ علیہ السلام (۱۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۱۴) حضرت الیاس علیہ السلام (۱۵) حضرت اسماعیل علیہ السلام (۱۶) حضرت الیسع علیہ السلام (۱۷) حضرت یونس علیہ السلام (۱۸) حضرت لوط علیہ

السلام ۔ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر (۱۹) حضرت آدم علیہ السلام (۲۰) حضرت ادریس علیہ السلام (۲۱) حضرت ہود علیہ السلام (۲۲) حضرت صالح علیہ السلام (۲۳) حضرت شعیب علیہ السلام (۲۴) حضرت ذوالکفل علیہ السلام اور (۲۵) سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمدِ عربی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا۔

چوبیس نمبر تک کے تمام حضرات اپنے اپنے وقت پر تشریف لائے اور دنیا میں توحید کا نور پھیلاتے اور اس راستہ کے مصائب اور دشواریاں برداشت کرتے چلے گئے۔

لیکن انکے جانے کے بعد کبھی جلد ہی اور کبھی تھوڑی دیر بعد ان کی امتوں کی اکثریت اس روحانی نور کو چھوڑ کر اندھیریوں میں بھٹک کر گمراہ ہوتی چلی گئی؛ کیونکہ اٹھنے کے بعد گرنا، بننے کے بعد بگڑنا اور عروج کے بعد زوال یہ انسان ہی کی تاریخ نہیں بلکہ یہ بات تو پورے نظامِ عالم میں پائی جاتی ہے۔

کیا آپ نے کبھی کسی کو کانٹوں کی پنیری لگاتے اور انکی دیکھ بھال کرتے دیکھا؟ پھر پھلوں کے باغات میں کانٹے کہاں سے آتے ہیں؟ بلکہ کبھی تو مالی کی غفلت سے پھلوں کے باغ کانٹوں کے جھاڑ جھنکاڑ اور جنگلوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

خیر! انبیاء علیہم السلام کا یہ سلسلہ چلتے چلتے حضرت عیسیٰؑ تک پہونچا، جہاں تھوڑی دیر یہ سلسلہ رُک سا گیا، اور اندھیریوں نے پھر ڈیرے ڈال لیے۔

حضرت عیسیٰ کی روشن کی ہوئی یہ روشنی کم ہوتی ہوتی تقریباً معدوم اور ختم سی ہوگئی، دنیا کی چہار جانب توحید کی جگہ شرک اور علم نبوت کی جگہ جہالت کی تاریکی، اور عدل وانصاف کی جگہ لوٹ کھسوٹ پھیل گئی، ہر ایک طاقتور کمزور پر ظلم وستم کرنے لگ گیا۔

اور جن شریف اور نیک لوگوں کے پاس اپنے مالک کی معرفت کی کچھ معمولی سی روشنی تھی وہ بھی اس بے دینی اور ظلم کا مقابلہ کیا کرتے؟ وہ بے چارے بھی اپنے دین کو بچانے کے لیے غاروں اور جنگلوں میں چھپنے لگ گئے، پھر آہستہ آہستہ وہ وقت بھی آیا جب دین داری اور بزرگی

کی پہچان ہی پہاڑوں اور غاروں میں چھپنا رہ گئی ، بس یہی وقت تھا جب سچے انسانوں کے ضمیر کی چیخیں نکلنے لگ گئیں کہ خدایا! کیا تیرے بندے اسی طرح جہنم میں جائیں گے؟ کیا اب ان کو سمجھانے اور بیدار کرنے کے لئے کوئی نہیں آئے گا؟ آپ کے وہ پیارے نبی جن کے بارے میں ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء کرامؑ خوشخبری دیتے دیتے اور دعا کرتے کرتے چلے گئے ، کیا اب بھی ان کے تشریف لانے کا وقت نہیں آیا؟ نیک ضمیر انسانوں کے دل سے نکلی ہوئی یہ دعا آسمانوں کو چیرتے ہوئے عرش اعظم کو ہلانے لگی ، اس وقت کائنات کے مالک کی طرف سے جواب آیا۔

قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآ ءَ نَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآ ءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ☆

ترجمہ:-تمہارے پاس ہمارے پیغمبر ایسے وقت دین کی وضاحت کرنے آئے ہیں جب پیغمبروں کی آمد رکی ہوئی تھی، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی (جنت کی) خوش خبری دینے والا آیا، نہ کوئی (جہنم سے) ڈرانے والا ، لو! اب تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔(سورہ مائدہ:۱۹)

اس طرح نبیوں کے سردار امام النبیین خاتم الانبیاء حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا وقت آ گیا، جو مقصودِ کائنات اور وجہ کائنات بھی تھے؛ بلکہ مخلوق کو پیدا کرنے کا جب خدائی فیصلہ ہوا تو اس فیصلہ میں سب سے پہلے انہی کو پیدا کرنے کا فیصلہ ہوا ، اب سب سے آخر میں پوری دنیا کے لئے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے ان کے مبعوث ہونے کا وقت آ گیا، جس کے لئے عرب کی ایک ان پڑھ قوم کا انتخاب ہوا، اور ساری دنیا کا مرکز مکہ مکرمہ کا شہر منتخب ہوا، ،تا کہ یہاں سے یہ روشنی پوری دنیا کو نصیب ہو، اور ساری دنیا اس نور سے منور اور روشن ہو جائے۔

......☆......

شہر مکہ

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ وَ اَنۡتَ حِلٌّ بِهٰذَا الۡبَلَدِ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی، جبکہ (اے پیغمبر!) آپ اس شہر میں مقیم ہیں

وَهٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِ

اور اس امن والے شہر کی (قسم)

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری سوچ اور ہمارے تصور سے بہت اونچی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کام بھی ہمارے خیالوں سے بہت اونچے ہیں، ہمارے خیال میں کسی بڑے کام کے لئے اچھی زرخیز زمین ہونی چاہئے، جہاں کے لوگ بہت پڑھے لکھے صاحب مال و دولت ہوں، مگر رب العالمین نے جب پوری دنیا میں قیامت تک تمام انسانوں کو ہدایت کی روشنی اور ایمان کے نور سے منور کرنے کا فیصلہ فرمایا، اور اس پاک ہستی کی آمد کا وقت آ گیا جن کی خبر کم وبیش سوا لاکھ انبیاء علیہم السلام نے دی تھی، جو سب کے بعد آنے کے باوجود پہلوں کے سردار اور امام بننے والے تھے، ان کے لئے اس علاقہ کا انتخاب ہوا جو اپنی ظاہری خوبصورتی اُچھلتے ہوئے دریاؤں، اُبلتے ہوئے چشموں کی فراوانی، نکہت گل کی کثرت سے مشہور نہیں تھا، بلکہ اسکے لئے اس مکہ شہر کا انتخاب ہوا، جو کالے سنگ لاخ پہاڑوں اور بنجر ریتیلی زمین سے مشہور تھا، اسی طرح وہاں کے لوگوں کا تعلیمی معیار بھی بہت عجیب تھا کہ پوری دنیا میں صرف انہی کا لقب ''اُمّی'' یعنی ان پڑھ پڑ گیا تھا۔

ہاں! یہ الگ بات ہے کہ اُمّی ہونا ہی ان کے لئے فخر تھا، کہ ان کے دل کی تختی سفید کاغذ کی طرح صاف وشفاف تھی، اس پر کسی تہذیب یا جہالت والے کسی علم کی کوئی لکیر اور دھبہ نہیں تھا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے کوئی ڈھائی تین ہزار سال قبل بڑی

اونچی شان والے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اس وقت شام میں قیام پذیر تھے، انکو حکم ہوا کہ آپ اپنے دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور انکی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہؓ کو شام سے تقریباً پندرہ سو کلو میٹر دور مکہ نام کے ایک بیابان اور ویران علاقہ میں چھوڑ آؤ!!۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام یہ لمبا ویران اور اجاڑ پہاڑوں کا راستہ طے کر کے اس علاقہ میں پہنچ گئے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جہاں پر آج کعبہ ہے اس کے قریب ہی حضرت ہاجرہؓ اور انکے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو الوداع کہتے ہوئے واپس شام لوٹ گئے۔

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب واپس لوٹے تو حضرت ہاجرہؓ انکے پیچھے کچھ دور تک یہ بات پوچھتی ہوئی گئیں، کہ آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو حضرت ہاجرہؓ نے خود ہی کہا: کیا آپ کے رب نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ حضرت نے فرمایا: جی ہاں! اس پر انہوں نے جواب دیا، **اذن لا یضیعنا**، تب تو وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دیگا۔ سبحان اللہ! حضرت ہاجرہؓ اپنے اس معصوم دودھ پیتے بچے کے ساتھ اس بیابان و ویرانے میں بیٹھ گئیں، وقت گذرتے ہی انکے پاس جو کچھ توشہ پانی وانی تھا سب ختم ہو گیا، جب انکے دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیاس لگنے لگی تو والدہ محترمہ نے دائیں بائیں نظر دوڑائی، لیکن پانی کا کہیں نام ونشان نہیں تھا، بالآخر اپنے معصوم بچے کو بلبلاتا، سسکتا اور تڑپتا نہ دیکھ سکیں تو صفا کی طرف دوڑیں، آس پاس پانی تلاش کیا، لیکن اس پتھریلی سنگلاخ زمین میں پانی کہاں؟ یہاں سے مروہ گئیں، بیچ میں جہاں زمین تھوڑی نشیب میں تھی، جہاں سے بچہ نظر نہیں آتا تھا وہاں سے دوڑ کر آگے مروہ پہنچ گئیں، وہاں بھی اچھی طرح پانی تلاش کیا، لیکن اس سنگلاخ میں پانی کہاں تھا؟؟ اس طرح صفا سے مروہ تک سات چکر لگائے، اس لئے کہ ان کا ایمان تھا کہ جس خدا نے ہمیں یہاں رہنے کا حکم دیا ہے اس نے ضرور پانی کا انتظام کیا ہوگا، مگر وہ ہمیں دکھتا کیوں نہیں؟ آخر ساتویں مرتبہ جب وہ مروہ پر پہنچیں تو آسمانوں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے اور جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اسی جگہ اپنا پر مارا تو زمین سے پانی

کا چشمہ ابل پڑا، بظاہر آخری سانس لیتے حضرت اسماعیلؑ کی بے تاب ماں حضرت ہاجرہؓ ابلتے پانی کا چشمہ دیکھ کر بہت خوش ہوگئیں اور پانی کے اردگرد منڈیر بنادی، تاکہ پانی ادھر ادھر نہ بہہ جائے، آج اسی کو زمزم کے کنوے سے یاد کیا جاتا ہے۔(البدایہ والنہایہ ۱؍۱۹۰)

ابھی چند دن بھی نہ گذرے تھے کہ یمن سے تعلق رکھنے والا بنو جرہم کا ایک قافلہ وہاں سے گذرا، انہوں نے دیکھا کہ یہاں پرندے اڑانیں بھر رہے ہیں، ان کے لئے یہ منظر حیران کن اور ناقابل یقین تھا، وہ حیران تھے کہ پرندے یہاں کیسے؟ عرب کے خشک علاقوں میں تو پرندے صرف پانی والی جگہ پر ہی نظر آتے تھے، اس جستجو نے انہیں اس گھاٹی کی طرف آنے پر مجبور کردیا، جہاں پانی کا چشمہ اور ایک ماں بیٹے کو دیکھکر وہ ششدر رہ گئے، پھر انہوں نے حضرت ہاجرہؓ سے وہاں رہنے کی اجازت لیکر رہنا شروع کردیا، پھر کیا تھا!! دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک بستی، بستی سے قصبہ پھر ایک شہر بن گیا، ادھر حضرت ابراہیمؑ بھی کچھ عرصہ بعد شام سے دوبارہ تشریف لائے، اسی دوران حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کا وہ مشہور خواب دیکھا جس کا تذکرہ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضرت جبرائیلؑ کی نشاندہی پر اللہ تعالیٰ کے گھر خانہ کعبہ کی پرانی بنیادوں پر تعمیر فرمائی، جو گذرتے زمانے کے ساتھ ساتھ بالکل ختم ہوچکیں تھیں، تعمیر فرماتے ہوئے اخلاص اور للّٰہیت سے پُر کچھ دعائیں دل کے نہاں خانوں کی گہرائیوں سے اٹھکر لبوں پر آگئیں

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ .

اے میرے پرودگار! اس (بستی) کو ایک امن والا شہر بنادے، اور اس کے بسنے والوں میں سے جو اللہ پر اور آخرت کے دن دن پر ایماں رکھتے ہیں تو ان کو پھلوں میں سے روزی عطا فرما! (البقرہ ۱۲۶)

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهُ قَلِيْلاً ثُمَّ اَضْطَرُّهُ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرِ ☆ ترجمہ: جو کفر کرے اس کو بھی کچھ دنوں تک نفع پہنچاؤں گا پھر اس کو جبراً دوزخ کے عذاب کی طرف لاؤں گا اور وہ رہنے کی بُری جگہ ہے۔ (سورہ بقرہ:۱۲۶)

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار حضرت ابراہیمؑ کی مبارک زندگی ہی میں یہ مبارک بستی شہر بن گئی تھی جس پر انہوں نے تھوڑے الفاظ بدل کر دوسری بار اس طرح دعا فرمائی۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا

اے پروردگار! تو اس شہر (مکہ) کو امن والا شہر بنا دے۔ (سورہ ابراہیمؑ:۳۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ ہی میں شہر بن چکا تھا، لیکن تاریخی روایتوں میں یہ بات بڑی اہمیت سے بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کے لکڑ دادا قصی تک بیت اللہ شریف کے آس پاس کوئی دیواروں اور چھت والا تعمیر شدہ مکان نہیں تھا، اس کو وہ بے ادبی سمجھتے تھے، بس خیموں اور جھونپڑیوں میں ہی لوگ رہتے تھے، قصی ابن کلاب نے سب سے پہلے دیواروں اور چھت والے مکان بنوائے تھے، لیکن آج کی طرح کئی کئی منزلوں والی عمارتوں کا اس شہر میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ:۱/۱۹۳-۱۹۹)

مکہ مکرمہ کی حکومت اور امارت

﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰى اِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾

﴿کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں﴾ (القصص:۵۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے آپ ﷺ سے ڈھائی ہزار سال پہلے اس شہر کو بسایا اور آباد کروایا، لیکن شاید اللہ تعالیٰ کو حضرت اسماعیلؑ کے خاندان کو یہاں ہمیشہ کے لئے بادشاہ

بنانا منظور نہیں تھا، چنانچہ حضرت اسماعیلؑ نے ۱۳۰ یا ۱۳۷/سال کی عمر پائی (ابن ہشام :۳۲/۱) اور تاحیات مکہ کے سربراہ اور بیت اللہ کے متولی رہے، آپ کے بعد آپ کے دو صاحبزادگان - نابت پھر قیدار، یا قیدار پھر نابت - یکے بعد دیگرے مکہ کے والی اور ذمہ دار ہوئے، ان کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمرو جُرہمی نے زمامِ کار اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اس طرح مکہ کی سربراہی بنوجُرہم کی طرف منتقل ہوگئی، جو تاریخی روایتوں کے اعتبار سے تقریباً دو ہزار سال تک اسی خاندان میں رہی، پھر کچھ سالوں تک بنوعدنان نام کا قبیلہ بھی منتظم رہا، آخر بنوجُرہم اور بنو عدنان سے کعبہ کا انتظام عرب کا مشہور قبیلہ بنوخزاعہ چھین کر خود قابض ہوگیا لیکن بنوجُرہم نے مکہ چھوڑتے وقت زمزم کا کنواں پاٹ دیا اور اس میں کئی تاریخی چیزیں جیسے خانہ کعبہ کے دونوں سونے کے ہرن اور اسکے کونے میں لگا ہوا پتھر - حجر اسود - نکال کر دفن کر کے اس طرح زمین کے ساتھ ہموار کر دیا کہ نشانات بھی باقی نہیں چھوڑے۔ (ابنِ ہشام :۱۳۸/۱)

بنوخزاعہ نے تقریباً تین سو سال تک وہاں حکومت کی، حکومت کیا تھی؟؟ بس کچھ عہدے تھے، جن پر قبضہ کا نام زمامِ حکومت ہاتھ میں لینا تھا، مثلاً: (ابن، ہشام :۱۴۳/۱، ۱۴۴)

حجابت: - یعنی خانہ کعبہ کی پاسبانی، اس کا مطلب خانہ کعبہ کی چابی اپنے پاس رکھنا، وقت پر جھاڑو لگا دینا اور صفائی کر دینا، نیز زیارت کرنے والوں کے لئے دروازہ کھولنا۔

سقایہ: - یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام کرنا۔ بئر زمزم کے بند ہوجانے کے بعد پانی طائف یا اس کے آس پاس کے علاقہ سے لایا جاتا تھا۔

رفادہ: - حاجیوں کی میزبانی کا انتظام کرنا۔

لواء: - یعنی جنگ کے وقت پرچم دکھانا۔ بس یہی چند عہدے تھے جن پر ان کو ناز اور فخر تھا اور یہ جس کے قبضہ میں ہوتے تھے اس کو بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔

بالآخر صدیوں بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر پانچویں پشت میں قُصی ابن کلاب نام کے اک شخص پیدا ہوئے، جن کے والد بچپن میں

انتقال کر گئے تھے، ان کے بعد ان کی والدہ ایک دوسرے شخص سے نکاح کر کے مکہ سے کافی دور شام چلی گئیں اور قصی کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں، جہاں قصی جوان ہوئے، اس طرح ان کو زمانہ کا گرم سرد چکھنے کا اچھا موقع ملا، وہ جوان ہو کر واپس مکۃ المکرّمہ آ گئے، اور آتے ہی اپنے خاندان کو اکٹھا کر کے بنوخزاعہ سے جنگ کی اور مکہ کی باگ ڈور خود سنبھال لی۔

اس طرح صدیوں تک مکہ کے انتظام سے علیحدہ رہنے کے بعد قریش دوبارہ مکہ کے ذمہ دار اور سردار کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہو گئے، قُصی نے مکۃ المکرّمہ میں بڑے بڑے تاریخی کام انجام دیئے، انہوں نے ہی اپنی قوم پر کچھ ٹیکس متعین کئے تھے جس کے ذریعہ حاجیوں کی مہمان نوازی کی جاتی تھی، اور قومی مشورہ کے واسطے ''دارالندوہ'' نام کا ایک بڑا ہال تعمیر کروایا جس میں بڑے بڑے مشورے اور خانہ کعبہ کے انتظام کے متعلق بات چیت ہوتی تھی۔

قُصی کے بعد مکہ پاک کی یہ سرداری یکے بعد دیگرے انکے بیٹے عبد مناف اور پوتے ہاشم اور پڑپوتے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کو حاصل ہوئی۔ (طبری: ۱/۳۹،۴۴)

نسب نامہ مبارک

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول اٹھایا

سیدنا ومولانا حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر بن مالک بن معد بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (بخاری)

قبیلہ اور خاندان

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دسویں پشت میں فہر نام کے ایک آدمی آتے ہیں، ان کا لقب

قریش ہے، جس پر آپ ﷺ کے قبیلہ کو قریش کہا جاتا ہے اور تیسری پشت میں آپ ؐ کے پردادا ''ہاشم'' ہیں جن کی نسبت سے آپ کا خاندان ''بنو ہاشم'' یا ہاشمی'' سے مشہور ہے۔

ہاشم

ہاشم عبد مناف کی اولاد میں سے زیادہ سخی اور مالدار تھے، اس لئے عبد مناف کے بعد ان کی اولاد میں ہاشم کو مکۃ المکرّمہ میں انتظام کے دو بڑے عہدے حاصل ہوگئے، ایک ''سقایہ'' یعنی حجاج کو پانی پلانے کا بندوبست کرنا، دوسرا ''رفادہ'' یعنی حاجیوں کی میزبانی کرنا، ہاشم ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ میں حاجیوں کو شوربا روٹی سان کر کھلانے کا اہتمام کیا، ان کا اصل نام عمرو تھا لیکن روٹی توڑ کر شوربے میں ساننے کی وجہ سے ان کو ہاشم کہا جانے لگا؛ کیونکہ ہاشم کے معنی ہیں توڑنے والا، اور وہ روٹیاں توڑ کر سالن میں ڈال کر ''ثرید'' بنا کر لوگوں کو کھلاتے تھے۔

ہاشم ہی نے سب سے پہلے قریش میں یہ دُستور جاری کیا کہ سال میں دو مرتبہ تجارت کے لئے قافلے روانہ ہوا کریں، موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن کی طرف، مکۃ المکرّمہ سے تجارت کا کچھ سامان لیجاتے وہاں فروخت کر کے، وہاں سے کچھ سامان خرید کر مکہ لاکر فروخت کرتے تھے، اس طرح پورے سال کا خرچ نکل آتا تھا۔ (طبری: ۱/۳۵)

ہاشم کے پانچ بیٹے تھے لیکن مشہور شیبہ ہیں ان کا واقعہ یہ ہے کہ ہاشم تجارت کے لئے ملک شام تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں مدینہ منورہ پہنچے جس کو اس وقت یثرب کہا جاتا تھا، تو وہاں قبیلۂ بنی نجار میں کچھ دن ٹھہر گئے، اسی قبیلہ میں سلمیٰ بنت عمرو نام کی نیک اور صالح خاتون سے انھوں نے شادی کر لی اور کچھ دن وہیں ٹھہرے رہے، پھر بیوی کو حالت حمل میں میکے میں ہی چھوڑ کر ملک شام روانہ ہوگئے، وہاں جا کر فلسطین کے شہر غزہ میں بیمار ہو کر انتقال کر گئے، ادھر سلمیٰ کو اللہ تعالیٰ نے بچہ عطا فرمایا، اس نے اس کا نام شیبہ رکھا؛ کیونکہ بچے کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی اور سر میں سفید بال والے کو شیبہ کہا جاتا ہے، انھوں نے میکے ہی میں بچے کی پرورش کا

فیصلہ کرلیا۔(طبری:۱/۳۱)

عبدالمطلب

ہاشم کے انتقال کے بعد ان کے بھائی مطلب نے مکہ کی امارت اپنے ہاتھ میں لے لی،تقریبا دس بارہ سال گذرے ہونگے کہ مطلب کو اپنے بھتیجے شیبہ کا علم ہوا تو فوراً ان کو لانے کئے یثرب (مدینہ) کی طرف روانہ ہوگئے۔

مدینہ میں انہوں نے دیکھا کہ ایک بچہ دوسرے بچوں کے ساتھ تیراندازی کا مقابلہ کررہا ہے، اور بڑی ہمت اور بہادری کے ساتھ تیر چلا رہا ہے، جب تیر صحیح سمت پر لگتا ہے تو اس وقت للکارللکار کر اور سینہ تان کر کہتا ہے میں قریشی ہوں،کون میرا مقابلہ کرسکتا ہے؟؟ مطلب نے حیرانگی سے پوچھا یہ کون ہے؟ بچوں نے جواب دیا، یہ ہاشم کا بیٹا ہے، جو اصل میں مکی قریشی ہے اور یہاں اپنے ننہال میں رہ رہا ہے،مطلب نے شیبہ کی والدہ(اپنی بھاوج) کو بڑی مشکل سے تیار کیا کہ اس کو میرے ساتھ مکہ جانے دو، یہ اپنے والد کی حکومت سنبھالے گا اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں رہے گا،اس طرح انہوں نے اپنے بھتیجے شیبہ کو اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھالیا اور آٹھ دن کا سفر طے کر کے مکہ اس طرح پہنچے کہ شیبہ مطلب کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے،مکہ کے لوگوں نے دیکھا: ایک حسین وجمیل لڑکا مطلب کے ساتھ اونٹ پر بیٹھا ہوا ہے،مکہ والوں نے شیبہ کو کبھی دیکھا نہیں تھا اس لئے وہ سمجھے کہ یہ ضرور مطلب کا غلام ہوگا،غلام کو عربی میں ''عبد'' کہا جاتا ہے،اس لئے لوگ شیبہ کو عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پکارنے لگ گئے، پھر یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ لوگ اصل نام بالکل بھول ہی گئے،اور عبدالمطلب ہی کہنا شروع کردیا۔

مطلب کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق کعبہ پاک کی متولیت کے سارے عہدے ان کو مل گئے، پھر انہوں نے قریش میں عزت،شہرت اور نیکی کا وہ مرتبہ حاصل کیا جس تک انکے خاندان میں آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا تھا۔(طبری:۱/۳۱،۳۳)

زمزم کے کنویں کی کھدائی

عبدالمطلب مکہ کے سردار بن گئے تھے اور لوگوں میں انہوں نے بہت زیادہ عزت اور شہرت پائی تھی، حاجیوں کے کھانے اور پانی کا وہی انتظام کرتے تھے، لیکن پانی کے انتظام کرنے میں بہت مشکل آتی تھی؛ کیونکہ مکۃ المکرّمہ کے اس سنگلاخ علاقہ میں پانی کا تو خیال کرنا بھی عجیب لگتا تھا، سارا پانی دور دراز علاقوں سے اونٹوں پر لایا جاتا تھا، زمزم کا کنواں تقریبا تین سو سال سے بند تھا جس کا نام ونشان بھی باقی نہیں تھا۔

اسی دوران عبدالمطلب نے ایک رات خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو پُکار پُکار کر کہہ رہا تھا: عبدالمطلب! ''زمزم کا کنواں کھود ڈالو'' صبح بیت اللہ کے قریب جہاں ایک کوا ٹھونگیں مارتے ہوئے نظر آئیگا، آپ سمجھ لینا کہ یہی زمزم کی جگہ ہے۔

صبح عبدالمطلب حیران وپریشان کھڑے تھے کہ میں نے آج رات یہ کیا دیکھا ہے؟ جب وہ حرم کی طرف گئے تو وہاں سچ مُچ ایک کوّا زمین کرید رہا تھا، اب عبدالمطلب نے فیصلہ کرلیا کہ وہ یہ کنواں ضرور کھودیں گے، اس وقت عبدالمطلب کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام حارث تھا، اس کو ساتھ لیکر کھودنا شروع کردیا، قریش نے پوچھا یہ کیا کرنے لگے؟ انہوں نے جواب دیا، کنواں کھودنے لگا ہوں، لوگوں نے کہا: بے وقوفی کی بات!! یہاں کونسا کنواں؟؟ تین سو سال گذر گئے زمزم کو بند کئے ہوئے اب کون سا کنواں کھودو گے؟ عبدالمطلب نے ان کی بات نہیں سنی اور اپنے کام میں مشغول رہے، پھر کچھ لوگوں نے زبردستی روکنے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے ان کی کوئی بات نہیں مانی۔

عبدالمطلب کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ اگر میرے کئی سارے بیٹے ہوتے تو آج مجھے کسی دوسرے کے پاس جانے اور مدد حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، اسی لئے انہوں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی اور ایک منت مان لی کہ:

''اے اللہ! اگر تو مجھے دس بیٹے دے دے! جو بڑے ہوکر میرے کاموں میں میرا ہاتھ بٹائیں تو میں اُن میں سے ایک کو تیرے نام پر قربان کردوں گا''۔

خدا کا کرنا ان کو دس بیٹے ہی عطا ہو گئے، ادھر کچھ دن بعد کھودتے کھودتے زمزم کا پانی نکل آیا جس پر لوگ حیران وششدر رہ گئے، اور عبدالمطلب کی بزرگی بھی تسلیم کرنے لگ گئے، لیکن کچھ لوگ اس میں حصہ داری اور شراکت کے لئے ان سے جھگڑنے لگے، تو دوسرے لوگوں نے ان کو اس سے روک دیا اور کہا یہ صرف انکی بزرگی سے نکلا ہے، لہذا اس کا پورا انتظام ان کے پاس ہی رہنے دو، ادھر عبدالمطلب نے زمزم کے پاس ہی ایک حوض بنوایا تا کہ لوگ آسانی کے ساتھ اس میں سے پانی لے لیا کریں، الحمدللہ! اس وقت سے آج تک یہ پانی نکل رہا ہے جس میں کوئی کمی نہیں آئی، اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہیگا۔(ابن ہشام:۱/۱۷۰،۱۷۵)

حضرت عبداللہ کی قربانی

دن جاتے اور سال گذرتے پتہ نہیں لگتا، کچھ ہی عرصہ بعد جب عبدالمطلب کے دس بیٹے جوان ہو گئے تو انکو وہ منت یاد آ گئی، اور کچھ روایتوں میں ہے کہ ان کو پھر ایک خواب دکھائی دیا، جس میں اس منت کو پورا کرنے کا حکم تھا، عبدالمطلب نے سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر اور خواب کی اطلاع دی، سب نے ایک زبان ہوکر کہا: آپ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں، عبدالمطلب نے سب بیٹوں کے نام قرعہ ڈالا، حسنِ اتفاق سے قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا جن کو عبدالمطلب سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، عبدالمطلب نے منت پوری کرنے کے لئے چھری اور رسی لی، حضرت عبداللہ بھی تیار ہوکر ساتھ چل پڑے، لیکن حضرت عبداللہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت اور ایسا کردار عطا کیا تھا کہ یہ بات سن کر پورے مکہ میں کہرام بپا ہو گیا، بطورِ خاص ان کی بہنیں اور پھوپھیاں یہ دیکھکر بہت رونے لگیں کہ اب کیا ہوگا؟ اس طرح لوگ عبدالمطلب کو اس سے روکنے لگے، مگر عبدالمطلب منت پوری کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، وہ فرمانے لگے پھر میں

اپنی نذر اور منت کا کیا کروں جو میں نے کئی سال پہلے مانی تھی۔

آخر عبدالمطلب کو ایک عقلمند آدمی نے مشورہ دیا کہ تم اپنی قسم اور منت پوری کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ کسی کاہن یا نجومی سے پوچھو، اور کہا کہ یثرب (مدینہ) میں ایک مشہور کاہنہ عورت ہے تم اسی کے پاس جاؤ، عبدالمطلب مدینہ سے اچھی طرح واقف تھے، اس لئے کہ ان کا ننہال وہیں تھا، بچپن میں وہ مدینہ ہی میں رہے تھے، ان کو یہ بات سمجھ میں آگئی، اور فوراً اس عورت کے پاس چلے گئے، اور پورے واقعہ کو سنا کر اس سے اس کا حل معلوم کیا، اس نے ساری بات سن کر کہا تمہارے یہاں ایک آدمی کی دیت کتنی ہے؟ عبدالمطلب نے کہا: دس اونٹ، کاہنہ نے کہا: تب آپ دس اونٹوں اور بیٹے کے نام قرعہ ڈالیں، اگر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے تو اونٹ ذبح کریں، ورنہ بیس اونٹوں کا قرعہ ڈالیں، اس طرح جب تک اونٹوں کے نام قرعہ نہ نکلے تو آپ ہر مرتبہ قرعہ میں دس اونٹ بڑھاتے رہیں، جب قرعہ اونٹوں کے لئے نکل آئے تو بیٹے کے بدلے وہ سب اونٹ ذبح کردیں۔

عبدالمطلب نے مکہ آکر قرعہ ڈالا، پہلی مرتبہ اونٹوں کے لئے نہیں نکلا تو انہوں نے دس اونٹ بڑھادئے پھر بیس پر قرعہ ڈالا، پھر بھی اونٹوں کے لئے نہیں نکلا اسی طرح عبدالمطلب اونٹوں کی تعداد بڑھاتے رہے اور قرعہ ڈالتے رہے، آخر جب سو اونٹ ہوگئے تو قرعہ اونٹوں ہی کے لئے نکل آیا، اس وقت عبدالمطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر! کہا اور پورے مکہ میں خوشی کی ایک لہر دوڑ پڑی۔

عبدالمطلب نے سو اونٹ خرید کر قربان کردیئے، اور ان کا گوشت غرباء کے درمیان تقسیم کردیا، اسی لئے رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ''میں دو ذبح ہونے والوں کا بیٹا اور لخت جگر ہوں'' یعنی ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ اور دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۶۲/۲)

سابقہ مضامین پر ایک طائرانہ نگاہ

یہاں رک کر گذشتہ واقعات پر ایک سرسری نگاہ فرما لیجئے کہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے ڈھائی ہزار سال پہلے دنیا کی سب سے بنجر زمین میں "مکہ شہر" آباد کیا جاتا ہے اور وہاں زمزم جاری کیا جاتا ہے، تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا محتاج نہیں بنایا، نہ بہاروں اور نہ کیاریوں کا، نہ سرسبز و شاداب جگہوں اور نہ خوبصورت کھیتیوں کا، نہ دنیا کے بازاروں اور نہ تعلیمی اداروں کا! لوگوں کو آج تک یہی کہتے ہوئے سنا ہے کہ جہاں باغ ہوں گے وہاں میوے ہونگے، اور جہاں سرسبز کھیت ہوں گے وہاں غلہ اور اناج ہوگا۔

کہنے والوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ماں کی چھاتی کے بغیر نشو و نما ممکن ہے لیکن زمین کی چھاتی کے بغیر ممکن نہیں۔

یہاں انسان حیران و پریشان ہو جاتا ہے کہ کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود اللہ کے فضل سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

دنیا کی جس قوم میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہوتے ہیں، ڈھائی ہزار سال پہلے عظیم الشان پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کے لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ کے ذریعہ اس خاندان کی سنہری کڑی چلائی جاتی ہے۔

پھر بائیس تئیس سو سال تک مکہ کی امارت سے ان کو جدا رکھ کر ان کی فطری صفات اور اعلیٰ کردار کی حفاظت کی جاتی ہے، ان کو مشقت جھیلنے اور مصیبت برداشت کرنے کی عادت ڈالی جاتی ہے، پھر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے اچانک ایسے حالات بن جاتے ہیں کہ مکہ کی سرداری دوبارہ انہیں حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کا شہر آباد کر کے کعبہ پاک کی تعمیر کرتے ہوئے دل کے اخلاص سے جو دعا مانگی تھی کہ "اے ہمارے

پروردگار اس جماعت میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیج دے! جو اُن لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنایا کریں اوران کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھلایا کریں اوران کا تزکیہ کریں، بیشک آپ ہی زبردست اور حکمت والے ہیں۔ (سورہ بقرہ:۱۲۹)

اب اس دعا کے پورے ہونے کا وقت آ گیا تھا، اسی طرح پونے چھ سو سال پہلے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ جن کی خوشخبری دی گئی تھی کہ

﴿وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَّأْتِىْ مِنْ بَعْدِىْ اسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾

اور میں ایک زبردست رسول کی خوشخبری دیتا ہوں، جو میرے بعد آنے والے ہیں، جن کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ (سورہ صف:۵) اب اس خوشخبری کو پورا ہونا تھا۔

واقعۂ اصحاب فیل

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ (الفیل:۱)

جس طرح اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت جیسے جیسے قریب ہورہا تھا، دنیا میں کچھ عجیب اور نرالی تبدیلیاں ہوتی جارہی تھیں، جس سے عقلمند اور سمجھدار انسان سمجھ رہے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا کام ہونے والا ہے، انہی باتوں میں سے اصحابِ فیل کا واقعہ ہے۔

حکومتِ حبشہ کی جانب سے یمن کا حاکم ابرہہ نامی ایک شخص تھا، جب اس نے دیکھا کہ تمام عرب کے لوگ حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو اس نے یہ چاہا کہ میں عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالیشان گرجا گر بناؤں جو نہایت ہی پرکشش اور مرصع ہو، تاکہ عرب کے لوگ سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مصنوعی پُرتکلف گرجا گر کا طواف کرنے لگیں، چنانچہ اس نے یمن میں ایک نہایت خوبصورت گرجا گر بنایا، اوراعلان کردیا کہ اب مکہ جانے کی

کوئی ضرورت نہیں ہے، سب اسی کا طواف کریں، لیکن اللہ تعالیٰ کے گھر کی جو محبت لوگوں کے دلوں میں رچی بسی تھی وہ کب ختم ہوسکتی تھی۔

عرب میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو عرب کے کسی آدمی کو بہت غصّہ آیا، اس نے گرجا گر میں پاخانہ کردیا، اور بعض کہتے ہیں کہ آگ لگا کر جلا دیا، اس پر ابرہہ نے غصّہ میں آکر قسم کھالی کہ میں ضرور خانہ کعبہ کو منہدم اور مسمار کر کے سانس لوں گا۔

اس نے ایک لشکرِ جرار تیار کیا اور بیت اللہ کو مسمار کرنے کے لئے نکل پڑا، کچھ ہاتھی بھی اپنے ساتھ لئے اور محمود نام کے ہاتھی پر خود سوار ہوا، راستہ میں عرب کے کچھ قبیلوں نے مزاحمت کی کوشش کی تو ان سب کو تہ تیغ کردیا، اسی طرح یلغار کرتا ہوا جب مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادیٔ محسّر میں پہنچ گیا تو وہاں پہنچ کر مکہ کے سرداروں کو اپنے ارادہ سے باخبر کیا، اطراف مکہ میں اہل مکہ کے مویشی چرتے تھے ابرہہ کے لشکر نے وہ مویشی پکڑ لئے، جن میں دوسو اونٹ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے بھی تھے۔

عبدالمطلب نے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر گڑ گڑا کر دعا کی کہ ''اے ہمارے رب ہم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو ہی اپنے گھر کی حفاظت فرما! اور ہماری بھی حفاظت فرما! پھر لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: کہ گھبراؤ مت مکہ خالی کردو، خانہ کعبہ کو کوئی منہدم نہیں کرسکتا، یہ اللہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کریگا، پھر ابرہہ سے ملاقات کی حق تعالیٰ نے عبدالمطلب کو بے مثال حسن و جمال اور عجیب عظمت وہیبت اور وقار و دبدبہ عطا فرمایا تھا، جس کو دیکھ کر ہر شخص مرعوب ہوجاتا تھا، ابرہہ بھی مرعوب ہوگیا اور نہایت اکرام اور احترام کے ساتھ پیش آیا، بلکہ ان کے اعزاز واکرام میں یہ کیا کہ خود تخت سے اتر کر فرش پر ان کو اپنے ساتھ بٹھلایا۔

گفتگو کے دوران عبدالمطلب نے فرمایا: تیرے آدمیوں نے میرے کچھ اونٹ پکڑ لئے ہیں، میں ان کو لینے آیا ہوں، ابرہہ نے حیرانگی کے ساتھ کہا: میں تو خانہ کعبہ کو مسمار کرنے آیا ہوں جو تمہارا اور تمہارے آبائٔ واجداد کا دین و مذہب ہے، اس کے بارہ میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا، عبد

المطلب نے جواب دیا میں اونٹوں کا مالک ہوں اسلئے میں نے اونٹوں کا سوال کیا، اور اس گھر کا مالک خود اس کی حفاظت کریگا۔

پھر کیا تھا؟؟ عبدالمطلب باقی لوگوں کو لیکر پہاڑ پر چڑھ کر دعا میں مشغول ہوگئے اور کعبہ کے رب کی قدرت کا نظارہ کرنے لگ گئے، ابرہہ نے ہاتھی کعبہ کی طرف چلانے کی کوشش کی، لیکن ہاتھی اس جانب نہیں چلے، اتنے میں بحکمِ خداوندی چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول کے غول نظر آئے ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں، جو دفعۃً لشکر پر برسنے لگ گئیں، خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ کنکریاں گولی کا کام کر رہی تھیں، سر پر گرتی تھیں اور سوار کو چیر کر بلکہ ہاتھی کو بھی چیر کر نکل جاتی تھیں، صرف ابرہہ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سبق اور عبرت کے لئے بچا لیا، اس کے بدن پر چیچک کے دانے نمودار ہوئے اور کیڑے پڑ گئے جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور یکے بعد دیگرے ایک ایک عضو اس کا کٹ کٹ کر گرتا جاتا تھا، یمن پہنچتے پہنچتے چوزے جیسا ہوگیا، پھر اس کا سینہ پھٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور مر گیا۔

اس قصہ میں انسانوں کے لئے سبق تھا کہ جو خدا ابابیل کے ذریعہ ہاتھی والوں کو ہلاک کر کے اپنے گھر کی حفاظت کر سکتا ہے وہ اپنے دین اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کر سکتا ہے، قرآن کریم میں سورہ فیل میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اس واقعہ نے عرب میں اتنی شہرت پائی کہ اہل عرب اس سے تاریخ بیان کرنے لگ گئے، اور یہ سال ''عام الفیل'' یعنی ہاتھی والوں کا سال) سے موسوم ہوگیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۸۴/۲، ۱۹۱)

حضرت عبداللہ کا نکاح

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی﴾

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔

حضرت رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابّا جوان ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے اخلاق

کرداراورحسن عطا فرمایا تھا کہ عرب کے بڑے بڑے خاندان اس تاک میں تھے کہ کسی طرح یہ ہمارے یہاں رشتہ کرلیں ، تاریخی روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ ایک یہودی عورت نے حضرت عبداللہ کے چہرے میں نور دیکھ کر شادی کے لئے بطور رشوت بڑی رقم دینے کی کوشش کی ، جب بات نہیں بنی تو نعوذ باللہ ان کو بدکاری کی طرف موڑنے کے لئے سواونٹ دینے کا وعدہ کیا ، حضرت عبداللہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔

اما الحرام فالممات دونه　　　　والحل لاحل فاستبينه

حرام کے ارتکاب سے تو موت آسان ہے اور یہ بالکل حلال نہیں جس کو میں معرض ظہور میں لاسکوں۔

فكيف بالامر الذی تبغينه　　　　يحمی الكريم عرضه ودينه

جس ناجائز امر کی تو طلبگار ہے وہ مجھ سے کیسے ممکن ہے جبکہ کریم النفس آدمی تو اپنی آبرو اور اپنے دین کی پوری حمایت اور حفاظت کرتا ہے۔(البدایہ والنہایہ:۱؍۲۶۳،۲۶۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے پاک دامن اور شریف انسان تھے۔

بالآخر مکہ کے مشہور خاندان بنوزُہرہ میں بڑے اونچے کردار کی مالکہ حضرت آمنہ بنت وہب کا انتخاب ہوگیا، نکاح اور رخصتی کے بعد حضرت عبداللہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مکہ میں رہے، اس عرصہ میں حضرت آمنہ امید سے ہوگئیں ، کچھ دنوں کے بعد عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو کھجور لینے کے لئے مدینہ بھیج دیا، یا دوسری تاریخی روایتوں کے مطابق وہ کسی تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے ، جہاں سے واپس آتے ہوئے وہ مدینہ میں اپنے نانہال میں ٹھہر گئے ، وہاں انکی طبیعت خراب ہوگئی، تو اسی بیماری میں وہ مدینہ ہی میں انتقال کرگئے۔

اس وقت ان کی عمر ۱۸، ۲۵ یا ۲۸ سال تھی ، لیکن زیادہ تر مؤرخین کہتے ہیں کہ ۱۸ سال تھی۔

تجارتی قافلہ واپس مکہ پہنچ گیا، تمام لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں سے ملاقات اور استقبال کے لئے باہر تشریف لے آئے ، لیکن عبدالمطلب اپنے چاند کو تلاش ہی کرتے رہ گئے ، ادھر حضرت

آمنہ کی آنکھیں بھی راہیں تکتی رہ گئیں، لوگوں نے بتایا کہ وہ کچھ بیمار ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے وہ مدینہ میں رہ گئے ہیں، عبدالمطلب نے فوراً ہی اپنے بڑے بیٹے حارث کو بھیج دیا کہ صحیح پتہ کر کے آئیں، لیکن حضرت عبداللہ کی وفات ہو چکی تھی، حارث نے جب واپس آ کر یہ خبر دی تو گھر میں قیامت برپا ہوگئی، حضرت آمنہ نے اس دکھ اور غم کے موقع پر بڑا درد بھرا مرثیہ لکھا جو آج بھی سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً ((البدایہ والنہایہ: ۲/۲۷۶))

ولادت باسعادت

بالآخر وہ وقت آ گیا جس کے لئے صدیوں سے سورج طلوع اور غروب ہو رہا تھا، جس کے انتظار میں آسمانوں کے ستارے ٹک ٹکی باندھے ہوئے تھے، جس کی خبر ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرامؑ نے اپنی اپنی قوموں کو دی تھی، جس کے لئے سیدنا ابراہیمؑ نے در کعبہ پر دعا مانگی تھی۔
جس کی آخری خوش خبری پانچ سو ستر سال پہلے حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی، واقعہ فیل کے پچاس یا پچپن روز بعد بتاریخ ۸ یا ۹ ربیع الاول بمطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر رات اپنی تاریکی سمیٹ ہی رہی تھی اور صبح کی روشنی آنکھیں کھول ہی رہی تھی کہ نبیوں کے امام حضرت آمنہ کے لاڈلے عبداللہ کے لخت جگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشہور روایت کے مطابق اپنے والد کی وفات کے تقریباً تین ماہ بعد چچا ابوطالب کے گھر جہالت کی تاریکی سے انسانیت کو نجات دلانے کا اعلان کرتے ہوئے ساری دنیا کو ہدایت کی روشنی سے منور کرنے کے لئے صبح کے وقت اس دنیا میں تشریف لے آئے۔
حضرت آمنہ بیماری کے دنوں میں کچھ ایسے خواب اور خیر و برکت والی باتیں دیکھتی تھیں جس سے وہ پیدائش سے قبل ہی اپنی قسمت کو اوج کمال پر سمجھ رہی تھیں۔
اب پیدائش کے وقت کچھ ایسی باتیں سامنے آئیں کہ وہ حیران و ششدر رہ گئیں، جب بچہ شکم میں ہوتا ہے تو ماں کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، بار بار متلی آتی ہے بخار چڑھتا ہے، جب بچہ

پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ گندگی ضرور ہوتی ہے لیکن یہاں ایسا خیال کرنا بھی گناہ تھا، اور مشہور روایت کے مطابق آپ ﷺ کا ختنہ بھی پہلے ہی ہو چکا تھا، ختنہ کی بھی ضرورت نہیں پڑی، دنیا میں اس طرح تشریف لائے کہ ہاتھ اور پیشانی زمین پر تھے۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں: اس وقت کمرے میں ایک ایسی روشنی پھیلی جس سے پورا کمرہ روشن ہو گیا، پھر ایک ایسا نور دیکھا جس سے ملک شام بطور خاص بصریٰ کے محل روشن ہو گئے

یہ بات حقیقت واقعہ بن کر اس طرح سامنے آئی کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں عرب سے باہر اسلام کی روشنی سب سے پہلے ملک شام میں اور خاص اس کے شہر بصریٰ میں پہنچی۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں: کہ ولادت کے وقت مجھے ایسا لگا کہ آسمان کے ستارے میرے لختِ جگر کی طرف جھکے آرہے ہیں، یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پر آگریں گے۔

اسی شب میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا جس سے محل کے چودہ کنگرے گر گئے، اور زلزلہ صرف اسی کے محل میں آیا، دائیں بائیں کچھ بھی نہیں تھا، اس سے وہ بہت ڈر گیا، پھر جب اس کو یہ خبر پہونچی کہ ایران کا آتش کدہ جو ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھا وہ بھی بجھ گیا ہے، پھر تو وہ اور گھبرا گیا؛ بلکہ حیران و پریشان ہو گیا، ادھر اسی کا ایک وزیر اٹھا، اس نے آج ہی رات کا اپنا ایک اور ڈراونا خواب سنایا جس سے اس کے ہوش اڑ گئے، اور اس نے ایک آدمی کو ایک بڑے پادری کے پاس بھیج کر تعبیر معلوم کی، اس نے کہا: آج رات وہ ہستی تشریف لے آئے ہیں، جن کے انتظار میں پوری کائنات تھی اب شرک مٹ جائیگا اور توحید کے نور سے پوری دنیا روشن ہوگی، ایرانی بادشاہت اب صرف کنگروں کی گنتی کے مطابق چودہ بادشاہوں تک ہی رہی گی، بادشاہ یہ سن کر کچھ مطمئن ہوا کہ چودہ بادشاہیاں گزرنے کے لئے ایک زمانہ چاہئے مگر زمانے کو گذرتے کیا دیر لگتی ہے، دس بادشاہتیں چار ہی سال میں ختم ہوگئیں اور باقی چار حضرتِ عثمانؓ کے زمانۂ خلافت تک مٹ ہوگئیں۔

عبدالمطلب کو معلوم ہوا تو وہ دوڑ کر آئے، اور اپنی گود میں لیکر بہت پیار کیا، پھر خانہ کعبہ لیکر طواف کروایا، اور فرمانے لگے میرے اس بیٹے کی بہت اونچی شان ہوگی۔

مکہ میں ایک یہودی عالم تھا، بعض کہتے ہیں تجارت کی غرض سے آیا تھا، وہ صبح کو لوگوں سے معلوم کرنے لگا کہ آج رات بچہ کس کے گھر پیدا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا: کسی کے گھر نہیں، کہنے لگا: نہیں کہیں تو ضرور ہوا ہے، لوگوں نے معلوم کر کے بتایا کہ عبدالمطلب کے متوفی بیٹے حضرت عبد اللہ کے گھر بچہ ہوا ہے، کہنے لگا: مجھے وہاں لے چلو، جب حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑی تو گھور گھور کے دیکھنے لگ گیا۔

پھر اس نے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی، تو چکرا کر غشی کھا کر زمین پر گر گیا، تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر کہنے لگا، یہ وہی نبی ہے جن کے انتظار میں ہم تھے، قریشیو! یہ نعمت تمہیں حاصل ہوگئی ہے، اور اسرائیلوں کا ستارہ ڈوب گیا ہے، ان سے نبوت چلی گئی ہے، پھر کہنے لگا: قریشیو! یہ بچہ تم پر حملہ کریگا جس کی گرج مشرق و مغرب میں سنائی دے گی۔ (البدایہ والنہایہ:۲/۲۸۶)

باندیوں کی آزادی

﴿فَکُّ رَقَبَۃٍ﴾

وہ کسی گردن کا چھڑا دینا ہے۔

چچا ابولہب کو اس کی باندی حضرت ثویبہ نے خبر دی کہ عبداللہ کے گھر میں آپ کا حسین و جمیل بھتیجہ تشریف لایا ہے، اس نے خوشی میں انگلی سے اشارہ کر کے اعلان کر دیا کہ جا! تو آزاد ہے۔ کرتا بھی کیوں نہ؟ کیونکہ غلاموں اور باندیوں کو آزادی دلوانے والے تشریف لے آئے تھے۔

حضرت آمنہ نے کچھ دن دودھ پلایا پھر کچھ دن آزاد ہونے والی باندی حضرت ثویبہ نے دودھ پلایا، انہوں نے اس سے پہلے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت ابوسلمہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا، اس طرح وہ دونوں آپ کے رضاعی بھائی بھی ہوئے، انکی گود میں اس وقت ان کے بیٹے

''مسروح'' تھے۔(حوالہ بالا)

واضح رہے کہ بعض مؤرخین اور سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ حضرت ثویبہ ایمان لائیں اور وہ صحابیہ ہیں، جبکہ دوسروں کا کہنا ہے کہ نبوت کے اعلان سے پہلے ہی ان کی وفات ہوگئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عقیقہ اور تسمیہ

ولادت کے ساتویں روز عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی، پھر اعلان کیا کہ میں نے اپنے اس مبارک بچہ کا نام ''محمد'' رکھا ہے۔

لوگوں نے حیرانگی سے پوچھا ایسا نام تو آپ کے خاندان میں نہیں رکھا جاتا ہے! جواب دیا: میں نے یہ نام اس لئے رکھا کہ اللہ آسمان پر اور اللہ کی مخلوق زمین پر اس بچہ کی حمد وثنا کرے، کیوں کہ ''محمد'' کا ترجمہ ہے وہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ نام ان کو خواب میں دکھایا گیا تھا۔

حضرت آمنہ نے آپ کا نام ''احمد'' رکھا، جس کا ترجمہ ہے بہت تعریف والا، یا اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرنے والا، ترجمہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ نام خدائی اشارہ کے بغیر نہیں رکھے جاسکتے، کچھ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے یہودیوں اور عیسایوں سے یہ سن کر کہ آخری پیغمبر کا اسم گرامی محمد اور احمد ہوگا، اس وقت بہت سارے بچوں کے نام ''احمد'' اور ''محمد'' رکھ لئے تھے، لیکن اللہ کی قدرت ان میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

(عیون الاثر:۶۲/۱)

علماء اس میں یہ حکمت بھی بیان کرتے ہیں کہ حمد ہر ایک کام کے اختتام پر ہوتی ہے، اب کیونکہ نبیوں کا سلسلہ کنارے آلگا تھا، اس لئے آخر میں آنے والی ہستی کو یہی نام زیب دیتا تھا، اس نام مبارک کا یہ کمال تھا کہ جب اندھیرے کے پجاری اس چراغ کو گل کرنے کے واسطے

جھوٹی بدنامی کرتے تھے، اس وقت بھی وہ نام لیتے وقت تعریف کرنے پر مجبو ہو جاتے تھے۔

رحمت والے کی رحمتیں بنوسعد میں

اللہ تعالیٰ ہی اپنے رازوں کو جانتے ہیں کہ اس نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں پیدا فرمایا جہاں کا ساری دنیا سے الگ ہی یہ رواج تھا، کہ بڑے اور اونچے گھرانے کے لوگ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے مکہ سے باہر کسی گاؤں یا دیہات میں بھیج دیتے تھے، تا کہ بچہ اصل عربی تہذیب اور اصل عربی زبان سیکھ سکے، نیز صاف ستھری ہوا سے اس کی اچھی پرورش ہو سکے، اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کمزور، پسماندہ اور گرے پڑے، ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کو بھی نصیب ہو جائے، اور شہر کی شہریت کا بھی ان پر کوئی احسان نہ رہے، نیز کل اُنہیں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ انہوں نے یہ بلند و بالا اخلاق مکہ شہر سے سیکھے ہیں۔

خیر! راز جو بھی ہو کچھ ہی دنوں کے بعد طائف سے آگے، مکۃ المکرّمہ سے تقریباً ۱۵۰ کلومیٹر دور پہاڑوں میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر شطہ نامی گاؤں میں بنوسعد نام کا ایک قبیلہ رہتا تھا، ان کی بہت ساری عورتیں دودھ پلانے کے لئے بچوں کو لینے مکہ آئیں، انہی کے ہمراہ حضرت حلیمہ سعدیہ بنت عبداللہ ابن حارث المعروف ابوذویب بھی اپنے شوہر حضرت حارث بن عبدالعزیٰ کے ساتھ مکہ آئیں، لیکن یہاں عجیب معاملہ پیش آیا؛ کیونکہ بنی سعد میں قحط سالی تھی، گرمی کی وجہ سے وہاں کا حال بہت ابتر ہو گیا تھا۔

حضرت حلیمہ کے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بھی بھوک کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے، اس لئے ان کو کسی بڑے گھر سے کوئی بچہ نہیں ملا، دن بھر وہ گھروں میں چکر لگاتی رہیں، لیکن کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔

ادھر حضرت رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ساری عورتوں نے کئی کئی مرتبہ دیکھا بلکہ

حضرت حلیمہ نے بھی دیکھا، بہت پیارے لگے، دل نے بھی بہت چاہا، لیکن ہائے رے! دنیا کی لالچ! ایک تو یتیم ہیں، دوسرے حضرت عبدالمطلب کی مکہ کے سردار ہونے کے باوجود مالی حالت بہت کمزور ہے، پھر مزدوری کہاں سے حاصل ہوگی؟ اس لئے سب نے ہاتھ کھینچ لیا، یا یوں کہہ لیجئے: کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محروم کر دیا؛ کیونکہ ان کی نظر دنیا پر تھی۔

شام کے وقت حضرت حلیمہ سعدیہ نے عاجز آکر اپنے شوہر سے کہا: کیوں نہ ہم وہ یتیم بچہ ہی لے لیں، حاصل تو کچھ بھی نہیں ہوگا لیکن خالی ہاتھ واپس جانا اچھا نہیں لگتا، حارث نے کہا: بہت اچھا! اس طرح حضرت حلیمہ کو ان کا غریب ہونا کام آ گیا اور ان کی گود میں دنیا جہاں کی ساری دولت آ گئی، سبحان اللہ!! قسمت اپنی اپنی مقدر اپنا اپنا۔

حضرتِ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں: میرے پاس سواری کے لئے ایک سفید لاغر اور دبلی گدھی اور ایک اونٹنی تھی جس کا حال یہ تھا کہ ایک قطرہ دودھ کا نہیں نکلتا تھا، جس کی لاغری کا میری سہیلیاں مجھے بار بار طعنہ دیتی تھیں، اب یہ قسمتوں اور برکتوں والا ایسا بچہ لیا کہ پورا معاملہ ہی بدل گیا، وہ فرماتی ہیں: کہ میری چھاتیاں بالکل خشک تھیں وہ دودھ سے بھر آئیں اتنا دودھ ہوگیا کہ آپ بھی سیر ہوگئے اور آپ کا رضاعی بھائی بھی سیر ہوگیا، اور صبح تک آرام سے سوئے رہے، میری لاغر گدھی اور اونٹنی اب برق رفتار ہوگئیں کہ تھامے نہیں تھمتیں، میری سہیلیوں نے پوچھا: حلیمہ! تو نے سواری بدل تو نہیں لی؟ دراصل سواری تو وہی تھی، لیکن سوار بدل چکا تھا، اونٹنی کا دودھ دوہنے کے لئے اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں، سارے برتن دودھ سے بھر گئے لیکن دودھ تھنوں سے ختم نہیں ہوتا، میرے شوہر نے مجھ سے کہا: حلیمہ! خوب سمجھ لے! خدا کی قسم! تو نے بہت ہی مبارک بچہ لیا ہے، میں نے کہا: مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے، ہم اسی طرح اپنے گاؤں میں پہنچ گئے، میرا گھر بھی رحمتوں اور برکتوں سے پُر ہوگیا، میری بکریاں جب شام کو چراگاہ سے واپس آتیں تو دودھ سے بھری ہوتیں، اور دوسروں کی بکریاں بالکل بھوکی آتیں، تھنوں میں ایک قطرہ دودھ کا نہ ہوتا، یہ دیکھ کر لوگوں نے اپنے چرواہوں سے کہا: کہ تم بھی اسی جگہ

چرایا کرو، جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر پھر بھی یہی ہوا کہ شام کو حلیمہ کی بکریاں پیٹ بھری ہوئیں دودھ سے لبریز ہو کر آتیں اور دوسری بکریاں بھوکی واپس آتیں، تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ نہ ہوتا، پھر وہ چرواہوں کو ڈانٹتے لیکن ان کو حقیقت کا کیا علم تھا؟؟ اس طرح برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ دو سال مکمل ہو گئے، حضرت رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے رضاعی بھائی حضرت عبداللہ اور رضاعی بہن حضرت شیماء نے کچھ دن سکون سے گذارے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں: جب دو سال پورے ہو گئے تو میں نے دودھ چھڑا دیا، اس وقت یہ بچے دوسرے بچوں کے مقابلہ میں کافی بڑے لگتے تھے، قاعدہ وقانون کے مطابق اب والدہ کو واپس دینے کا وقت ہو چکا تھا، لیکن ہمارا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس بچہ کو واپس کر دیں، دل کی تڑپ تھی کہ اس کی برکتوں اور رحمتوں سے کچھ وقت اور فائدہ حاصل کر لیں، اس کے لئے طرح طرح کے بہانے تلاش کرنے لگے، وعدہ کی مجبوری کی بنا پر واپس والدہ کے پاس لے تو آئی مگر پہنچتے ہی میں نے درخواست کر دی کہ اس دریتیم کو چند روز اور میرے ہی پاس چھوڑ دیں، یہ کچھ پرورش حاصل کر لے اور میری آنکھیں بھی ٹھنڈی رہیں، اللہ کی شان!! کہ مکہ میں کوئی وباء پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے حضرت آمنہ نے میری درخواست قبول کر لی اور مجھے مزید دو سال کی اجازت دے دی، پھر میں اس خوشی کو کیسے بیان کروں جو واپسی پر مجھے حاصل ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ:۲/۲۸۷)

سینۂ مبارک چاک کیا جاتا ہے

حضرت حلیمہ سعدیہ ہی فرماتی ہیں: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین یا چار سال کے تھے تو میرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے لگ گئے، جس طرح دودھ پینے میں آپ کی ایک الگ شان تھی کہ کبھی دونوں چھاتیوں کا دودھ نہیں پیا، دوسری چھاتی اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے لئے چھوڑ دیتے تھے، اسی طرح بکریوں کے ساتھ بھی وہ اخلاق وکردار میں دوسرے بچوں سے بالکل

الگ ایک اعلیٰ شان والے تھے، جس کی وجہ سے بچے بھی آپ ﷺ سے بہت پیار کرتے تھے، بچے بکریوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوجاتے تھے لیکن آپؐ ایک جگہ بیٹھ کر بکریوں کی حفاظت کرتے تھے، چار سال کی عمر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، جس کا تذکرہ سیرت کی کتابوں کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں بھی تفصیل سے موجود ہے، کہ ایک روز آپ رضاعی بہن بھائیوں کے ہمراہ بکریاں چرانے جنگل گئے ہوئے تھے کہ اچانک سفید لباس والے دو فرشتے انسانی شکل میں آئے اور آپ کو زمین پر لٹا کر سینہ مبارک چاک کر کے قلب مطہر کو نکالا اور زمزم سے دھویا، نیز اس میں سے جمے ہوئے خون کے سے ایک ٹکڑے کو نکال کر کہا یہ شیطان کا حصہ تھا جو نکال دیا، دوسرے بچے یہ عجیب واقعہ دیکھ کر ڈر گئے اور گھر کی طرف دوڑتے ہوئے آئے، حضرت حلیمہ سے کہا: ہمارے قریشی بھائی کو اس طرح دو آدمیوں نے قتل کر دیا ہے۔

یہ واقعہ سنتے ہی حلیمہ اور انکے شوہر کے ہوش اڑ گئے، کہ یہ کیا ہو گیا ہے! دوڑتے ہوئے پہنچے تو دیکھا کہ آپ ایک جگہ کھڑے ہیں اور سہمے ہوئے ہیں، چہرۂ انور کا رنگ فق ہے، پوچھا کیا ہوا ہے؟ حضرت نے پورا واقعہ سنا دیا، حضرت حلیمہ سن کر بہت زیادہ گھبرا گئیں کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ دونوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ دل تو نہیں چاہتا، لیکن اب اس مبارک ہستی کو والدہ کے سپرد کرنا ضروری ہو گیا ہے، حضرت حلیمہ اور انکے شوہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر ڈرتے ڈرتے مکہ پہنچ گئے، حضرت آمنہ کو پورا واقعہ سنایا، انہوں نے بڑے اطمینان کے ساتھ فرمایا: میرے بچے کی کچھ عجیب ہی شان ہے، میں تو پہلے سے اس طرح کی بہت ساری حیرت ناک باتیں دیکھتی رہی ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔ (ابنِ ہشام: ۱/۱۸۵)

اپنی والدہ کی ٹھنڈی چھاؤں میں

یہ ایک بہانہ تھا جس کی بناء پر حضرت حلیمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ واپس لانے پر مجبور ہوگئیں، ورنہ جو برکتیں انہوں نے چار سال میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں تھیں انکے بعد وہ واپس

کب کرتیں؟ (اب کوئی اور بہانہ تلاش کرلیتیں)

اس طرح چار سال کی عمر میں کائنات کے سردار نبیوں کے امام رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے لئے ماں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آ گئے، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، ابھی دو سال ہی گذرے تھے کہ والدہ محترمہ حضرت آمنہ کو خیال آیا کہ ان رشتہ داروں سے تو کئی بار ملاقات ہوئی اور انہوں نے آپ کی زیارت کرکے بارہا اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں، لیکن دادا عبدالمطلب کا ننہال آرزومند ہے، اور کچھ مؤرخ کہتے ہیں: کہ درحقیقت ان کو اپنے شوہر کی بہت یاد آرہی تھی وہ ان کی قبر پر جانا چاہتی تھیں۔

بات جو بھی پیش آئی ہو، چھ سال کی عمر مبارک میں حضرت آمنہ نے اپنے لاڈلے چاند کو مدینہ لے جانے کا فیصلہ کرلیا، اس سفر میں حضرت آمنہ کے ہمراہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی باندی حضرت اُمّ ایمن تھیں، جو آپ کی دائی بھی لگتی تھیں، مدینۃ المنورہ میں ایک مہینے تک حضرت عبدالمطلب کے ننہال بنونجار میں رہے، اس ایک مہینہ میں آپ ﷺ نے یہاں ایک تالاب میں تیرنا سیکھا۔

کچھ روایتوں میں آتا ہے مدینہ میں کچھ یہودی عالموں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا کہ یہ آخری نبی ہوں گے، اور یہ بات مدینہ میں پھیل گئی، پھر کچھ تو اپنی پرانی کتابوں کو تلاش کرکے خوشخبری دیتے تھے، اور کچھ تعصب اور ضد کی بنا پر لوگوں کو ڈراتے تھے، کہ آخری نبی تشریف لے آئے، اب اس سورج کے طلوع ہونے کے بعد ہمارے ٹمٹماتے چراغوں کا کیا ہوگا؟ انہی باتوں کی وجہ سے حضرت آمنہ نے ایک مہینہ کے بعد واپسی کا انتظام کرلیا ورنہ اتنا جلدی یہ ننہال والے ان کو چھوڑنے والے نہیں تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲/۲۹۳)

......☆......

والدہ محترمہ کی وفات اور دادا کی پرورش

﴿فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ﴾

تو آپ یتیم پر سختی نہ کی جیئے

جن کا سایہ پوری دنیا کو نصیب ہونا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو والدہ محترمہ کے سایہ کا محتاج کب کرتا؟ دنیا میں تشریف لانے سے قبل ہی والد محترم کا سایہ اٹھ چکا تھا، اب چھ سال کی عمر میں والدہ محترمہ کی ٹھنڈی چھاؤں سے بھی الگ کر کے کامل یتیمی کا شرف عطا کیا جارہا تھا اور خود ہی اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ﴿فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ﴾ (تو آپ یتیم پر سختی نہ کی جیئے،) کہ آپ یتیموں کے غمگسار بن سکیں، اور دکھیوں کے دکھ کو محسوس کر سکیں، اور یتیموں کو نہ جھڑکیں۔ اللہ اکبر! اللہ کو اپنی مخلوق سے کس قدر محبت ہے! کہ یتیموں کے دکھ درد کا احساس پیدا کرنے کے لیے اپنے محبوب کو ہی یتیم بنا دیا۔ سبحان اللہ

کہنے والوں نے کیا خوب کہا کہ یہ جوڑا بس اتنے سے کام کے لیے دنیا میں آیا تھا اپنا کام کر کے مالک الملک سے جاملا، یا یوں کہہ لیجیے کہ جس سانچہ سے اپنے محبوب کو پیدا کیا وہ سانچہ ہی توڑ دیا چونکہ دوسرا کوئی بنانا ہی نہیں تھا۔

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ میری نگاہِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

مدینہ سے چل کر کچھ دور ابواء کے مقام پر پہونچے تو حضرت آمنہ سخت بیمار ہو گئیں، اور بیماری بڑھتی ہی چلی گئی، آخر جس طرح چھ سال پہلے ابواء کے قریب ہی مدینہ میں حضرت عبداللہ پردیس میں انتقال کر گئے تھے، اسی طرح آج ابواء کے بیابان پہاڑوں میں حضرت آمنہ بھی اپنے مالک سے جاملیں، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس بیابان اور ویران جگہ میں چرواہوں کی مدد سے حضرت ام ایمن نے کس طرح ان کو دفن کیا ہوگا!! ہائے افسوس!!! دو جہاں کے سردار نے چھ سال کی عمر

میں یہ سارا منظر کس طرح دیکھا ہوگا، کچھ تاریخی روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ام ایمن نے آپ کو تسلی اور اطمینان دیکر مکہ کے لئے تیار تو کرلیا، لیکن آپ تین تین بار ام ایمن سے چھوٹ کر اپنی والدہ کی قبر سے لپٹ کر یہ فرماتے تھے، میں آپ کے بغیر کس طرح رہوں گا!!!، ام ایمن کسی طرح سمجھا بجھا کر مکہ لیکر آ گئیں، وہ آپ سے پہلے سے ہی بہت زیادہ محبت کرتی تھیں، اور اب تو اور زیادہ ہی پیار کرنے لگ گئیں، مکہ میں یہ خبر بنو ہاشم بطور خاص دادا عبد المطلب کے لئے رنج وغم کا سبب بن گئی، اس وقت وہ اسی سال کے بزرگوار چراغ سحر اور ڈوبتے سورج کے مانند تھے، اس نئے زخم نے تو ان کی کمر ہی توڑ دی۔

اب انہوں نے اپنے یتیم پوتے کو ایسا پیار دیا کہ آپ اپنے ماں باپ کے غم کو بھول جائیں، عبد المطلب اپنے بیٹوں کے مقابلہ میں آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے، وہ اپنے ساتھ ہی بٹھاتے اگر کہیں جانا ہوتا ساتھ لیکر جاتے تھے، بلکہ روایتوں میں تو یہاں تک آتا ہے کہ عبد المطلب کے لئے خانہ کعبہ کے سایہ میں ایک چٹائی بچھائی جاتی تھی جس پر کوئی بیٹھنے کی ہمت نہ کرتا تھا، مگر جب آپ تشریف لاتے سیدھے اس چٹائی پر دادا کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے، اگر کوئی روکنے کی کوشش کرتا، تو دادا اشارہ سے اس کو منع کر دیتے تھے، اور فرماتے تھے میرے اس بیٹے کو بیٹھنے دو، اس کی ایک الگ شان ہے، تم اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو یہ دنیا کا سردار بنے گا۔

(ابنِ ہشام:۱/۱۸۹)

دادا کا انتقال اور چچا کی کفالت

عبد المطلب چراغِ سحر اور ڈوبتے سورج کے مانند تھے، آخر کار دو سال بعد ۸۲/سال کی عمر میں انہوں نے بھی منہ موڑ لیا، اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے حبیب کو دو سال سے زیادہ دادا کی شفقت میں نہیں رکھا، اور آپ ﷺ کو محتاجگی بھی کس کی تھی؟ یہ تو دادا کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کا ایک بہانہ تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ سال کی عمر کے تھے، جس میں دکھ درد کو ہر بچہ

اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، پھر آپ کی تو بات ہی جدا ہے، نرم و نازک دل پر یہ ایک تازہ زخم تھا، لیکن بچوں کی طرح کوئی آہ وبکاء اور چیخنا، چلانا نہیں تھا، صرف آنکھوں سے آنسوں کی بارش تھی اور جنازہ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کے حقیقی اور عینی بھائی صرف ابوطالب اور زبیر تھے، یہ دونوں آپ سے بہت پیار کرتے تھے، ان میں بھی ابوطالب کچھ زیادہ ہی محبت کرتے تھے، اور ان کی اہلیہ فاطمہ بنت اسد بھی بہت شفقت کرتی تھیں، اسلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ دوسروں سے زیادہ محبت کرتے تھے۔

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے عبدالمطلب نے وفات سے پہلے ہی آپ کو چچا ابوطالب کی کفالت میں دیکر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرلیا تھا، اور باقی چچا بھی اس پر راضی ہو گئے تھے۔

اے اللہ! تو ہی اپنے رازوں کو جانتا ہے! ابوطالب اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ غریب تھے، ان سے تو حضرت عباس کی حالت بہت بہتر تھی، اور عبدالعزیٰ (ابولہب) تو مکہ کے سیٹھوں میں سے ایک تھا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پر کسی سیٹھ اور مالدار کا احسان نہیں رکھنا چاہتا تھا، اس نے تو اپنے حبیب کی برکت سے حضرت ابوطالب جیسے غریب اور نادار کی غربت کو دور کرنا تھا۔

ابوطالب نے شفقت کا حق ادا کردیا، یہاں تک کہ آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھا، کھاتے، پیتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے، ایمان قبول نہ کرنے کے باوجود تمام کفار کے سامنے پہاڑ بن کر کھڑے رہے، ابوطالب کے وہ اعلیٰ اور اونچے اخلاق تھے جن کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ہے، بلکہ کہنے والوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ''کہ آسمان کے نیچے روئے زمین پر ایسے چچا بھتیجہ نہیں پائے جائیں گے''، لیکن حقیقت میں ابوطالب آپ کی کیا کفالت کرتے! بل کہ آپؐ کی برکتیں ان کو نصیب ہوگئیں تھیں۔

......☆......

چچا کا بوجھ اپنے سر

اس میں کوئی شک نہیں کہ چچا ابوطالب نے اپنے والد عبدالمطلب کی وصیت اور تاکید کو پورا کرتے ہوئے شفقتوں، مہربانیوں اور پیار کرنے کی حد ہی ختم کر دی تھی، وہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے چاند پر کسی چیز کا سایہ بھی پڑے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت اپنا بوجھ چچا پر کب برداشت کر سکتی تھی! بس دس سال کی عمر میں حضور ﷺ نے چچا ابوطالب کی کمزور حالت دیکھتے ہوئے کچھ پیسوں پر مکہ کے لوگوں کی بکریاں چرانی شروع کر لیں، کچھ ہی دنوں میں اپنی محنت کا ایسا ثبوت پیش کیا کہ مکہ کے لوگ اپنے چرواہوں کو بھول گئے اور سفارش کروا کروا کر آپ ﷺ کو بکریاں دینے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے چچا کا بوجھ بھی اپنے سر لے لیا، یا یہ کہہ لیجئے کہ یہ بکریاں چرانا نہیں تھا بل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دنیا جہان کو سنبھالنے اور سارے جہاں کو اپنے مدار پر لانے یعنی سیدھے راستے پر چلانے کا طریقہ سکھانے کا انتظام ہو رہا تھا، اور بکریاں چرانے کے ذریعہ اس کی مشق کرائی جا رہی تھی۔

نبوت کے اعلان کے بعد آپ ﷺ کبھی کبھی بکریاں چرانے کے اس زمانے کو یاد فرما کر اپنا دل ہلکا کر لیا کرتے تھے، ایک بار صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ ایک جنگل میں تشریف لے گئے، تو فرمایا: ''بیریوں میں سے جو سیاہ ہوں وہ پکی ہوئی اور میٹھی ہوتی ہیں، وہ کھاؤ! مجھے یہ تجربہ بکریاں چراتے ہوئے ہوا تھا''۔ (طبقات ابن سعد، و بخاری: ۱/۳۰۱)

ایک بار آنکھ کے درد پر ایک جنگلی جڑی کا ذکر فرمایا کہ میں نے بکریاں چراتے ہوئے دیکھی تھی، صحابہ کرام نے حیران ہو کر عرض کیا: ''حضرت آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں''؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں'' (فتح الباری: ۴/۴۶۴)

شام کا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات

پیچھے یہ بات آ چکی ہے کہ مکہ کے لوگ دو تجارتی سفر کرتے تھے ایک یمن کی جانب اور دوسرا شام کی جانب، ان کی معیشت کا نظام انہی دو سفروں پر چلتا تھا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً بارہ سال کی ہوگی کہ چچا ابو طالب نے دوسرے مسافروں کے ساتھ شام کے سفر کا پختہ ارادہ کرلیا، ابو طالب سفر کی مشقتوں اور مصیبتوں سے بخوبی واقف تھے اس لئے بچوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے جارہے تھے، اور اپنے بھتیجہ کی تو وہ معمولی پریشانی بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ بضد ہوگئے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، مطلب یہ تھا کہ اس طرح چچا کا بوجھ تھوڑا کم ہوجائے گا، چچا بھی اپنے بھتیجہ کا ٹوٹتا ہوا دل کب دیکھ سکتے تھے، آخر انہوں نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی تو آپ خوش ہوگئے۔

دراصل ابو طالب اپنے بھتیجہ میں کچھ ایسے اعلیٰ کردار کی باتیں دیکھتے تھے جو اس عمر کے بچوں میں نہیں پائی جاتی ہیں، بچوں کا کام کھیل کود، آپس میں لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، بلکہ کئی مرتبہ آپس میں گالی گلوج بھی ہوجاتی ہے، مگر ان کے بھتیجہ میں ایسی کوئی بات وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، ہمیشہ بچوں سے الگ تھلگ خاموش مزاجی کے ساتھ رہنا، چھوٹوں سے بہت زیادہ پیار اور شفقت اور بڑوں کے ساتھ ادب سے بات کرنا، آپؐ کی پیاری عادت شریفہ تھی، بڑے لوگوں کی طرح عقلمندی کی باتیں کرتے تھے، اسی لئے ابو طالب آپ کے ساتھ صرف پیار ہی نہیں کرتے تھے؛ بلکہ بڑوں کی طرح عزت واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے گفتگو فرماتے تھے جیسے کسی بڑے تجربہ کار آدمی سے مشورہ کررہے ہوں، خیر! یہ تجارتی قافلہ مکہ سے نکل کر پڑاؤ کرتے ہوئے کئی دنوں کے بعد عرب کی سرحد عبور کرکے شام کے سرحدی شہر بصریٰ پہنچ گیا، یہ وہی شہر ہے جس کو حضرت آمنہ نے حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت چمکتے ہوئے دیکھا تھا، وہاں قافلہ نے عیسائیوں کے گرجا گر کے قریب میں پڑاؤ کیا، سفر سے تھکے ہوئے لوگ جلدی

سے آرام کے لئے لیٹ گئے، کلیسا میں عیسائیوں کے ایک بہت بڑے مذہبی پیشوا اور عالم ''بحیرا راہب'' رہتے تھے، جن کا نام جرجیس تھا۔

انہوں نے قافلہ میں کچھ عجیب وغریب باتیں دیکھیں تھیں، انہوں نے دیکھا کہ قافلہ میں ایک نوجوان کے ساتھ سایہ چل رہا ہے اور جب وہ اک درخت کے نیچے بیٹھے تو سایہ بھی انہی کے اوپر ٹھہر گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد بحیرا کا ایک قاصد ان کے پاس دعوت کا پیغام لیکر آ گیا، قریشیوں کو اس دعوت پر بہت حیرت ہوئی کہ ہم تو یہاں اکثر ٹھہرتے تھے، مگر بحیرا راہب کبھی توجہ نہیں کرتا تھا، آج اس نے کیوں دعوت کی ہے، غرض یہی سوچتے ہوئے سب قافلے والے عبادت گاہ میں راہب کے پاس پہنچ گئے، مگر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچہ سمجھ کر پڑاؤ میں ہی چھوڑ دیا، بحیرا راہب نے سب کو گہری نظر سے دیکھ کر کہا: بھائیو! سب کی دعوت تھی پیچھے کون رہ گیا ہے؟ جواب دیا ہم سب ہی آ گئے ہیں صرف ایک کم عمر بچے کو چھوڑ آئے ہیں، اس نے کہا: نہیں ان کو بھی لیکر آؤ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تایا حارث فوراً آپ ﷺ کو لے آئے، بحیرا آپ ﷺ کو برابر تجسس کی نگاہ سے دیکھنے لگ گیا، جب سب لوگ کھانا کھا کر واپس جانے لگے، تو اسنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کو روک لیا، پھر اس نے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت کی زیارت کی اور بوسہ دیا، پھر ابوطالب کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا، کہ یہ بچہ آپ کا کیا لگتا ہے؟ انہوں نے کہا یہ میرا بیٹا ہے، بحیرا نے انکار میں گردن ہلا کر کہا: یہ ہو ہی نہیں سکتا! ابوطالب نے کہا: یہ مجھے بچوں سے زیادہ پیارا ہے، لیکن حقیقت میں بھتیجہ ہے، انکے والد کا انتقال اس وقت ہو چکا تھا جب یہ ماں کے پیٹ میں تھے، اس نے کہا: بالکل ٹھیک ہے

پھر اس نے اسی طرح کی بہت ساری باتیں پوچھیں، اور ہر بات پر ہاں میں سر ہلاتا رہا، آخر میں اس نے کہا: میں نے ان میں وہ تمام نشانیاں دیکھی ہیں جو آخری پیغمبر کی خاص نشانیاں ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ یہی آخری نبی ہیں، جن کے انتظار میں اس وقت پوری دنیا ہے، جن کی

خوشخبری دیتے اور جن کی آرزو میں تڑپتے ہوئے بڑے بڑے نبی چل بسے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ ان کو آگے ملک شام لے جائیں گے تو یہودی عالم ان کو پہچان لیں گے اور ضد اور حسد کی بناء پر ان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنائیں گے؛ کیوں کہ ان کو اس سورج کی روشنی میں اپنے چراغ بجھتے ہوئے دکھائی دیں گے، اور آخر میں کہا کہ "میں نے تمہیں نصیحت کر کے اپنا فرض پورا کر دیا ہے آگے آپ کی مرضی!"

ایک روایت میں ہے کہ ابوطالب نے بحیرا راہب سے پوچھا آپ کو انکے آخری نبی ہونے کا علم کیسے ہوا؟ اس نے کہا: ایک تو جس وقت آپ ٹھہرنے کے لئے اترے تھے تو میں نے دیکھا کہ اس وقت سارے درخت اور پتھر ان کے سامنے جھک کر سجدہ کر رہے تھے، اور یہ بات نبی کے علاوہ کسی کے لئے ممکن نہیں ہے، دوسرے میں نے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھکر پہچان لیا ہے، یہ خاص آخری پیغمبر کی علامت ہے، مشہور روایت کے مطابق ابوطالب نے اس کا مشورہ مان لیا، اور یہیں سے آپ کو لیکر واپس آ گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳۰۲/۲)

(نوٹ) ابوطالب کے لئے بحیرا راہب کی یہ بات کوئی اجنبی نہیں تھی، کیونکہ اس طرح کی کئی ساری باتیں اس سے پہلے بنوسعد میں پھر والدہ کی پرورش کے دوران مکہ میں اور اسکے بعد مدینہ کے سفر میں پیش آ چکیں تھیں، جن کی تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے، اس لئے ابوطالب کو اس بات پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔

ہاں! اس پر تعجب ہونا چاہئے کہ اتنا کچھ دیکھنے کے باوجود ابوطالب کو ایمان نصیب نہ ہوا!!۔

حرب الفجار اور حلف الفضول میں شرکت

عرب کے لوگ صدیوں سے آزاد تھے، وہ کبھی کسی حکومت کے ماتحت اور رعایہ بن کر نہیں رہے، اس لئے ان میں چاپلوسی کرنا، جھک جانا، مفاد کے پیچھے اپنی غیرت کا سودا کرنا، مالداروں کے سامنے سرِ تسلیم خم ہو جانا، اور خوشامد کرنا، ان جیسی دوسری بُری صفات بالکل نہیں پائی

جاتی تھیں، لیکن لمبی جہالت کی بناء پر ان کے اندر کچھ دوسری بری صفات آ گئی تھیں، جس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑے کرنا، اکڑ جانا، پھر جب کبھی لڑائی شروع ہو جاتی تو وہ ختم ہونے کے قریب بھی نہ آتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پندرہ برس ہوگی کہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان چھوٹی سی بات پر لڑائی شروع ہوگئی، اول قیس قریش پر غالب آ گئے اس وجہ سے انہوں نے حرم کا بھی کوئی خیال نہیں کیا، اور حرمت والے مہینہ ذی قعدہ میں ہی قریش پر حملہ کر دیا، حالانکہ یہ مہینہ ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جس میں عرب کے مشرک بھی لڑنا ناجائز سمجھتے تھے، اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام حرب الفجار یعنی گناہ والی جنگ ہوگیا۔

یہ جنگ آپ کے خاندان سے تھی اسلئے آپ بھی مجبوری میں شامل ہو گئے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ کسی پر ہاتھ اٹھایا اور نہ کسی سے مقابلہ کیا، صرف اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے، بالآخر کچھ نیک لوگوں کی محنت سے دونوں کے درمیان صلح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔

اس جنگ کے کچھ دن بعد ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی کوشش سے مکہ میں مظلوموں کی اعانت کرنے کا ایک معاہدہ ہوا؛ کیونکہ یہ معاہدہ پہلے کے ایک معاہدہ کی بنیاد پر تھا جس میں فضل نام کے تین آدمی شامل تھے، فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ، فضل بن حارث اسی وجہ سے اس معاہدہ کو ''حلف الفضول'' کہنے لگ گئے تھے۔

مکہ میں کچھ بڑے اور چنے ہوئے لوگ بنو تمیم کے سردار عبداللہ ابن جدعان کے گھر جمع ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خصوصی طور پر اس میں شامل کئے گئے، عبداللہ بن جدعان بڑا سخی تھا اس نے سب کے لئے کھانا تیار کروایا، اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت ونصرت کا عہد کیا کہ مظلوم خواہ اپنا ہو یا پرایا، دیسی ہو پردیسی جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اعانت اور امداد سے دریغ نہ کریں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حلف الفضول کا تذکرہ بڑے فخر سے کرتے تھے، اور فرماتے تھے اگر مجھ کو عرب کی قیمتی دولت سرخ اونٹ اس معاہدہ کے مقابلہ میں دئے جاتے تو میں ہرگز

پسند نہ کرتا، اور اگر اب بھی مجھے اس طرح کے کسی معاہدہ میں بلایا جائیگا تو میں ضرور اس میں شرکت کرونگا۔ (البدایہ والنہایہ:۳۰۵/۲)

سچائی اور امانتداری

پندرہ سال سے لیکر پچیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کس طرح رہے؟ اور زندگی گذارنے کا کیا طریقہ اور کیا روزگار تھا؟ اس سلسلہ میں تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتہ آپ ﷺ چچا ابو طالب کے ہمراہ انکے گھر ہی میں رہتے تھے، اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ اپنا بوجھ چچا پر نہیں ڈالا تھا؛ بلکہ چچا کا بوجھ بھی اپنے ذمہ لے لیا تھا؛ کیونکہ جنھوں نے دس سال کی عمر میں مزدوری پر بکریاں چرانی شروع کر لی تھیں اور بارہ سال کی عمر میں تجارتی سفر کے لئے شام کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، وہ بڑے ہو کر کسی پر اپنا بوجھ کیسے ڈال سکتے تھے، ضرور محنت اور مشقت سے کوئی کام کرتے ہونگے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ ہی میں ایک دکان پر اس کے مالک کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے، اور یہ روایت بھی سیرت اور حدیث کی کتابوں میں مشہور ہے کہ سائب بن ابو سائب جو مکہ کا ایک بڑا سردار تھا اس کے ساتھ مل کر مضاربت (شراکت میں) تجارت فرماتے تھے۔

ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن ابوالحمساءؓ سے مروی ہے کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معاملہ کیا، میرے ذمہ کچھ دینا باقی تھا، میں نے آپ سے عرض کیا: میں ابھی لیکر آتا ہوں، اتفاق سے گھر جانے کے بعد بھول گیا، تین روز کے بعد یاد آیا کہ میں آپ سے واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا، یاد آتے ہی فوراً وعدہ کی جگہ پر پہنچا تو آپ کو اسی جگہ منتظر پایا، آپ نے کوئی ناراضگی نہیں فرمائی صرف اتنا فرمایا: تم نے مجھے کیسی مشقت میں ڈال دیا کہ تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد:۳۰۱/۴)

اس امانت داری، دیانت داری اور سچائی سے مکہ میں اتنے مشہور ہو گئے کہ اکثر لوگ آپ کا

نام بھول گئے اور آپ کو صرف ''الصادق''یعنی بہت سچائی والے اور ''الامین''یعنی بہت امانت دار، پکارنے لگ گئے اور اسی نام سے لوگ جاننے لگ گئے۔

حضرت خدیجہ سے نکاح

مکہ مکرمہ میں خدیجہ بنت خویلد نام کی ایک بڑی مالدار عورت تھیں، انہوں نے باری باری تین جگہ نکاح کیا لیکن خدا کی قدرت کہ تینوں شوہر انتقال کر گئے، اب ان کو نکاح کا خیال بھی نہیں تھا اور عمر بھی چالیس سال ہو چکی تھی، ان کا اپنا اچھا بڑا کاروبار تھا جس کی وہ خود نگرانی کرتی تھیں، وہ شام اور یمن جانے والے قافلوں کو مضاربت پر تجارت کے لئے پیسے دیتی تھیں، بڑے بڑے لوگوں کو ان کے ساتھ اس طرح تجارت کی لالچ رہتی تھی، لیکن وہ بہت تجربہ کار عورت تھیں، اچھی طرح جانچ کر اور آزما کر ہی کسی سے معاملہ کرتی تھیں، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھداری، امانتداری اور سچائی کی بات ان تک پہنچی تو انہوں نے کچھ سمجھدار لوگوں سے سفارش کروائی کہ آپؐ میرا مال بطور مضاربت کے شام لیکر جائیں، اور وعدہ کیا کہ نفع میں سے دوسرے تاجروں کے مقابلہ میں آپ ﷺ کو دوگناہ دوں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے مشورہ کر کے اس بات کو قبول کر لیا کیونکہ آپ کے چچا کی مالی حالت بہت کمزور تھی، وہ خود بھی فرما رہے تھے کہ اگر آپ اس تجارتی قافلہ کے ساتھ شام چلے جائیں تو ممکن ہے ہماری حالت بھی درست ہو جائے، حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کے ہمراہ شام بھیج دیا، بہانہ یہ تھا کہ یہ آپ کی خدمت کریگا اور سامان لیجانے میں آپ کی مدد کرے گا۔

لیکن دل میں یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ اس طرح مجھے آپؐ کے اخلاق و کردار کی حقیقی خبر ملے گی، پھر یہی ہوا، میسرہ کو اس سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ کی ایسی اونچی اور اعلیٰ باتیں نظر آئیں کہ وہ دیکھکر حیران و ششدر رہ گئے کہ دنیا میں ایسے سچے اور مقدس آدمی بھی ہو سکتے ہیں؟۔

یہ قافلہ مکہ سے تقریباً پندرہ سو کلومیٹر دور شام کے بصریٰ نامی شہر میں پہنچ گیا، شہر میں قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا، جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے لگے، اس کے پاس ہی عیسائیوں کا ایک عبادت خانہ تھا، اس میں ایک بڑا اور مشہور عالم تھا جس کا نام ''نسطورا'' تھا، وہ دیکھکر دوڑتے ہوئے میسرہ کے پاس آیا، کیونکہ میسرہ نے اس ملک کے بہت سفر کیے تھے اور وہ میسرہ کو پہچانتا تھا، اس نے پوچھا یہ درخت کے نیچے کون بیٹھا ہے؟ میسرہ نے جواب دیا یہ حرم مقدس کے ایک نیک قریشی جوان ہیں، اس نے کہا: اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھا، پھر اس نے میسرہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خاص خاص باتیں پوچھیں، اور دونوں کندھوں کے درمیان غور سے دیکھنے لگ گیا۔

بالآخر چیخ کر بولا ''یہ وہی ہیں، یہ وہی ہیں، یہ وہی ہیں، جن کا تذکرہ پرانی کتابوں میں موجود ہے، اور جن کے انتظار میں اس وقت پوری دنیا ہے، کاش کہ میں ان کے ظہور کا زمانہ پا جاتا!!، میسرہ ان باتوں کو دیکھکر اور زیادہ حیران ہو گیا، خدایا! میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں!۔

اُدھر بصریٰ کے بازار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مال کا لین دین کیا اور تاجروں سے معاملات فرمائے وہ ایسے تھے جیسے بہت زیادہ تجربہ کار آدمی کرتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ اس تجارتی سفر میں اتنا نفع ہوا جس کا خیال بھی نہیں تھا، ایسا نفع نہ آج تک کسی کو ہوا اور نہ آج دوسرے ساتھیوں کو ہوا، بلکہ کچھ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ اچانک میسرہ کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ محمد! ہم پچھلے کئی سالوں سے تجارت کر رہے ہیں مگر ایسا نفع کبھی بھی نہیں ہوا۔

آخر کار قافلہ خوشیوں کے ساتھ شاداں و فرحاں مکہ واپس آ گیا، اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا پورا حساب دے دیا، خدیجہ نفع کو دیکھکر حیران ہو گئیں کہ اتنا نفع! میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا، پھر آپ ﷺ کے معمولی معمولی چیزوں کا حساب دینے پر بہت متاثر ہوئیں، ادھر میسرہ نے جب راستہ میں اخلاق و کردار، لین دین میں دیانتداری، سمجھداری اور نسطورا راہب کی باتیں سنائیں اور فرشتوں کا سایہ کرنا بیان کیا تو حضرت خدیجہ کے دل میں اونچی اونچی آرزوئیں انگڑائی

لینے لگ گئیں، تو انہوں نے اپنے گھر کے بڑے بزرگوں سے نکاح کے بارہ میں مشورہ کرنا شروع کرلیا کہ اس سے اچھا رشتہ کہاں ملے گا؟۔

حضرت خدیجہ کی عمر اگرچہ چالیس سال ہو چکی تھی اور اس ے پہلے تین شوہر انتقال کر چکے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے ایسے اونچے اور اعلیٰ کردار تھے جس کی بناء پر ان کا نام ہی طاہرہ (پاک دامن) پڑ چکا تھا، اس وجہ سے بڑے بڑے خاندانوں سے پیغام آئے تھے، لیکن انہوں نے ہر جگہ انکار کر دیا تھا، مگر آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی باتیں سن کر ان کو نکاح کی آرزو پیدا ہوگئی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے وہ ساری باتیں جو انہوں نے میسرہ سے سنی تھیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کو بتائیں، ورقہ بن نوفل عیسائی مذہب قبول کر کے بہت بڑے عالم بن چکے تھے۔

انہوں نے ساری باتیں سن کر فرمایا: اگر یہ باتیں سچ ہیں تو پھر یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس امت کے نبی ہیں، اور اس وقت ساری دنیا آخری نبی کے انتظار میں ہے، اس بات سے حضرت خدیجہ کے دل میں نکاح کی آرزو پختہ ہوگئی، آخر انہوں نے اپنے بزرگوں سے مشورہ کر کے اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ کو بلایا اور ان سے کہا کہ وہ حضور ﷺ کے پاس جا کر شادی کا پیغام دیں، انہوں نے بہت اچھی طرح یہ پیغام پہونچایا کہ حضرت خدیجہ یہ رشتہ کیوں پسند کرتی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اصل میں تو اپنا گھر آباد کرنا تھا، جس کے لئے چھوٹی عمر کے مقابلہ میں بڑی عمر کی تجربہ کار عورت زیادہ بہتر تھی، پھر اس طرح مصیبتوں میں مبتلا ایک بیوہ عورت جس کے یکے بعد دیگرے تین شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو اس کو سہارا دینے کا ایک موقع بھی مل سکتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ بچپن میں اپنی والدہ کو بیوہ ہونے کی حالت میں دیکھ چکے تھے اور شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ عورت کو کیسی کیسی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں، آپ ﷺ کو اس کا پورا پورا احساس تھا، اس لئے اپنے چچا سے مشورہ کے بعد پیغام قبول کرلیا۔

آخر کار نکاح کی تاریخ متعین ہوگئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقررہ دن پر قریش کے کچھ

سرداروں اور اپنے چچا کے ساتھ حضرت خدیجہ کے گھر تشریف لے گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ بیس اونٹ مہر مقرر ہوا، اور بعض نے بارہ اوقیہ سونا لکھا ہے اور کچھ نے پانچ سو درہم کی بات بھی لکھی ہے، مہر طے ہو جانے کے بعد ابو طالب نے قریشی خاندان کے رواج کے مطابق خطبہ پڑھ کر نکاح کروایا، ابو طالب نے خطبہ میں بہت زبردست باتیں بیان کیں، آیئے! ہم بھی ان کو پڑھ لیتے ہیں، انہوں نے کہا: بیشک محمدؐ وہ ہیں کہ قریش کے جس شخص کا بھی ان کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا وہ بزرگی، سمجھداری، عقلمندی میں ان سے کم ہو جائے گا، رہی بات مال کی تو وہ اگرچہ اُن کے پاس کم ہے لیکن مال ڈھل جانے والا سایہ ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لوگوں کے کیسے جذبات اور خیالات تھے، نکاح تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے گھر ہی رہتے تھے مگر اب آپ حضرت خدیجہ کے گھر تشریف لے گئے اور یہیں رہنے لگ گئے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے!

(البدایہ والنہایہ:۳۱۱/۲)

اک سیاہ پتھر کیلئے سرخ لہو کا سیلاب کیسے تھا؟؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک خانہ کعبہ اسی پہلی تعمیر پر تھا، لیکن اتنا وقت گزر جانے اور بار بار سیلاب آنے کی وجہ سے دیواریں بہت زیادہ کمزور ہوگئیں تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال کی تھی کہ مکہ والوں نے مشورہ کر کے خانہ کعبہ کی نئی تعمیر کا فیصلہ کرلیا، انہی دنوں روم کا ایک سمندری جہاز جدہ کی بندرگاہ میں کسی موج سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا، قریش کے ایک سردار ولید بن مغیرہ نے اس کے تختے خانہ کعبہ کی چھت کے لئے خرید لئے؛ کیونکہ اب تک خانہ کعبہ کی صرف دیواریں ہی دیواریں تھیں، چھت نہیں تھی، انہوں نے لکڑی بھی لے لیں اور باقوم نامی ایک ماہر معمار (مستری) بھی ساتھ لے لیا، پھر اسی کی نگرانی میں کام شروع ہوگیا۔

اس وقت بیت اللہ شریف کے متولی ابو طالب تھے انہوں نے کام اور جگہ اس طرح تقسیم کردی کہ کسی کو کوئی شکوہ نہیں ہوا۔

کام شروع ہوگیا اور سب نے مل کر یہ فیصلہ بھی کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں حلال مال کے علاوہ کچھ بھی استعمال نہیں کریں گے سود، چوری، رشوت وغیرہ کی کمائی سے اللہ کے گھر کو پاک رکھا جائے گا، اسی وجہ سے پھر جب خرچہ کم ہوگیا تو انہوں نے ایک طرف سے چھ ہاتھ خانہ کعبہ کم کر کے اس جگہ کو باہر چھوڑ دیا جسکو حطیم کہا جاتا ہے۔

خیر! جب دیواریں اس اونچائی تک پہنچ گئیں جہاں ایک کونے میں جنت سے آیا ہوا کالا پتھر یعنی حجرِ اسود رکھنا تھا، اس پر ایک بڑا فتنہ اور وبال کھڑا ہوگیا، کیونکہ اس پتھر کے رکھنے میں بڑی شان بنتی تھی، ہر ایک قبیلہ کا سردار بلکہ ہر آدمی آستین چڑھا کر آگیا کہ یہ پتھر میں نے ہی رکھنا ہے، یہ فخر اور عزت مجھے ہی حاصل ہونی چاہئے، عرب میں ایک رواج تھا کہ جب لڑائی جھگڑے میں وہ یہ قسم کھا لیتے تھے کہ جان و مال سب کچھ قربان کردینگے لیکن پیچھے نہیں ہٹیں گے، اس وقت وہ کسی کٹورے میں خون بھر کر اس میں اپنے اپنے ہاتھ ڈبو لیتے تھے، کچھ قبیلوں نے تو یہ سب کچھ کرلیا اور ایک دوسرے کو للکار للکار کر کہنے لگے: کوئی حجرِ اسود کو اٹھا کر بتاؤ!! اس طرح خون کے دریا بہنے ہی والے تھے کہ ایک عمر رسیدہ شخص ابوامیہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا: کیوں مرنے لگے ہو؟ کل جو شخص سب سے پہلے مسجدِ حرام کے دروازے باب شیبہ سے داخل ہو، اسی کو اپنا حکم اور جج بنا کر فیصلہ کروالو!۔

سب نے اس کو قبول کرلیا، خدا کا کرنا!! صبح ہوئی اور تمام لوگ حرم پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ سب سے پہلے آنے والے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ لفظ نکلے ''**هـذا الامين رضيناه ، هذا الامين رضيناه**'' یہ تو امانت دار آگئے ہیں ہم ان پر راضی ہیں، یہ تو امین آگئے ہیں ہم ان پر راضی ہیں، یعنی یہ تو ہیں ہی امانت دار، ان کو اگر حکم اور جج نہ بھی بنایا جاتا تب بھی ان پر ہم راضی تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی چادر منگوائی اور حجر اسود اس میں رکھ کر یہ فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سرداراس چادر کو تھام لے تا کہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے، اس فیصلہ کو سب نے پسند کیا اور سب نے ملکر چادر اٹھائی، جب سب کے سب چادر اٹھائے ہوئے اس اونچائی تک پہنچ گئے ! جہاں حجرِ اسود رکھنا تھا تو آپؐ بہ نفس نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود اٹھا کر اس کونے میں رکھ دیا جہاں رکھنا تھا، اس طرح حجر اسود (ایک کالے پتھر) کے لئے سرخ خون کا دریا بہنے سے رک گیا، اور ایک بڑی جنگ کا دروازہ بند ہوگیا، اس وقت عرب میں بکریوں کو پانی پلانے گھوڑے دوڑانے ، شاعری میں مقابلہ کرنے جیسی بیکار اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جب جنگ شروع ہوجاتی تھی تو سالہا سال تک ختم نہیں ہوتی تھی۔(البدایہ والنہایہ:۲/۳۱۵)

تنہائی کا شوق

اللہ تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتے ہیں اس کی اسی کے مطابق تربیت فرماتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ (میں نے آپ کو خاص اپنے لئے چُن لیا ہے)، دوسری جگہ ارشاد باری ہے، وَلِتُصْنَعَ عَلیٰ عَیْنِی ،(تا کہ میری آنکھوں کے سامنے آپ کی پرورش ہو)، حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو شان ہی نرالی ہے، دنیا میں تشریف لائے تو آپ کیلئے مکہ کی بنجر سیاہ پتھروں والی زمین کا انتخاب ہوا، بچپن میں دودھ پلانے کے لئے مکہ سے دور بنو سعد کے غریب قبیلہ کا اور اس میں سب سے زیادہ غریب عورت حضرت حلیمہ سعدیہ کا انتخاب کیا گیا، چچاؤں کے پاس رہنے کا وقت آیا تو سب سے غریب ابو طالب کی قسمت چمکی ، اور اسی طرح نکاح کا وقت آیا تو پورے مکہ میں تین مرتبہ بیوہ ہونے والی چالیس سالہ حضرت خدیجہؓ کی قسمت جاگی ، اور حضرت خدیجہ سے نکاح کے بعد اب ان کے مال سے تجارت کر کے مکہ کا سیٹھ بننے اور اونچے اونچے عالی شان بنگلوں میں عیش وعشرت سے بیٹھنے کا وقت آیا تو خدائی نظام کے مطابق حضرت رحمت عالم ﷺ کے مبارک دل میں تنہا رہنے کا شوق پیدا کر دیا

گیا۔

حضرت خدیجہ اتنی بڑی مالدار عورت تھیں کہ کچھ محققین کا خیال ہے کہ اس وقت مکہ کے تمام لوگوں کا مال ایک طرف اور حضرت خدیجہ کا ایک طرف! بلکہ اس سے بھی زیادہ تھا، پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ سب کچھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے میں فخر کرتی تھیں، ایسے وقت میں ہر ایک کو یہ خیال کرنے کا حق تھا کہ اب بڑے بڑے محلوں میں عیش وعشرت کرتے دکھیں گے، لیکن سبحان اللہ! جن کے لئے پوری کائنات بنی اب وہ مکہ کی غاروں میں نظر آتے ہیں، مکہ کے لوگوں کو اس بات کا بھی اچھی طرح احساس ہے کہ حضرت اب بھی زیادہ سے زیادہ ایک مالدار عورت کے سفید پوش شوہر ہیں اور اس کے مال میں آپ کا صرف اتنا حق ہے کہ کسی غریب اور حاجت مند کی آرزو پر اس کے لئے سفارش کر دیں، جس کو حضرت خدیجہؓ اپنی خوش قسمتی جان کر فوراً پورا کرتی تھیں۔

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ قرآن کریم نے جواب دیا تاکہ غریبوں مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کا درد سمجھنا آپ کے لئے آسان ہو جائے اور آپ کے مبارک دل میں ان کی ہمدردی آ جائے، پھر آپ یتیموں مسکینوں اور بیواؤں کے غمخوار بن جائیں، ارشاد باری ہے:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ☆ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ☆ ترجمہ: (بہرحال آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے، اور سائل کو نہ جھڑکئے)۔ (الضحیٰ ۸،۹)

پھر جتنا جتنا نبوت کے اعلان کا وقت قریب آرہا تھا اتنا ہی آپ کو تنہا رہنے اور تنہائی میں بیٹھنے کا شوق بڑھتا جا رہا تھا، بلکہ آپ کئی کئی ہفتوں اور مہینوں تنہا بیابان غاروں میں بیٹھنے کو پسند فرماتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہا رہنے کا شوق پیدا کر دیا گیا اور آپ ﷺ غار حرا میں تنہا رہتے تھے۔ (بخاری)

خدا ہی جانتا ہے کہ آپ کس کس غار میں بیٹھے ہونگے ، پھر آخر کار تلاش وجستجو کے بعد مکہ سے چھ سات کلومیٹر دور بالکل اجاڑ اس غار کا انتخاب کیا ہوگا، جہاں نہ سایہ ہے نہ اُبلتے ہوئے چشموں کا پانی، نہ سرسبز کھیت ہیں اور نہ دوڑتے ہوئے دریا اور نہ بہتی ہوئی نہریں ہیں،بس جہاں تک نگاہ جاتی ہے گرمی سے جلتے ہوئے کالے پتھر ہی پتھر ہیں،اس غار میں چڑھ کر جانا بھی بہت دشوار ہے کیونکہ یہ غار بہت اونچائی پر ایک پہاڑ کی چوٹی کے دامن میں ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہاں آپ کیسے پہونچے ہونگے ،سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپ کئی کئی دنوں کے لئے ستو اور پانی لے جاتے تھے اور ختم ہوجانے پر جب آپ گھر تشریف لاتے تو بچے آپ سے لپٹ جاتے کہ ابو! آپ جاتے کہاں ہو؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بہت محبت فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے حضرت قاسم ،حضرت طیب اور حضرت طاہر تھے،بعض سیرت نگار ایک اور صاحبزادے حضرت عبداللہ کا بھی تذکرہ کرتے ہیں ، محققین کا کہنا ہے کہ صرف دو ہی صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ تھے، اورانہی کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا تھا،مگر تمام صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے ،اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں یتیمی کا درد جھیلا اور جوانی میں اولاد کی جدائی کا غم بھی برداشت کیا۔

ہاں ! چار صاحبزادیاں اس وقت موجود تھیں......لیکن بعد میں حضرت رقیہؓ،حضرت ام کلثومؓ، حضرت زینبؓ تو آپ کی مبارک زندگی ہی میں وفات فرما گئیں بس حضرت فاطمۃ الزھریٰؓ آخری وقت تک موجود رہیں اور آپ کے چھ ماہ بعد وفات فرمائی۔

ہجرت کے بعد مزید ایک صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ بھی عطا کئے گئے لیکن وہ بھی بچپن میں ہی انتقال فرما گئے ، بڑے صاحبزادے حضرت قاسم کے نام پر حضرت خدیجہ ؓ حضور ﷺ کو ابوالقاسمؐ (قاسم کے ابو) بھی کہتی تھیں،اور جب آپ کئی دنوں کے بعد تشریف لاتے تھے تو وہ بہت زیادہ پیار سے فرماتی تھیں: ابوالقاسمؐ آپ ٹھیک ہیں؟ اور کبھی کبھی حضرت خدیجہ اندازے سے کہ اب کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا ہوگا خود کھانے پینے کی چیزیں لیکر غارِ

حرا میں چلی جاتی تھیں۔

(ابنِ ہشام:۲۱۳/۱)

رُسوم جاہلیت سے تنفراور بیزاری

اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کی طبیعت ہی ایسی بناتے ہیں کہ وہ نبوت سے پہلے بھی ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بالکل پاک صاف ہوتے ہیں، وہ شرک وکفر کے ماحول میں پیدا ہوتے ہیں لیکن اس سے اس طرح کنارہ کشی کرتے ہیں کہ ان کو اس کا داغ بھی نہیں لگ سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم اعلان کرتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا اِبْرَاهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عَالِمِیْنَ ☆

ترجمہ:اور ہم نے اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔(الانبیاء:۵۱)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی کیا ہے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی دن سے تمام مراسم شرک سے تو بالکل پاک اور منزہ رہے ہی ہیں، بلکہ مکہ میں ان دنوں لمبی لمبی مصنوعی کہانیاں اور داستانیں سننے سنانے کا بہت رواج تھا، ان سے بھی کنارہ کش رہے، چالیس سالوں میں صرف دومرتبہ کا یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ساتھی چرواہے کہ کہنے پر صرف دومرتبہ ان داستانوں کے تعلق سے شہر میں تشریف لائے، لیکن ابھی کہانیوں کی جگہ پہنچے ہی نہیں تھے کہ ایک مکان سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ کسی شادی کی دھوم دھام ہے، باہر بیٹھے ہی تھے کہ آنکھ لگ گئی جو سورج کی شعاؤں سے ہی کھلی، دوسری مرتبہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کوئی بات کانوں میں نہیں پڑنے دی، رہی بات کفر شرک اور غیر اللہ کی پوجا کی اس گندگی سے تو اعلانِ نبوت سے پہلے ہی نفرت کا اظہار کرنا اور دوسروں کو بھی اعلانیہ اس سے منع کرنا شروع فرمالیا تھا۔

حضرت زید بن حارثہؓ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جب لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے تو بعض بتوں کو بھی چھو لیتے تھے ایک بار میں آپ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے ایک بت کے ساتھ ہاتھ لگا دیا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی! ہاتھ لگانے سے ہوتا کیا ہے؟ اس لئے دوبارہ چھولیا، آپ ﷺ نے پھر سختی سے منع فرمایا: کہ تم کو منع نہیں کیا تھا؟ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: قسم بخدا اس کے بعد کبھی کسی بت کو نہ ہاتھ لگایا اور نہ سجدہ کیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرما دیا اور مجھے ایمان نصیب ہو گیا۔

(مستدرک حاکم)

اتنا ہی نہیں بلکہ آپؐ ہر وقت گہری سوچ میں ڈوبے رہتے تھے کہ دنیا کو کس طرح کفر و شرک کی گندگی سے نجات دلائی جائے۔

غار حرا میں بھی خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ اس فکر اور سوچ میں بھی رہتے تھے کہ لوگوں کو کس طریقہ سے اس آفت سے نکالا جا سکتا ہے، اسی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اللہ تعالیٰ نے آپ کو راستہ کی تلاش میں پایا تو آپ کو رستہ دکھلا دیا۔

(الضحیٰ: ۷)

مکہ مکرمہ میں کچھ دوسرے لوگوں کا نام بھی آتا ہے جو شرک اور کفر کی رسموں سے بیزار تھے، جن میں سے کچھ نے تو دوسرے مذاہب یہودیت اور عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا اور کچھ نے مذہب تو نہیں چھوڑا تھا مگر بہت پریشان تھے جس طرح زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ۔

وحی کی کرنیں اور انسانیت کی صبح

جس طرح سورج کے طلوع ہونے سے پہلے صبح کی روشنی اس کا پتہ دیتی ہے اور لمبی رات سے اکتائے ہوئے اداس دل صبح کی روشنی کے لئے بیتاب ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح وحی کا سورج طلوع ہونے سے پہلے کچھ ایسے حالات بننے لگ گئے کہ حضرت نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا بیٹھ کر خدا کی قدرت میں غور کرنے کا شوق بڑھ گیا، پھر دنوں اور ہفتوں کے بجائے ایک ایک مہینہ بلکہ مہینہ سے بھی زیادہ جبلِ نور پر غارِ حراء میں بیٹھنے اور اعتکاف کرنے میں مشغول ہو گئے، نیز ان دنوں بہت سچے خواب دیکھنے لگ گئے، یہاں تک کہ جو کچھ رات دیکھتے صبح وہی ہو جاتا، اس طرح سچے خوابوں کا یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا، جس کو زمانہ ارہاص کہا جاتا ہے، جس کے آخر میں محققین کے مطابق رمضان المبارک کا وہ مہینہ آ گیا جس میں آپ اسی غار میں اعتکاف فرما رہے تھے اور اکیسویں رات قدرت کی کاری گری میں غور وفکر فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام غار میں تشریف لے آئے، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال چھ ۶ ماہ تھی، آپ کو نہ خوف محسوس ہوا نہ آپ ڈرے، آپ سکون سے بیٹھے رہے کہ جبرئیل سامنے بیٹھ کر فرمانے لگے: پڑھئے! آپؐ نے جواب دیا ''میں پڑھا ہوا نہیں'' حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو سینہ سے لگایا اور زور سے دبایا، پھر کہا پڑھئے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے پھر زور سے دبا کر کہا: پڑھئے! آپ ﷺ نے یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ فرشتے نے اتنے زور سے دبایا کہ حد ہی کر دی، پھر حضرت جبرئیلؑ نے سورہ اقرأ کی پانچ آیتیں پڑھ کر سنائیں: ﴿**اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ☆ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ☆ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ☆ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ☆**

ترجمہ: -آپ اپنے رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا (العلق: ۱تا۵)

ان آیتوں میں انسان کے لئے کیا پیغام ہے؟ اور ان آیتوں کو پڑھ کر انسان کے اندر کیا احساس پیدا ہوتا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے ان آیتوں میں ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں۔

رب العالمین فرماتے ہیں: اے حبیبؐ! آپ اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھئے جس نے پوری کائنات پیدا کی ہے، جو اتنی بڑی کائنات کو پیدا کر سکتا ہے، اس کے لئے ایک اُمّی کو قاری،

ہادی بلکہ جنوں اور انسانوں کا معلم اور استاذ بنانا کیا مشکل ہے!! آخر جمے ہوئے خون کا لوتھڑا جس میں نہ عقل تھی نہ ہوش! اُسے کس نے اشرف المخلوقات ''حضرت انسان'' بنا دیا؟؟ پھر دوبارہ تاکید کرتے ہوئے فرمایا: پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے، اس نے آپ کو کتنی نعمتوں سے نوازا ہے، کتنا کرم کیا ہے، پھر فکر کس چیز کی وہ خود آپ کو سکھا دے گا، اگر دنیا میں کسی کو قلم سے پڑھنا لکھنا آیا ہے تو وہ بھی اس مالک کے کرم ہی سے آیا ہے، انسان تو ماں کے شکم سے بالکل ان پڑھ پیدا ہوتا ہے، پھر یہ قابلیت کون عطا کرتا ہے؟ بس وہ کریم اللہ ہی عطا کرتا ہے، جو قلم کے ذریعہ جاہل کو عالم بنا دیتا ہے، وہ آپ ﷺ کو بغیر قلم کے اتنا علم دے گا جس کے بارے میں کوئی انسان، فرشتہ یا جن سوچ بھی نہیں سکتا، بس آپ ﷺ ہی مخلوق کے سب سے بڑے عالم ہو جائیں گے۔

اس موقع پر اس پہلی وحی پر یہ بھی غور وفکر کر لیں کہ قرآن کریم ''علم'' کس علم کو کہہ رہا ہے، صرف اس کو جس کی ابتداء رب کے نام سے ہو اور جو انسان کو اس کے رب کا تعارف کرائے اور اس کی کاری گری پر غور کرنے کا احساس پیدا کرے، یوں تو مکہ کے بہت سارے لوگ اس زمانہ میں بھی پڑھے لکھے تھے، شاعری بھی کرتے تھے، بیماروں کا علاج دوا دارو بھی کرتے تھے اور دوسرے فنون بھی جانتے تھے، بس کمی یہی تھی کہ رب کے نام کو بھول گئے تھے۔ یا جان بوجھ کر علم سے رب کے نام کو الگ کر دیا تھا۔

سیرت پاک کی تفصیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے ان آیتوں کو سنانے سے پہلے اپنا تعارف کراتے ہوئے یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور نبی ہیں، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ (فتح الباری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ علیہ وسلم اس پہلی وحی کے بوجھ اور نبوت کی ذمہ داری کے احساس سے کانپتے ہوئے اپنے گھر حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا: زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ، مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ، حضرت خدیجہؓ نے کپڑا اڑھا دیا، جب کچھ دیر کے بعد وہ گھبراہٹ اور پریشانی دور ہو گئی تو تمام واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا اور فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ میری جان نکل

جائے گی، یہ ڈر نبوت کی ذمہ داریوں کا بھی تھا اور وحی کے بوجھ کا بھی، جس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے، اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ☆ ترجمہ:- اے نبی! ہم آپ پر ایک ثقیل اور گراں کلام نازل کرینگے۔ (المزمل:۵)

اس موقع پر حضرت خدیجہؓ نے اپنے پندرہ سالہ تجربہ کی روشنی میں تسلی دیتے ہوئے کچھ ایسی باتیں فرمائیں جو آپ کے اخلاق حسنہ کا نچوڑ اور نبوت سے پہلی زندگی کا آئینہ ہیں۔

انہوں نے فرمایا: آپ ہرگز نہ ڈریں، خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی ضائع نہ کرے گا، آپ تو رشتہ داری کا خیال رکھتے ہیں، آپ کی صلہ رحمی بالکل محقق ہے، ہمیشہ آپ سچ بولتے ہیں، لوگوں کے قرض ادا کرتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں، لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو تسلی دینے کے بعد مزید اپنی تسلی کے لئے اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس گئیں، جو مشرکین کے شرک سے تنگ آ کر عیسائی بن گئے تھے، تورات اور انجیل کے بڑے عالم تھے، اور سریانی زبان سے عربی زبان میں انجیل کا ترجمہ کرتے تھے، اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے، حضرت خدیجہؓ نے یہ تمام واقعہ بیان کیا، جس کو سن کر ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا، قدوس، قدوس، بہت پاکیزہ! بہت پاکیزہ! یعنی وہ اللہ پاک ہے، جس نے یہ نبی بنا کر بھیجے ہیں، پھر فرمایا: اگر تو سچ کہتی ہے تو ان کے پاس وہی عظیم فرشتہ آیا ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کے پاس آتا تھا۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر ورقہ کے پاس گئیں، جس کا تفصیلی تذکرہ بخاری شریف میں اس طرح مذکور ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل سے کہا: اے میرے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کا حال تو سنو، ورقہ نے کہا: اے بھتیجے آپ نے کیا دیکھا؟ آپ ﷺ نے تمام واقعہ بیان فرمایا: ورقہ نے تمام حال سن کر یہ کہا کہ یہ وہی ناموس ''فرشتہ'' ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا، کاش

میں تمہارے زمانۂ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکالے گی یا کم از کم زندہ ہی ہوتا، آپ نے بہت تعجب سے فرمایا: کیا وہ مجھکو نکالیں گے، ورقہ نے کہا: ایک آپ ہی پر موقوف نہیں جو شخص بھی پیغمبر ہو کر اللہ کا کلام اور اس کا پیغام لیکر آیا، لوگ اس کے دشمن ہو گئے، اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت زور سے آپ کی مدد کروں گا۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل جلدی ہی وفات پا گئے۔

دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ بن نوفل کو بات سنتے ہی حق کا یقین آ گیا تھا، اور اس نے اس حق کا اعتراف کر کے اس کو تسلیم کر لیا تھا، مگر نبوت کے اعلان سے پہلے ہی وفات ہو گئی، لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا، اور فرمایا کہ میں نے ان کے لئے جنت میں ایک باغ دیکھا ہے۔ (فتح الباری: ۴۵۴/۸ وابن ہشام: ۲۶۰/۱)

اس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پندرہ سالہ تجربہ کی بنا پر اور ورقہ بن نوفل کو پرانی کتابوں کی بنا پر سب سے پہلے حق کا یقین ہو گیا۔

فترت وحی (وحی کی بندش کا زمانہ) اور دوسری وحی

اس پہلی وحی کے بعد جلدی ہی آپ ﷺ دوبارہ غار حراء میں تشریف لے گئے، اور اعتکاف کے باقی ماندہ دن پورے فرمائے، لیکن اس کے بعد کافی دنوں تک اور کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، بہت سارے علماء نے اس کی حکمت یہ لکھی ہے، تاکہ پہلی وحی کی گھبراہٹ ختم ہو جائے، اور دوسری وحی کا شوق بڑھ جائے، حکمت جو بھی ہو، لیکن وحی کی اس بندش سے آپ ﷺ بہت گھبرا گئے، ہر وقت دل میں ایک غم محسوس فرماتے تھے، جس سے کبھی ایک پہاڑ کی چوٹی پر اور کبھی دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر جاتے تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ان دنوں بار بار میرے دل میں آتا تھا، کہ میں کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر جاؤں اور اپنے آپ کو پہاڑ سے گرادوں، لیکن جب بھی کسی پہاڑ پر جاتا تھا تو حضرت جبرئیلؑ میرے سامنے نمودار ہوتے اور سلام کر کے فرماتے، اے محمد

(ﷺ) آپ مت گھبرائیں، آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، اس طرح مجھے تسلی ہو جاتی تھی، اسی طرح کچھ دن گزرے تھے کہ ایک دن میں اپنے گھر واپس آرہا تھا کہ جیسے ہی میں پہاڑ سے نیچے اترا، تو مجھے سلام کی آواز آئی، میں نے دائیں بائیں دیکھا تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیا، پھر اچانک دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا، آسمان وزمین کے بیچ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہے، میں ذرہ خوف زدہ ہو گیا، میں نے گھر جا کر کہا: مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو، انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی، پھر تھوڑی دیر کے بعد سورہ مدثر کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ☆ قُمْ فَاَنْذِر ☆ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ☆ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ☆ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ☆

ترجمہ: اے لحاف میں لپٹنے والے اٹھو پھر ڈراؤ، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اپنے کپڑے پاک رکھو، اور بتوں سے الگ رہو۔ (المدثر: ۱تا۵)

یہ دیکھنے میں چھوٹی چھوٹی پانچ آیتیں ہیں، مگر ایک ایک آیت میں علم کا ایک سمندر موجزن ہے، الفاظ کی بندش بھی انوکھی ہے، جس سے پڑھتے پڑھتے دل میں ایک عجیب قسم کا سرور پیدا ہوتا ہے، جس کو آدمی محسوس تو کرتا ہے لیکن الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا، آپ بھی ان آیتوں پر غور فرمائیں۔

مشہور تفسیر کے مطابق یہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی دوسری وحی ہے جب پہلی وحی کے بعد ایک عرصہ تک وحی بند رہی تو اچانک حضور ﷺ حضرت جبرئیلؑ کو ان کی اصلی شکل میں دیکھتے ہیں، جس سے آپ تھوڑے گھبرا جاتے ہیں، اسی گھبراہٹ میں آپ ﷺ کپڑا اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بہت پیارے انداز میں فرمایا: آپ چادر اوڑھ کر کیوں لیٹ گئے ہیں، آپ کو بہت بڑا کام کرنا ہے۔

لہذا آپ آرام چھوڑ دیجئے! اور اٹھئے! دنیا غفلت کی نیند میں مست سوئی ہے، آپ دنیا کو اس کے انجام سے آگاہ کیجئے! کہ جو اسی طرح خدا کی نافرمانی میں مست رہے گا، اس کو کیسے کیسے

عذاب میں مبتلا ہونا ہے، اور پوری دنیا میں اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے! نماز میں اذان میں ہر جگہ اسی کی بڑائی اور کبریائی کا اعلان فرمائیے! کیونکہ کبریائی اسی کا حق ہے، اور اپنے کپڑے ہر قسم کی گندگی سے پاک صاف رکھیے! اور اپنے اخلاق کا معیار بلند و بالا رکھئیے! اور ہر قسم کی گندگی بطور خاص بتوں کی گندگی سے دور رہئیے! جیسے آج تک دور رہے۔

پہل کرنے والے خوش نصیب

اگر کسی آدمی کے اخلاق و کردار کا معیار دیکھنا ہو تو اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کے قریب رہتے ہیں، ان کو دیکھا جائے کہ ان کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس اعتبار سے اگر کوئی آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھتا ہے تو وہ ششدر رہ جاتا ہے کہ سب سے پہلے جو پانچ خوش نصیب ایمان لائے وہ سب سے زیادہ رازوں کے واقف اور جانکار تھے، ان میں سے بھی سب سے پہلے حضرت خدیجہ کو ایمان کی توفیق ہوتی ہے، جو رفیقۂ حیات اور دن ورات کے کاموں کی راز دار تھیں، دوسری وحی کے قریب ہی حضرت جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کی تعلیم کے لئے آپ کے سامنے وضو کیا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اسی طرح وضو فرمایا، پھر حضرت جبرئیلؑ نے نماز پڑھائی اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنی شروع فرمالی۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے صبح اور عصر کے وقت دو دو رکعت پڑھی جاتی تھیں، دوسرے رات میں لمبی لمبی دو دو رکعت کر کے جتنی رکعات میسر ہوں پڑھی جاتی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے سامنے وضو فرمایا، جس کو دیکھ کر حضرت خدیجہ نے بھی اُسی طرح وضو کیا، پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی تو وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگ گئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی نبوت کا پہلے ہی دن سے یقین ہو گیا تھا اب باقاعدہ

ایمان میں داخل ہوگئیں۔

دوسرے خوش نصیب حضرت علیؓ ہیں، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، ان کے والد ابوطالب کی مالی حالت کچھ کمزور تھی، اسلئے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، ایک دن وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ کو نماز پڑھتے دیکھ کر بہت حیران وپریشان ہوگئے کہ یہ قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ یہ کیا طریقہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا سچا اور برحق دین ہے، اسی کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو مبعوث فرماتے ہیں، حضرت علیؓ کی عمر اس وقت آٹھ یا دس سال تھی، اسلئے ان کو اس سے بہت تعجب ہوا، مگر چونکہ انہوں نے آج تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی جھوٹ نہیں سنا تھا، ہمیشہ سچ ہی سنا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی بہت زیادہ کرتے تھے، اسلئے چپ چاپ سنتے رہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اس دین کی دعوت دی، انہوں نے عرض کیا میں اپنے والدین سے مشورہ کرلیتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرو، حضرت علیؓ نے یہ رات گہری سوچ وفکر میں گذاری، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں غور کرتے رہے، دوسرے دن صبح سویرے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے مجھے کسی سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ مجھے دین سکھایئے! اور نماز کا طریقہ بتایئے! میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور آپ کی پیروی کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین سکھایا اور نماز کا طریقہ بتایا اور آج تک نازل ہونے والی آیتیں یاد کروائیں، اسکے بعد جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے حضرت علیؓ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

تیسرے خوش نصیب حضرت زید بن حارثہؓ تھے، جو حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ راز داں اور واقف کار تھے، درحقیقت وہ بڑے اونچے خاندان کے آزاد آدمی تھے، مگر گردشِ ایام اور زمانہ کی الٹ پھیر سے غلام بن گئے تھے، جو بِکتے بِکتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچ گئے

تھے، پھر انکے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے مصر سے آئے بھی تھے، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا تھا کہ مجھے ماں سے زیادہ شفقت کرنے والی حضرت خدیجہؓ اور باپ سے لاکھ درجہ زیادہ محبت کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مل چکے ہیں، اب میں ان کی جدائی برداشت نہیں کر سکوں گا، ہاں! اپنے والدین کے بغیر رہ لوں گا، انہوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو حیران ہو کر عرض کرنے لگے، مجھے بھی یہ طریقہ بتاؤ، یہ کونسا دین ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی دین کا تعارف کروایا اور نماز کا طریقہ بتایا، اس طرح وہ بھی ایمان قبول کر کے نماز میں شامل ہو گئے۔

چوتھے خوش نصیب جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ نور عطا فرمایا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص اور باوفا دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، جو آپ ﷺ کی گھر سے باہر کی زندگی کے جانکار تھے، اس اعتبار سے وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، کیونکہ باقی سب حضرات گھر کے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے گھر سے باہر اس روشنی کو پیش فرمایا، اور سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش فرمایا، انہوں نے بلا کسی تامل اور تفکر کے اور بغیر کسی غور اور تدبر کے اول وہلہ میں اپنے دل کی آواز سمجھ کر ایمان قبول کر لیا، کیونکہ آپ ﷺ کے ساتھ دوستی کی بناء پر ان کا دل بھی روشن ہو چکا تھا، پھر ان کو بھی لمبی دوستی کا تجربہ تھا کہ جھوٹ آپ ﷺ کی زبان پر آ ہی نہیں سکتا، یہ جو کچھ فرماتے ہیں سچ ہی فرماتے ہیں۔

پانچویں خوش نصیب باندیوں کی ترجمان حضرت اُمّ ایمنؓ بتائی جاتی ہیں، جو حضرت خدیجہؓ کی باندی تھیں، یہ بھی گھر کے رازوں کی واقف تھیں! گھر کے ملازم ہمیشہ مالکان سے شاکی رہتے ہیں، مگر یہ گھر ہی نرالا تھا، حضرت اُم ایمنؓ بھی اخلاق و کردار سے اتنی متاثر تھیں کہ صرف گھر کا رنگ دیکھ کر بے تامل ایمان لے آئیں۔ (البدایہ والنہایہ:۳۷/۳)

......☆......

خفیہ تبلیغ کے تین سال

بخاری شریف کی روایت ہے کہ سورہ مدثر کی پہلی آیتوں کے بعد وحی کے نزول میں تیزی آگئی، اور موسلہ دھار بارش کی طرح وحی نازل ہونے لگ گئی، اس زمانہ میں جو آیتیں نازل ہوئیں ان میں توحید و رسالت، آخرت کے برحق ہونے کا مضمون قرآن کریم کی صداقت اور اس عالم کا فناء ہو جانا، ایسے زوردار الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے ضمیر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے، پھر چھوٹی چھوٹی آیتوں والیں چھوٹی چھوٹی سورتیں ایسے میٹھے، شیریں اور لطیف جملوں پر مکمل ہوتیں ہیں کہ پڑھتے پڑھتے مزہ آجاتا ہے، الفاظ کی بندش کا بہتا ہوا ایسا دریا ہے کہ انسان اس میں ڈوب جاتا ہے، اور چھوڑنے کا دل نہیں کرتا، اور کچھ واقعات تو ایسے بیان بھی کئے گئے ہیں کہ سننے والے سن کر ایسے حیران و ششدر ہو جاتے ہیں کہ دلوں میں ایک ہلچل مچ جاتی ہے، آخری منزل کی اکثر سورتیں ایسی ہی ہیں، جس طرح سورہ ق، سورہ ذاریات، سورہ طور، سورہ ملک، سورہ مزمل، سورہ قیامۃ، سورہ مرسلت اور تیسویں پارے کی اکثر سورتیں۔

اس طرح کے مضامین سن کر جو خوش نصیب ایمان قبول کرتے تھے، ایک تو وہ خود ایمان کے پہاڑ بن جاتے تھے، دوسرے یہ کہ پھر سب کچھ چھوڑ کے بس اسی فکر اور سوچ میں مشغول ہو جاتے تھے کہ کسی طرح ہمارے ذریعہ کسی کو ایمان نصیب ہو جائے تو وہ بھی جہنم سے بچنے والا بن جائے، مگر اس سوچ کے مقابلہ میں ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ مکہ مکرمہ کسی عام شہر یا گاؤں کی طرح نہیں تھا، وہاں کا مسئلہ بہت حساس تھا، مکہ مکرمہ میں ایک طرف تو خانہ کعبہ، مقام ابراہیم، صفا مروہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات جیسے پاکیزہ اور اعلیٰ مقام تھے، جو حج وعمرہ کے مقام تھے، اور مکہ کے لوگ بطور خاص نبی ﷺ کا خاندان بنو ہاشم وہاں کے متولّی اور ناظم اعلیٰ تھے، مگر دوسری طرف مکہ کے مشرکین نے مکہ کو شرک کا مرکز بنا رکھا تھا۔

عرب کے بڑے بڑے پانچ بت مکہ کے آس پاس ہی تھے اور خانہ کعبہ اللہ کا پاکیزہ گھر تین سو ساٹھ

بتوں سے بھرا ہوا تھا، مکۃ المکرّمہ ہی کے لوگ بطور خاص قریش ان کے مجاور اور پُجاری تھے۔

ایسے ماحول میں حکمت اور عقلمندی یہی تھی کہ بلا وجہ اچانک ماحول کو گرمایا نہ جائے؛ بلکہ اصلاح اور سدھار کا کام آہستہ آہستہ کیا جائے ہر ایک کے سامنے تذکرہ کر کے آگ نہ لگائی جائے، بس اسی حکمت اور دانشمندی کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خفیہ دعوت دینی شروع فرمادی اور اپنے خوش قسمت دوستوں کو بھی یہی ہدایت فرمائی، جس طرح پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت علیؓ کو آپ نے فرمایا تھا ''آپ ہمارا راز کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں'' اسی طریقہ کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نے سب سے زیادہ محنت فرمائی، کیونکہ وہ ایک تاجر تھے اور عام لوگوں سے بڑے گہرے تعلقات تھے، وہ بہت نرم دل اعلیٰ اخلاق کے مالک اور بڑے سخی مزاج تھے، اسلئے لوگ بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے، انہوں نے دوستوں پر غور کیا اور جس کو مناسب اور لائق سمجھا اس کو بڑے پیار سے دین کی دعوت دی، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش اور جدوجہد میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ انہی کی کوشش سے بہت سارے لوگوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوگئی۔

سیرت کی کتابوں میں ان لوگوں کی فہرست میں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف، حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبداللہؓ جیسے بڑے بڑے صحابہؓ کرام کے اسمائے گرامی بھی آتے ہیں۔

اسی طرح حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت خدیجہؓ نے بھی اس راستہ میں انتھک محنت اور کوشش فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انکی وجہ سے بھی بہت ساروں کو ایمان عطا فرمایا، جن میں حضرت بلال حبشیؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ، حضرت فاطمہؓ بنت خطاب، حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ، حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت ام الفضلؓ کے نام مشہور ہیں۔

(ابنِ خلدون: ۱؍۴۲)

مگر میں یہاں ان خوش نصیب لوگوں کا تذکرہ تھوڑی تفصیل سے کرنا مناسب سمجھتا ہوں جن کو خواب یا کسی اور اشارہ سے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت پہنچی اور ایمان نصیب ہوا

حضرت خالد بن سعیدؓ کا قبول اسلام

حضرت خالد بن سعیدؓ مشہور صحابی ہیں فرماتے ہیں ایک دن میں نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ ایک نہایت وسیع اور گہری آگ کی خندق کے کنارے کھڑا ہوں، میرے والد مجھ کو اس کی طرف دھکیلنے کا ارادہ کرر ہے ہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور میری کمر پکڑ کر مجھے کھینچ لیا، میں نے یہ خواب حضرت ابوبکرؓ سے بیان کیا، انہوں مجھے دین کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ جہنم کی آگ ہے جس میں تیرے باپ دادا تجھکو شرک والے طریقہ سے ڈالنے ہی والے ہیں۔

صرف اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع ہی تجھے اس سے بچا سکتا ہے، یہ بات سن کر میں سیدھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ایمان قبول کر لیا، حضرت خالدؓ فرماتے ہیں میرے والد کو جب میرے اسلام کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور مجھ کو اس قدر مارا کہ سر زخمی ہو گیا، اور ایک چھڑی کو میرے سر پر توڑ ڈالا، اور گھر سے نکال دیا، فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا گیا۔

بعض حضرات لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے سب سے پہلے یہی گھر سے نکالے گئے تھے۔ (المستدرک:۲۴۹/۳)

حضرت طلحہؓ کا قبول اسلام

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں بغرضِ تجارت بصریٰ گیا ہوا تھا، کیا دیکھتا ہوں ایک روز بصریٰ کے بازار میں تھا کہ ایک راہب اپنی عبادت گاہ (صومعہ) سے یہ پکار رہا ہے، اے تاجرو! تم میں سے کوئی حرم کا رہنے والا تو نہیں؟، میں نے کہا میں حرم مکہ کا رہنے والا ہوں، راہب نے کہا: کیا احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہو گیا ہے؟ میں نے کہا کون احمد؟ راہب نے کہا عبداللہ بن عبدالمطلب

کے بیٹے !، یہ مہینہ ان کے ظہور کا ہے وہ آخری نبی ہیں ،حرم مکہ میں ظاہر ہوں گے ، پھر ہجرت کر کے کھجوروں والے شہر میں جائیں گے ،تو ضروران پر ایمان لانا ، راہب کی اس گفتگو سے میرے دل پر خاص اثر ہوا ،فوراً مکہ واپس آیا اور لوگوں سے دریافت کیا کوئی نئی بات پیش آئی ؟ لوگوں نے کہا: وہ محمدؐ جوامین تھے،انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

حضرت ابوبکرصدیقؓ میرے پرانے دوست تھے میں فوراًان کے پاس گیا،اوران سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابوبکرؓ مجھ کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے، حاضرہوکر میں مشرف باسلام ہوااورآپ ﷺ سے راہب کا تمام واقعہ بیان کیا۔

(صورمن حیاۃ الصحابہ:۴۸۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت سعدابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے تین شب قبل یہ خواب دیکھا کہ میں ایک شدید ظلمت اور سخت تاریکی میں ہوں، تاریکی کی وجہ سے کوئی چیز مجھ کونظر نہیں آتی ،اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا،اور میں اس کے پیچھے ہولیا،دیکھا توزید بن حارثہؓ،علی بن ابی طالبؓ اور ابوبکرؓ مجھ سے پہلے اس نور کی طرف سبقت کر چکے ہیں ،آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اورعرض کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں ،آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی وحدانیت اوراپنے رسول اللہ ہونے کی شہادت کی طرف تم کو بلاتا ہوں، میں نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔اس طرح یہ بھی ایمان میں داخل ہوگئے ،ان کے علاوہ کچھ ایسے خوش قسمت حضرات بھی ہیں جن کوایسے لوگوں کے ذریعہ ایمان نصیب ہوگیا جو خود بھی مسلمان نہیں تھے، دو قصے ایسے بھی پڑھتے چلیں ۔(خصائص کبریٰ:۱/۱۲۲)

......☆......

حضرت عفیف کندیؓ کا قبولِ ایمان

حضرت عفیف کندیؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے دوست تھے اور عطر کی تجارت کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں: میں ایک بار حضرت عباس کے ساتھ منٰی میں تھا کہ ایک شخص آیا اور پہلے نہایت عمدہ طریقہ سے وضو کیا، پھر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا، اس کے بعد ایک عورت آئی اس نے بھی اسی طرح وضو کیا اور پھر نماز کے لئے کھڑی ہو گئی، پھر ایک گیارہ سالہ لڑکا آیا اس نے وضو کیا اور آپ کے برابر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا، میں نے عباس سے پوچھا یہ کون ہیں اور یہ کیا دین ہے؟ حضرت عباس نے کہا یہ میرے بھتیجے محمد (ﷺ) ہیں اور یہ انہی کا دین ہے، جو یہ کہتے ہیں: کہ اللہ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور یہ لڑکا علی بن ابی طالب بھی میرا بھتیجا ہے جو اس دین کا پیرو ہے، اور یہ عورت محمدؐ بن عبداللہ کی بیوی ہیں، یہ انہی کے طریقہ پر ہیں۔

حضرت عفیف کندیؓ فرماتے ہیں: مجھے ان کی یہ باتیں بہت اچھی لگیں مگر اس وقت میں نے ایمان قبول نہیں کیا، پھر کچھ دنوں کے بعد جب اللہ نے مجھے ایمان کی دولت نصیب فرمائی تو مجھے بہت افسوس ہوا کہ کاش میں اسی وقت ایمان قبول کر کے ان کے ساتھ چوتھا مسلمان ہوتا!

(طبری:۸۲/۱)

حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ کا قبولِ اسلام

ایک دن حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول عبادت تھے، حضرت علیؓ آپؐ کے دائیں جانب تھے، اتفاق سے رحمت عالم ﷺ کے چچا ابو طالب ادھر سے گذرے جعفر بھی ان کے ہمراہ تھے، آپ کو جب نماز پڑھتے دیکھا تو جعفر سے مخاطب ہو کر کہا: بیٹے!! تم بھی علی کی طرح اپنے چچا زاد بھائی کے بازو بن جاؤ اور بائیں جانب کھڑے ہو کر ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ، حضرت جعفر اسی بات پر مسلمان ہو گئے اور محققین کہتے ہیں کہ وہ اکتیس یا پچیس صحابہ

کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ (ابنِ ہشام:۱/۲۷۶)

انکے علاوہ کچھ ایسے خوش قسمت بھی ہیں جن کو ان کی فطرتِ سلیمہ نے اور انکے ضمیر نے ایمان کی دعوت دی، یعنی باہر کے بجائے اندر ہی کی طاقت نے ان کو کھینچ کر دربارِ نبوی میں پہنچا دیا، انہی خوش نصیبوں میں حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت صہیبؓ رومی، اور حضرت عمرو بن عبسہؓ بھی ہیں، تفصیل مشکل ہے، بس اجمالی طور پر حضرت عمرو بن عبسہؓ ہی کا قصہ ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت عمرو ابن عبسہؓ کا قبولِ اسلام

حضرت عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں: میں ابتداء ہی سے بت پرستی سے بیزار اور متنفر تھا، مجھے اس بات سے بہت حیرت ہوتی تھی کہ ہم اپنے ہاتھوں سے پتھر تراش کر اپنا خدا بنا لیتے ہیں، اور اس کی پرستش کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے اہل کتاب کے ایک بڑے عالم سے ملاقات کر کے دریافت کیا کہ سب سے افضل اور بہتر دین کونسا ہے؟ تاکہ میں اس پر عمل کر کے کچھ سکون حاصل کرسکوں۔

اس عالم نے کہا آپ صبر کریں، پرانی کتابوں کی پیشن گوئی کے مطابق مکہ میں ایک زبردست نبی پیدا ہونے والے ہیں، جو لوگوں کو شرک سے توحید کی طرف بلائیں گے، وہ سب سے افضل اور بہتر دین لوگوں کے سامنے پیش کریں گے، آپ ضرور ان کے طریقہ کو قبول کر لینا۔

اس دن سے ہر وقت مجھے مکہ ہی کا خیال رہتا تھا، ہر وارد و صادر سے مکہ کی خبریں دریافت کرتا تھا، یہاں تک کہ مجھ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ملی، خبر ملتے ہی میں مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑا، اور مخفی طور پر آپ سے ملا، اور عرض کیا کہ حضرت آپ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں میں نے پھر عرض کیا: کیا واقعی اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! میں نے کہا: اللہ نے آپ کو کیا پیغام دیکر بھیجا ہے، آپؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، بتوں کو توڑا جائے اور صلہ رحمی کی جائے، میں نے کہا اس بارے میں آپ کے ساتھ کون کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ایک آزاد اور ایک غلام یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ، میں نے کہا: اب میں بھی آپ کا پیروکار ہوں اور آپ کا دین ماننے والا ہوں، یہ کہہ کر میں نے ایمان قبول کرلیا۔

آپؐ نے فرمایا: اس وقت آپ اپنے وطن لوٹ جاؤ، جب ہمارے غلبہ کا علم ہو اس وقت آجانا، پھر میں اپنے گھر واپس تو آگیا، مگر میرا دل مکہ مکرمہ میں ہی اٹکا رہا، آپ کی خبریں دریافت کرتا رہا، جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

(الاصابہ: ۶/۳۰)

اس طرح تین سال کے اندر بعض خوش نصیبوں کو دعوت کے ذریعہ، بعض کو اپنی فطرت سلیمہ کی وجہ سے اور بعض کو خوابوں میں اشارہ کے ذریعہ دعوت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا سچا اور برحق دین نصیب ہوتا رہا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خفیہ طریقہ سے آہستہ آہستہ دعوت دیتے رہے۔

جب کوئی خوش نصیب ایمان قبول کرلیتا تھا، اس کو اس وقت تک نازل ہونے والی آیتیں یاد کروائی جاتی تھیں، نماز کا طریقہ بتلایا جاتا تھا، اور اعلی اخلاق کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، اس کے لئے ایک پرانے صحابی حضرت ارقم بن ابی الارقم کا مکان ایک مرکز کے طور پر استعمال ہو رہا تھا، کیونکہ وہ صفا کی چوٹی پر تھا، جہاں سب کے لئے پہنچنا آسان ہوتا تھا، اور ان کے مکان میں کشادہ جگہ بھی تھی، جہاں سب کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔

قریش کو سرسری خبر

تین سال تک یہ کام مخفی طور پر کیا گیا، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تین سال تک مکہ کے لوگوں کو بالکل علم ہی نہیں ہوا، ایسی بات نہیں، اس طرح کے بہت سارے واقعات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے لوگوں کو بطور خاص قریش کو اس محنت اور کو

شش کا کچھ نہ کچھ علم ضرور تھا، اور وہ لوگوں کے مسلمان ہونے کو بھی سنتے رہتے تھے، مگر اس کی وجہ سے وہ کوئی بڑی پریشانی محسوس نہیں کر رہے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح اور بہت سارے لوگ اپنے اپنے وقت پر اصلاح کا کام کرتے رہے ہیں، جیسے کہ عمرو بن نفیل اور امیہ ابن ابی صلت وغیرہ کا نام تاریخ میں آتا ہے، ٹھیک اسی طرح یہ بھی کوئی اصلاح کا کام کر رہے ہونگے، اس لئے انہوں نے اس محنت اور تبلیغ سے کوئی بڑی پریشانی محسوس نہیں کی، گنتی کے چند واقعات مار پیٹ کے بھی پیش آئے، جیسے کہ پیچھے حضرت خالد بن سعیدؓ کا واقعہ گذر چکا ہے، ہاں! اس سے ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوگئی، جس کے بارے میں اکثر سیرت نگار لکھتے ہیں، کہ وہ چالیس افراد کے آس پاس تھے، ابن ہشامؒ نے بھی چالیس لوگوں کے نام بیان کئے ہیں۔

اعلانیہ دعوت

اس طرح تین سال خفیہ تبلیغ کے بعد سورہ شعراء:۲۱۴ میں اللہ تعالیٰ کا صاف حکم آ گیا، وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ترجمہ: آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ تعالیٰ) سے ڈراوٴ، اس حکم کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت علیؓ کو حکم دیا، کہ بنی ہاشم اور ان کے قریبی رشتہ داروں کو کھانے کی دعوت دو، حضرت علیؓ نے دعوت کے لئے سب کو بلا لیا، جس میں تقریباً چالیس پینتالیس آدمی شریک ہوئے، سب نے بڑے شوق سے کھانا تناول کیا، لیکن کھانے کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین کی دعوت کے لئے کھڑے ہوئے۔

آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے ایسا ماحول بنا دیا کہ بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا، وہ کہنے لگا: یہ آپ کے چچا اور دوسرے رشتہ دار ہیں، آپ اس طرح کی بات مت کہو، جس سے پورا عرب ہمارا دشمن ہو جائے، ہمیں سب سے جھگڑنے کی ہمت نہیں ہے، اگر آپ ایسی بات کریں گے تو ہم آپ کا ہاتھ پکڑ لیں گے، اور سب سے پہلے مجھے حق ہے کہ میں آپ کو ایسی بات کرنے سے روک دوں، اگر آپ اپنی بات پر قائم رہیں گے، تو سارے قریش اور دوسرے قبائل ہم پر ٹوٹ

پڑیں گے، اور آپ اپنے خاندان کی مصیبت کا ذریعہ بن جائیں گے، اس طرح اس موقع پر ابو لہب نے کوئی بات کرنے کا موقع نہیں دیا یہاں تک کہ ساری مجلس اٹھ گئی۔

کچھ دنوں کے بعد نبی کریم ﷺ نے پھر حضرت علیؓ کو دوسری مرتبہ دعوت کا انتظام کرنے کا حکم فرمایا، انہوں نے پھر انتظام کر کے بنو ہاشم اور کچھ دوسرے لوگوں کو بلایا، اس مرتبہ بھی بہت سے لوگ شریک ہوئے، جن میں حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ وغیرہ خاندان کے مشہور لوگ موجود تھے، کھانے کے بعد نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو گئے، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس مرتبہ پھر ابو لہب نے بٹھانے کی کوشش کی، مگر ابو طالب نے کہا: بھائی! بات تو کرنے دو۔

نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: قسم بخدا: میں تمہاری طرف اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تم ضرور موت کے بعد ایسے اٹھو گے جیسے کوئی سو کر اٹھتا ہے، پھر تمہارے اعمال کے اعتبار سے فیصلہ ہوگا، یا تو ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی یا جہنم کے اندر ڈال دیئے جاؤ گے، پھر فرمایا میں تمہارے لئے دین و دنیا کی کامیابی کی چیز لیکر آیا ہوں، اب بتاؤ اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے کون میرا ساتھ دیگا؟ یہ بات سنتے ہی سب کو سانپ سونگھ گیا، سارے چپ چاپ رہ گئے، ابو طالب نے حوصلہ افزائی کی باتیں کیں، مگر آخر میں کہا میں آپ کی حفاظت تو کرتا رہوں گا لیکن میرا دل عبد المطلب کے دین کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے، اچانک ایک کونے میں سے حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اگرچہ میں سب سے چھوٹا ہوں، میری آنکھوں میں درد ہے اور ٹانگیں بھی پتلی دبلی ہیں، مگر میں ضرور آپ کا اس معاملہ میں ساتھ دوں گا، اس بات پر مجلس برخاست ہوگئی، لیکن سب لوگ حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ یہ بارہ تیرہ سالہ لڑکا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں مل کر دنیا کی قسمت بدل دیں گے؟!۔ (ابنِ ہشام: ۲۷۸/۱)

کوہِ صفا کا اعلان

اس اوپر کی دعوت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان بنو ہاشم اور آپ ؐ کے قریبی رشتہ داروں میں ایک افراتفری مچ گئی، گھر گھر ایک شور پڑ گیا کہ اب کیا ہوگا؟ کچھ کہتے تھے: ہمیں خدا نے اچھی خاصی سرداری عطا فرمائی ہوئی تھی، لوگ ہمیں کعبہ کا متولی سمجھ کر ہدیے، تحفے اور نیاز دیتے تھے، ہماری عزت تو خاک میں مل گئی۔

اب ہمارے بتوں کا کیا ہوگا؟؟! ابولہب جیسے ڈرپوک لوگوں کا تو سانس بند ہونے لگ گیا کہ اب سارے لوگ ہمارے دشمن بن جائیں گے ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ بلکہ یہ بات تو اس نے بھری محفل میں بھی کہہ دی تھی، اُدھر یہ شور ابھی کم نہیں ہوا تھا کہ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلم کھلا اس حق کو سب کے سامنے پیش کرنے کے سخت احکام نازل ہوگئے، مثلاً سورہ حجر کی یہ آیت:

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْن ☆ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ ﴾

ترجمہ:- آپ ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کردیجئے جس کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے، ہم استہزا کرنے والوں کو آپ کی طرف سے کافی ہیں (الحجر ۹۴،۹۵)

اور یہ آیت: ﴿قُلْ اِنِّی اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں (الحجر:۸۹)

اس حکم کے بعد ایک دن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفا نام کی پہاڑی پر چڑھ گئے، اور عرب کے رواج کے مطابق یَا صَبَاحَاهُ ☆ وَا صَبَاحَاهُ ☆ فرمانے لگے، یہ لفظ بہت خطرے کے وقت بولا جاتا تھا، یہ لفظ سنتے ہی پورے مکہ سے لوگ دوڑ کر آ گئے، ہر ایک نے پہنچنے کی کوشش کی جو خود نہیں پہنچ سکا، اس نے اپنا کوئی آدمی بھیجا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا اعتماد کرتے تھے! کہ ایک آواز پر سب جمع ہوگئے۔

جس وقت سب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا میں پہاڑی پر ہوں اور آپ لوگ نیچے ہیں، مجھے پہاڑی کے اس طرف بھی دکھائی دے رہا ہے اور اس طرف بھی! آپ دونوں طرف نہیں دیکھ سکتے ہیں، لوگوں نے کہا: بیشک! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں آپ حضرات کو یہ کہوں کہ اس پہاڑی کی اس طرف ایک فوج ہے جو آپ حضرات پر حملہ کرنے والی ہے، تو کیا آپ سچ مانو گے؟ سب یک زبان ہوکر بولے بالکل ہم سچ مانیں گے، کیونکہ ہم چالیس سال سے آپکو جانتے ہیں، آپ کو تو سارے مکہ میں (الصادق الامین) بہت سچے اور امانت دار، کہا جاتا ہے، کچھ نے پکار کر زور سے کہا: **مَاجَرَّبْنَا عَلَيْکَ كِذْباً** ۔ ہم نے کبھی آپ پر جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تو بات سمجھانے کے لئے ایک مثال تھی، اب اصل بات سنو! موت کا لشکر آپ کے پیچھے لگا ہوا ہے، کچھ پتہ نہیں کس کی باری کب آجائے؟ آپ کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہوکر اپنے مالک کی عدالت میں کھڑا ہونا ہے، جہاں ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے، پھر اعمال کے اعتبار سے فیصلہ ہوگا، میں تم کو ایک بڑے عذاب سے آگاہ کر رہا ہوں، مجھے اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے، پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اپنی رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی، اس مجمع میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا، وہ چلا کر اُٹھا اور بولا: اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا اور کہنے لگا: **تَباًّ لَکَ سَائِرَ الْاَيَّام اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا** ۔ ہلاکت ہو تیرے لئے کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا؟ اس پر سورہ لہب نازل ہوئی، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انسانوں نے اپنی آنکھوں سے بالکل اسی طرح ہوتا ہوا دیکھا، ذرا آپ بھی سورۃ لہب پڑھتے چلئے!

تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ☆ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَا لُهٗ وَمَا کَسَبَ ☆ سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ☆وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ☆ فِیْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِنْ مَّسَدٍ ☆

ترجمہ: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی، عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا وہ بھی اور اسکی بیوی بھی، جو لکڑیاں لاد کر

لاتی ہے، اس کے گلے میں ایک خوب بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

بس یہ اعلان کیا تھا! اس طرح لگ رہا تھا جیسے مکہ پھٹنے لگا ہے؛ بلکہ یہ ایک آتش فشاں تھا جو پھٹ گیا ہے، جہاں دیکھو وہاں ایک ہی بات چل رہی تھی، ایک ہی شور وغل تھا، جو غریب، یتیم مسکین اور غلام باندی وقت کے فرعونوں سے تنگ آچکے تھے ان کے دلوں میں امیدوں کے دریا موجزن ہونے لگے کہ شاید اب ہمیں عزت نصیب ہوگی، ہمیں اپنے حقوق حاصل ہونگے، جس کی وجہ سے ہم دوسروں کی طرح عزت کی زندگی جی سکیں گے، اور شاید غلاموں کو آزادی ہی نصیب ہوجائے!۔

اس کے مقابلے میں وہ لوگ جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے، ان کی کرسیاں بلکہ ان کے پاؤں تلے سے زمین ہی نکلنے لگی، ان کو یہ ڈر محسوس ہونے لگا کہ اگر کمزوروں کو ان کے حقوق حاصل ہوگئے، تو پھر ہماری چودھراہٹ کہاں چلے گی؟ اس دین اور اس کلمہ کی بناء پر تمام لوگ یکساں ہوجائیں گے، ایک امیر ہوجائے گا، پھر قبائل کی سرداری کا کیا بنے گا! ان کے علاوہ جو مذہب کے نام پر چڑھاوے اور نذر ونیاز پر گذارا کرتے تھے، مذہب کے نام پر لوگوں کو بیوقوف بنا بنا کر اپنی جیب بھرتے تھے، وہ تو اور زیادہ پریشان ہوگئے کہ اب ہمارے پیٹ کا کیا ہوگا! ہمارا تندور کہاں سے بھرے گا؟۔

اور جو لوگ صدیوں سے باپ دادا کے بتائے ہوئے کچھ مذہبی رسم ورواج سے جڑے ہوئے تھے، کچھ بڑے بڑے بتوں کے مجاور بنے ہوئے تھے، اور کچھ قومی تہواروں کے موقع پر رہنمائی کے نام پر لوگوں کو لوٹ رہے تھے، یہ سب بہت پریشان تھے، اور سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ اگر تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت ضروری ہوگئی، پھر تین سو ساٹھ بت جو خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے ارد گرد رکھے ہوئے ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ جن سے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرح محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔

صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ نام کے جو بت تھے، صفا پر چڑھ کر اساف کو اور مروہ پر چڑھ کر نائلہ کو چومتے اور انکے سامنے سجدہ کرتے تھے، اب ان کا کیا ہوگا؟ کچھ کمزور دل تو یہ بھی سوچ

رہے تھے کہ عزیٰ، لات، مناۃ اور ہبل نام کے بڑے بڑے بت بڑی طاقت اور شکتی والے ہیں جو ان کی پوجا چھوڑے گا، اس کو تو یہ ہلاک ہی کر دیں گے، ان سب سے بڑھ کر ان کے نزدیک سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ اس دین کو ماننے کا مطلب یہ تھا کہ اپنا سب کچھ دین کے حوالہ کر دینا ہے، پھر انسان کو نہ اپنی جان پر کچھ اختیار ہوگا اور نہ مال پر!! جان کے بارے میں بھی وہی کرنا ہوگا جو مالک کا حکم ہوگا، اور مال کو کمانے اور اس کو خرچ کرنے میں بھی وہی حکم تسلیم کرنا ہوگا جو قرآن کریم فرمائے گا۔

ان ساری سوچوں کی وجہ سے ان کا سینہ غصہ سے پھٹنے لگا تھا، مگر مشکل یہ تھی کہ وہ قبائلی نظام میں کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی مسلمان کو کچھ کہنے کا مطلب اس کے خاندان اور قبیلہ کے ساتھ جنگ کا اعلان کرنا تھا، پھر کس کس کے ساتھ جنگ کرتے! ہاں! انہوں نے مشورہ کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس جا کر شکایت کرنے کا فیصلہ کیا۔

بقول حالیؒ: وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی   عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

قریشی وفد ابوطالب کے صحن میں!

قریش کے لوگ دل میں بڑی بڑی امیدیں لیکر آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس گئے، ان کا خیال تھا کہ شکایت کرتے ہی ابوطالب غصّہ میں آجائیں گے، اور اپنے بھتیجے کو اس دین کی تبلیغ سے روک دیں گے، انہوں نے خوب بڑھا چڑھا کر بات بتائی، انہوں نے کہا: ابوطالب! آپ خاندان کے بڑے آدمی ہیں، پورے مکہ میں آپ جیسی عزت کسی کی بھی نہیں ہے، لوگ آپکی عزت کی وجہ سے چپ ہیں ورنہ خدا جانے اب تک کیا کیا ہو جاتا! آپ کا بھتیجہ جب ہمارے خداؤں کی مخالفت کرتا ہے، اور ہمارے عبادت کے طریقوں کو غلط کہتا ہے، اس کا صاف مطلب ہے کہ وہ صرف ہمارے معبودوں ہی کی مخالفت اور برائی نہیں کرتے؛ بلکہ وہ ہمارے آباؤ واجداد کو

بھی بیوقوف کہتے ہیں، اگر یہ طریقے غلط ہوتے تو ہمارے آباؤاجداد اس راستہ پر کیوں چلتے ؟ وہ تو بڑے عقلمند تھے، انہوں نے مذہب کا یہ طریقہ اپنی عقلمندی سے ہی اختیار کیا ہوگا، لیکن اس وقت ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا جب ابوطالب نے ڈانٹ کر واپس کردیا کہ ہر ایک کو اپنی بات کہنے کا حق ہے، تم کسی کا منہ نہیں بند کرسکتے !۔

مگر مکہ کے لوگ اتنی بات پر بیٹھ نہیں گئے وہ بار بار ابوطالب کے پاس جاتے رہے اور اپنا مطالبہ رکھتے رہے کہ یا تو آپ اپنے بھتیجہ کو منع کردیں یا پھر ہمارے اور ان کے بیچ سے الگ ہوجائیں ! ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔

قریشیوں کے بار بار ابوطالب کے پاس جانے اور شکایت کرنے کے دوران ایک مرتبہ کا تذکرہ اشارۃً قرآن کریم کی سورہ ص میں بھی ہے، کہ اس مرتبہ سردارانِ قریش ابوطالب کے پاس گئے تو پچھلی مرتبہ کے مقابلہ میں بڑی سختی سے بات کرنے لگے کہ ان کے اس نئے دین کی دعوت کی وجہ سے گھر گھر میں لڑائی جھگڑا شروع ہوگیا ہے، اور پورے خاندان کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں، باپ بیٹے میں اگر کوئی اس دین کو قبول کرلیتا ہے تو دوسرے سے جدا ہوجاتا ہے، اس طرح گھر گھر میں لڑائی شروع ہوگئی ہے، اور ابھی یہ لڑائی اور بڑھے گی۔

(ابنِ ہشام:۱/۲۷۹)

اس موقع پر ابوطالب نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قاصد بھیج کر آپ کو بلایا، اور محبت سے کہنے لگے، بھتیجہ ! یہ آپ کا خاندان شکایت کررہا ہے کہ آپ کی وجہ سے پورا خاندان بکھر گیا ہے، بلکہ ایک لڑائی اور جھگڑے کا ماحول بن گیا ہے، اس پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان سے صرف ایک ہی بات کہتا ہوں اگر یہ میری اس بات کو مان لیں گے تو آپس میں اتفاق ہوجائے گا، بلکہ یہ عرب وعجم کے بادشاہ بن جائیں گے، اگر یہ میری اس بات کو مان لیں گے، تو میں انکی ساری باتیں تسلیم کرلوں گا، اس پر ابوجہل بولا، اگر کسی بات سے خاندان میں اتفاق ہوجاتا ہے تو میں ایسی ایک بات نہیں بلکہ کئی ساری باتیں ماننے کے لئے تیار ہوں،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:نہیں صرف ایک ہی بات ! پھر کلمہ پڑھ کر ان کو دعوت دی کہ تم سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کو اپنا معبود اور رب تسلیم کرلو!اور مجھے اس کا بھیجا ہوا رسول تسلیم کرلو!، پھر اس کے حکموں پر چلنے کا فیصلہ کرلو، وہ تم کو عرب وعجم کا بادشاہ بنادیگا اور تمہیں دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہوجائیگی۔

اس پر باقی مجلس سوچ میں پڑگئی،مگر ابوجہل گھبرا گیا کہ کہیں یہ بات لوگوں کے دلوں میں ہی نہ اتر جائے اس لئے وہ اٹھا اور پکار کر کہنے لگا: اٹھو! بڑا مشکل وقت آگیا ہے،تم اپنے معبودوں پر ڈٹ جاؤ! مجھے دال میں کچھ کالا لگتا ہے یعنی نعوذ باللہ اس پیغام کے پیچھے کچھ ذاتی مفاد وابسطہ ہیں، مفسرین حضرات فرماتے ہیں سورہ ص کی مندرجہ ذیل ان آیتوں میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،آپ بھی پڑھ لیں!

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ☆اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ☆وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ☆ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ☆ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ☆

ترجمہ:-اوران لوگوں کواس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ایک خبردار کرنے والا انہی میں سے آگیا،اور ان کافروں نے یہ کہہ دیا کہ وہ جھوٹا جادوگر ہے؛ کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کردیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے؛اوران میں کے سردار لوگ یہ کہہ کر چلتے بنے کہ چلو!اور اپنے خداؤں (کی عبادت) پر ڈٹے رہو، یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور ہی ارادے ہیں؛ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں کبھی نہیں سنی اور کچھ نہیں یہ من گھڑت بات ہے؛ کیا یہ نصیحت کی بات ہم سب کو چھوڑ کر اسی شخص پر نازل کی گئی ہے؟اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری نصیحت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا؛ (سورہ ص:۴تا۸)

قریشی سرداروں کا گروہ پھر ابوطالب کے گھر

کچھ دنوں کے بعد قریشی سرداروں نے پھر ابوطالب کے پاس جانے کا فیصلہ کرلیا؛ مگر اس بار کچھ موڑ بدلا ہوا تھا، دھمکیاں دینے لگے، اور کچھ نے تو بہت ہی سخت باتیں کہیں، اس پر ابوطالب بھی کچھ نرم پڑ گئے، ان لوگوں کو تو کہہ سن کر واپس کر دیا، لیکن جب وہ چلے گئے تو ایک شخص کو بھیج کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا، اور پیار سے کہنے لگے:

''بھتیجے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ پر قربان جاؤں! پیارے! مجھ پر رحم کرو، آپ کی قوم کے لوگ آج پھر آئے تھے، وہ بہت غصے میں تھے، بہت سخت باتیں کر رہے تھے، اب میرے بس میں نہیں؛ لہذا کچھ سوچو!

حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ چچا کمزور پڑ گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسوں بھر آئے، اور فرمایا: ''چچا جان! آپ نے آج تک اپنا فرض نبھایا، اب آپ کی مرضی ہے آپ جو چاہیں فیصلہ کریں، میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! یا تو یہ دین غالب آئے گا، یا یہ کام کرتے کرتے میری جان چلی جائے گی لیکن میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا؛ بلکہ اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اس پر کوئی سودا نہیں کروں گا''۔

ایمان ویقین سے بھرپور یہ جواب سن کر ابوطالب نے بھی فیصلہ بدل دیا، اور ہمت کے ساتھ بولے: ''جب تک میری جان میں جان ہے میں آپ کے ساتھ ہوں؛ لہذا آپ نے جو کرنا ہے، کیجئے! میں جب تک زندہ ہوں، کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا''۔ غالباً اسی موقع پر ابوطالب نے اپنا وہ مشہور قصیدہ کہا تھا جس کا ایک شعر یہ بھی ہے:

ونسلمه حتى نصرع حوله ونذهل عن أبنائنا والحلائل

یعنی ہم آپ کو قریشیوں کے حوالے نہیں کریں گے، چاہے آپ کے اردگرد ہماری لاشوں کے

ڈھیر لگ جائیں، اور ہم آپ کی حفاظت میں اپنے بچے اور بیویوں کو بھی بھول جائیں گے۔

بدنام کرنے کی سازشیں اور مشورے

مکہ کے مشرک سرداروں کی پریشانیاں بڑھتی ہی جارہی تھیں؛ کیوں کہ قرآن کریم ساون کی بارش کی طرح مسلسل نازل ہورہا تھا، جس میں ان کے کمزور عقیدوں کا بے حقیقت ہونا ایسے واضح انداز میں بیان کیا جارہا تھا کہ جس میں رتی برابر بھی عقل ہوتی تھی وہ اپنی سوچ پر خود ہی نوحہ اور افسوس کررہا تھا، وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوتا تھا کہ خدوند تعالیٰ !! مجھے ہو کیا گیا ہے؟ میں اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود؛ بلکہ نبیوں اور ولیوں کی اولاد ہونے کے باوجود ان پتھروں کو خدا سمجھ بیٹھا؟ چنانچہ جس کے دل میں فطرت کی کچھ بھی روشنی باقی تھی، وہ آسمانی نور سے اپنے دل کا دِیا روشن کرکے نورٌ علی نور کا نقشہ پیش کررہا تھا، اس منظر کو دیکھ کر مکہ کے وہ سردار جنہوں نے خود کو دنیا پر فدا کیا ہوا تھا؛ بلکہ باپ دادا کی اندھی پیروی اور ضد کی وجہ سے جن کی دل کی دنیا ہی لٹ چکی تھی، اور قرآن کی زبان میں ''ان کے آگے اور پیچھے (ہر طرف) دیوار چڑھادی گئی تھی اور اوپر سے پردے بھی پڑ گئے تھے''

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنَا هُمْ فَهُمْ لَايُبْصِرُوْنَ ☆

ترجمہ: ہم نے ایک آڑ ان کے آگے کھڑی کردی ہے، اور ایک آڑ ان کے پیچھے کھڑی کردی ہے، اور اس طرح انہیں ہر طرف سے ڈھانک لیا ہے جس کے نتیجے میں انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ (سورہ یٰس:۹)

بل کہ اس سے بھی آگے قرآن کہتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر ہی لگ چکی تھی:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ☆

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے، اور ان کی آنکھوں پر

پردہ پڑا ہوا ہے، اور ان کے لیے زبردست عذاب ہے۔ (البقرہ: ۷)

غرض یہ کہ ان کی آتما اور روح ہی مر چکی تھی، وہ جاہل نادان سردار اندر ہی اندر جل بھن رہے تھے۔ انہیں اندازہ ہو چلا تھا کہ اب ہماری جہالت کے عقیدے تو اس سیلاب کی رو میں بہہ جائیں گے، اب لات ومنات، عزیٰ وہبل، نائلہ واساف کو کون مانے گا؟ لیکن کرتے کیا؟ قرآن کریم کے صاف صاف بیان کے آگے ان کی کچھ چل بھی نہیں سکتی تھی۔ حالات کے آگے وہ بے بس ہو گئے تھے، کچھ ہوش سنبھالی تو ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ، ولید جیسے کچھ بڑے جانے مانے سرداروں نے انکو مشورہ دیا کہ ہم کمزور مسلمانوں کو، جن کا کوئی سہارا نہیں، ایسا ماریں اور پیٹیں جس کی گونج پورے مکہ میں سنائی دے، جس کی وجہ سے دوسرے مسلمان ڈر جائیں گے، اور اس سے پہلے ہم محمد -صلی اللہ علیہ وسلم- کو اتنا زیادہ بدنام کریں کہ کوئی ان کی بات سننے کے لیے تیار ہی نہ ہو، پھر کیا تھا! چاروں طرف سے نعروں کی آوازیں گونجنے لگیں، بہت خوب! بہت اچھا!

کسی نے کہا: ''ہم ان کو شاعر کہیں گے؛ کیوں کہ جو کلام وہ پیش کرتے ہیں، اس میں کچھ کچھ شاعری کا انداز ہے۔ شاعری کے جیسا اس میں کچھ عجیب قسم کا لطف آتا ہے، جو دل کی تاروں کو چھیڑ دیتا ہے؛ اس لیے لوگ ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ لوگ ان کو عام شاعروں کی طرح سمجھیں گے، اس طرح ان کی قدر کم ہو جائے گی، اور ان کا قد پست ہو جائے گا''۔

دوسرا بولا: ''نہیں نہیں! کیا تم نے کبھی شاعروں کی شاعری نہیں دیکھی، یہ کلام شاعری ہو سکتا ہے؟ اس طرح تو لوگ تمہیں ہی بے وقوف کہیں گے، تم ان کو ''کاہن'' کہو!-''کاہن'' اس آدمی کو کہتے تھے جو دعوی کرتا تھا کہ میرے پاس کوئی جن وغیرہ باہر کی، اوپری مخلوق ہے، جس کی وجہ سے مجھے غیب کی باتوں کا علم ہے یہ ''کاہن'' لوگ بھی لوگوں کو بے وقوف بنانے میں بہت بدنام تھے- اس کا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقے سے بدنام ہوں گے، اور لوگ آپ کے ساتھ کاہنوں جیسا سلوک کریں گے''۔

ایک اور بولا: ''ارے بے وقوفو! کیسی بات کرتے ہو، ان کے کلام میں تمہیں کوئی کاہنوں والی

بات لگتی ہے؟اس پر لوگ تم ہی کو بے وقوف کہیں گے۔میرا خیال ہے ان کو-نعوذ باللہ- جادوگر کہا جائے اور جو کلام وہ پیش کرتے ہیں اس کو جادوگری کہا جائے۔جادوگر تو ویسے ہی بدنام ہیں، ان کا کام ہی گھر گھر لڑائی جھگڑا لگوانا اور بہنوں، بیٹیوں کو پریشان کرنا ہے؛ کیوں کہ ان کے کلام کو سن کر بھی دلوں میں ہلچل مچ جاتی ہے، سننے والے کو اس کلام کی طرف اپنے دل میں کھچاؤ سا محسوس ہوتا ہے، اور یہی گھر گھر میں لڑائی کا باعث بن جاتا ہے؛ اس لیے لوگ یہ بات مان لیں گے''۔

ایک چوتھا بولا: ''کیسی بے وقوفوں والی بات کرتے ہو! کیوں؟ کیا تم نے جادوگروں جیسی گھٹیا بداخلاقی والی کوئی ایک بات بھی محمد-صلی اللہ علیہ وسلم- میں، یا ان کے ساتھیوں میں دیکھی ہے؟ تم نے جادوگر نہیں دیکھے کیا؟ وہ اپنی دوزخ بھرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے؟؟ اس پر سارے بولے: ''پھر کریں کیا؟ کچھ تو کہنا پڑے گا، آخر ہم لوگوں کو کیسے ان سے دور رکھیں گے؟'' اس پر سب نے تھک ہار کے کہا: ''یہ چوں کہ اپنے باپ دادا کے دین سے الگ ہو گئے ہیں؛ اس لیے ہم ان کو مجنون اور دیوانہ کہیں گے، اور یہ کہ، یہ کلام خدائی کلام نہیں ہے؛ بل کہ یہ ان کا اپنا بنایا ہوا کلام ہے'' اس پر سب بولے: ''چلو اسی بات کو لے لیتے ہیں''۔قرآن کریم نے ان کی ایک ایک بات کا جواب بھی دیا، اور اصل بیماری بیان کرتے ہوئے ان کی غیرت کو بھی للکارا!

قرآن پاک جواب دیتا ہے، اور صفائی بیان کرتا ہے

اس موقع پر قرآن کریم کے جوابی مضمون سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے ان کے الزامات پر زمین کپکپا گئی ہو، بل کہ آسمان بھی تھرتھرا اٹھا ہو، اور عرش الٰہی ہلنے لگ گیا ہو کہ انسان ضد میں کہاں تک چلا جاتا ہے، جن کو چالیس سال تک ''**الصادق** ''**الامین** '' (بہت سچے، بہت امانت دار) کہتے آئے تھے، آج ان پر بس ضد کی وجہ سے بدنام کرنے کے لیے کیسے کیسے الزامات لگا رہے ہیں، ایسی باتیں کہتے ہیں جو کسی شخص میں ممکن ہی نہیں ہیں، بھلا جو شاعری کرے وہ کبھی کاہن ہو سکتا ہے؟ اور کاہن کبھی جادوگر ہو سکتا ہے؟ پھر یہ سارے کام کرنے والا انسان مجنون اور دیوانہ

کیسے ہوسکتا ہے؟ مجنون ایسا کلام پیش کرسکتا ہے، جس کا کوئی جواب نہ دے سکتا ہو؟ قرآن پاک نے اسی کے متعلق فرمایا:

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا☆

ترجمہ: (اے پیغمبر!) دیکھو ان لوگوں نے تمہارے بارے میں کیسی کیسی باتیں بنا لی ہیں، چنانچہ ایسے بھٹکے کہ راستے پر آنا ان کے بس میں نہیں ہے (سورۃ الفرقان:۱۰)

پھر رحمتِ عالم –صلی اللہ علیہ وسلم– کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: یہ آپکو چالیس سال تک سچے اور امانت دار کہتے رہے ہیں، اب یہ کس منہ سے آپ کو جھوٹا کہتے ہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ یہ آپ کے نہیں، بل کہ قرآن پاک کے مخالف ہیں، ان کو قرآن پاک کی توحید والی باتیں برداشت نہیں ہوتیں، سورہ انعام کی اس آیت پر غور کیجیے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ☆

ترجمہ: (اے رسول!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے تمہیں رنج ہوتا ہے، کیونکہ دراصل یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

(الانعام۳۳)

سورہ مؤمنون میں ان سے چند سوالات کیے گیے، پھر ان سوالات کے جوابات دیے گیے، جن کے آگے وہ لا جواب ہی نہیں ہوئے، بل کہ حیران ہو گئے، ان آیتوں کو غور سے پڑھیے:

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ☆

ترجمہ: یا یہ اپنے پیغمبر کو پہلے سے جانتے ہی نہ تھے اس وجہ سے انکار کر رہے ہیں۔

(المومنون:۶۹)

یہ ایسی بات تھی جس سے وہ انکار نہیں کرسکتے تھے، وہ یہ بات کہہ ہی نہیں سکتے تھے کہ ہم نے ان کو پہچانا ہی نہیں؛ اس لیے ہم ان کو مانتے نہیں، یہ تو سورج کی طرف تھوکنا تھا جو واپس منہ پر ہی

پڑ رہا تھا، حضرت کی خاندانی بزرگی اور شرافت ایسی مانی ہوئی بات تھی کہ پورے عرب میں ایک بھی شخص اس کا انکار نہیں کرسکتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شخصیت، جس کو وہ چالیس سال سے جانتے تھے، اس کا انکار کیسے کر سکتے تھے، بل کہ ۳۵ سال کی عمر میں حجرِ اسود کے رکھنے کا جو واقعہ پیش آیا تھا جس میں سارا مکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر ہی راضی ہوا تھا، اس کو بھی ابھی کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔

پھر دوسرا سوال کیا:

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ☆

ترجمہ: یا ان کا کہنا ہے کہ: ''ان (پیغمبر) کو جنون لاحق ہوا ہے؟''

صاف بات ہے اس کا بھی کوئی حقیقی ثبوت ان کے پاس نہیں تھا، جس کو مان لیا جاتا؛ اس لیے اس سوال پر سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ قرآن کریم نے خود جواب دیا:

بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ☆

ترجمہ: نہیں (بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ پیغمبر ان کے پاس حق لے کے آ گئے، اور ان میں اکثر لوگ حق کو پسند ہی نہیں کرتے۔ (المومنون (۷۰)

یعنی اور کوئی بات نہیں معاملہ بس اتنا ہے کہ آپ ان کے پاس سچ لے کر آئے ہیں اور ان کے زیادہ لوگ وہ ہیں جن کو سچ پسند ہی نہیں ہے۔ پھر فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ☆ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوۡنَ ☆

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ تم انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ راستے سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں۔ (المؤمنون: ۷۳، ۷۴)

یعنی جو آخرت کے حساب و کتاب کو مانتے ہی نہیں، وہ ٹیڑھے میڑھے راستوں پر تو چل سکتے ہیں؛ لیکن سیدھے راستے پر نہیں۔

پھر فرمایا:

بَلْ اَتَیْنٰھُمْ بِذِکْرِھِمْ فَھُمْ عَنْ ذِکْرِھِمْ مُّعْرِضُوْنَ ☆

ترجمہ:۔ بلکہ ہم ان کے پاس خود ان کے لیے نصیحت کا سامان لے کر کے آئے ہیں، اور وہ ہیں کہ خود اپنی نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ (المؤمنون:۷۱)

یہاں پر دلوں میں جاہلوں جیسا ایک خیال آ سکتا تھا کہ چلو مان لیں کہ باطل تو جھوٹا ہے، اور وہ حق کے راستے پر ضد کی وجہ سے نہیں آتا، پھر قومی جوڑ اور ایکتا کی خاطر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ حق ہی باطل کے راستے پر آ جائے اور قوم فتنہ سے بچ جائے، اس کے جواب میں فرمایا:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَھْوَاءَ ھُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ ☆

ترجمہ: اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا، تو آسمان و زمین اور ان میں بسنے والے سب برباد ہو جاتے۔ (المؤمنون:۷۱)

قرآن پاک تسلی دیتا ہے

مشرکین مکہ کے ان الزامات پر کئی جگہ قرآن پاک پڑھنے والے کو یقیناً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات جو اصل انسانوں کی نفسیات سے واقف ہے، وہ محسوس فرما رہا ہے کہ اس موقع پر میرے حبیب ﷺ اور ان کے ساتھی دکھی ہو گئے ہیں، جہاں ان کو تسلی اور دلاسہ دینے کی ضرورت ہے، پھر ایسا ہی مضمون قرآن پاک میں نازل فرماتا ہے، سورہ قلم کی شروع کی ان آیتوں کو غور سے دو تین بار پڑھیں، تو ضرور آپ کو بھی ویسا ہی محسوس ہوگا!

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَایَسْطُرُوْنَ ☆ مَااَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْن ☆ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ☆ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ☆ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ☆ بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ ☆

ترجمہ: ن، اے پیغمبر! قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں؛ اپنے پروردگار کے

فضل سے تم دیوانے نہیں ہو؛ اور یقین جانو تمہارے لیے اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا؛ اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو۔ چنانچہ تم بھی دیکھ لوگے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے؛ کہ تم میں سے کون دیوانگی میں مبتلا ہے۔ (القلم:۱تا۶)

آگے ان کی یہ کمزوری بھی بیان کی کہ وہ خود کسی پکے عقیدے پر نہ پہلے تھے نہ اب ہیں، نہ ان کی زندگی کا کوئی مقصد ہے، وہ محض گمان پر زندگی گذار رہے ہیں، **اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ** وہ صرف گمان اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں، نیز ان میں جتنا بھی جوش اور جتنی بھی مضبوطی ہے وہ بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ہے، ورنہ دل سے تو وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ تھوڑے ڈھیلے پڑ جائیں، تو وہ بالکل بیٹھ جائیں گے، فرمایا:

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْن ☆

ترجمہ: یہ چاہتے ہیں کہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں (القلم:۹)

ایک دوسرے مقام پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اے میرے نبی! آج کے یہ ظالم جو کچھ بھی کہتے ہیں اور جو جو الزامات لگاتے ہیں، یہ وہی باتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کو کہی گئیں تھیں، فرمایا:

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ☆

ترجمہ: (اے پیغمبر!) تم سے جو باتیں کہی جارہی ہیں، وہ وہی ہیں جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ یقین رکھو تمہارا پروردگار مغفرت کرنے والا ہے، اور دردناک سزا دینے والا ہے۔

(حم سجدہ:۴۳)

ایک جگہ فرمایا:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ☆

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا، پھر جس طرح انہیں جھٹلایا گیا، اور تکلیفیں دی گئیں، سب پر انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی۔ اور کوئی نہیں ہے جو اللہ کی باتوں کو بدل سکے، اور پچھلے رسولوں کے کچھ واقعات تو آپ تک پہونچ ہی چکے ہیں۔ (الانعام:۳۴)

اور ایک مقام پر بہت زوردار طریقے سے فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ☆

ترجمہ: (اے پیغمبر!) تم اسی طرح صبر کیے جاؤ جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے، اوران کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ (الاحقاف:۳۵)

طوفانِ بلاخیز اور مصیبتوں کے پہاڑ

جھوٹے الزامات اور بدنام کرنے کی کوششیں زوروں پر تھیں، مگر مکہ کے مشرک سرداروں کو بات بنتی دکھائی نہ دیتی تھی؛ کیوں کہ ان کے الزامات پر کوئی کان دھرنے کو تیار نہ تھا، وہ دیکھتے تھے کہ مسلمان آئے دن بڑھتے چلے جارہے ہیں، کوئی صبح ایسی نہیں جو کسی نئے انسان کے مسلمان ہونے کی خبر نہ لاتی ہو، ان حالات نے انہیں دوبارہ سوچنے پر مجبور کردیا؛ چنانچہ انہوں نے مجلس بٹھائی، سردار بلائے اور فیصلہ کیا کہ جن مسلمانوں کا اپنا بڑا خاندان ہے انہیں تو ان کے خاندان کے حوالے کیا جائے، اوران خاندانوں سے کہا جائے کہ اپنے رشتہ داروں سے خود ہی نمٹ لو، لیکن وہ مسلمان جن کا خاندان کوئی مضبوط خاندان نہیں؛ بل کہ مزدوری وغیرہ کرکے وقت گزارتے ہیں، یا وہ پردیسی جو باہر سے آکر یہاں بس گئے ہیں، یا وہ جو غلام اور باندیاں ہیں— جن کی ظالم معاشرے میں بیل، گائے سے زیادہ قیمت نہیں تھی- ان پر تو سارے ہی ٹوٹ پڑو، ان کو اتنا ستاؤ، اتنا مارو کہ کئی کئی نسلیں یاد رکھیں، اس سے ان کے دماغ ٹھیک ہوجائیں گے اوران کو جلد ہی پتا چل جائے گا کہ معاشرے اور برادری کی مخالفت کیا چیز ہے! وہ مار کھا کے خود ہی

سدھر جائیں گے۔

مشرکین کی اصل بیوقوفی یہ تھی کہ وہ مسلمان بننے اور ایمان قبول کرنے کا مطلب ہی نہیں سمجھے تھے، ان کا خیال تھا کہ جس طرح اور تحریکوں میں لوگ شامل ہوتے ہیں پھر حالات کے چند تھپیڑے کھا کے کنارے ہو جاتے ہیں۔ ایمان والوں کا بھی شاید یہی معاملہ ہے، وہ سوچتے تھے کہ غلام اور باندیوں کی سوچ ہوتی ہی کیا ہے، جس کا تن غلام اس کا من کب آزاد ہو سکتا ہے!! یہ تو یوں ہی بس شوق شوق میں جڑ گئے ہیں، وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ کسی کی سوچ کو کبھی غلام نہیں بنایا جا سکتا ہے، جس کی تاریخ بھی گواہی دیتی ہے، نیز ان کو معلوم نہیں تھا کہ ایمان قبول کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچے عشق کا معاہدہ کرنا ہے۔ ایک ایمان والا، ایمان قبول کرتے ہی یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ پھولوں کی سیج نہیں، بلکہ کانٹوں بھرا راستہ ہے، یہ مال و دولت عیش و آرام ہی نہیں بلکہ تن من سب کچھ رضائے مولا پر قربان کرنے کا معاملہ ہے، پھر اس راستے کے سچے راہی کو جان بچا کر نہیں، بل کہ جان دے کر لذت حاصل ہوتی ہے، اس راستے میں دنیا کی ساری نعمتیں کھا کر وہ مزا نہیں آتا جو بھوکے رہ کر آتا ہے، اس راستے کا مسافر مصیبتوں، آزمائشوں، پریشانیوں میں وہ آرام محسوس کرتا ہے جو آسانیوں میں کبھی مل نہیں سکتا۔

ایسی کلفتوں پر قربان ہزار رحمتیں!!

افسوس اس راستے کی لذت کا کچھ احساس اس گنہگار کو بھی نصیب ہو جاتا!!

کسی فارسی شاعر نے کتنی پیاری بات کہی ہے:

ع نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اردو شاعر نے شائد اسی کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے:

یہ قدم قدم بلائیں یہ سوادِ کوئے جاناں

وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

مگر جو بات اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ سے کہلوائی ہے، اس کے کیا کہنے:

عاشق ہوویں عشق کماویں دل رکھیں وانگ پہاڑاں ہو
منصور جیئے چک سولی دتے جہڑے واقف کل اسراراں ہو
عاشق سوئی حقیقی جہڑا قتل معشوق دے منّے
ہتھ نہ جوڑے مکھ نہ موڑے پہانویں سو تلواراں کھنّے

یعنی اگر عاشق ہونا ہے، عشق کی منزلیں حاصل کرنی ہیں، تو دل پہاڑ جیسا بناؤ۔ اس راستے میں منصور جیسے جو تمام رازوں سے واقف تھے اٹھا کے سولی پر چڑھا دیے گئے۔ حقیقی عاشق اسی کو کہتے ہیں جو معشوق کے اشاروں پر قتل ہو جائے۔ پھر نہ سر جھکائے، نہ منہ موڑے، خواہ تلواروں کے سو سو وار ہو رہے ہوں۔

اور اصل بات یہ ہے کہ کہنے والے وہ کہہ ہی نہیں سکتے جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے سچے ساتھی کر کے دکھا گئے، یہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش تھی، ورنہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے مالدار اور سردار بھی تو ہو سکتے تھے، اور کچھ خوش نصیب تھے بھی، لیکن بڑی تعداد ایسے صحابہ کرام کی تھی جو یا تو کسی کمزور خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، یا پھر پردیسی سمجھے جاتے تھے جیسے حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنھا، یا پھر وہ جو غلام و باندی سمجھے جاتے تھے جیسے حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت نہدیہ اور حضرت زنیرہ رضی اللہ عنھم اجمعین وغیرہ، یہ سارے ایمان اور یقین کے ایسے پہاڑ بن گئے تھے کہ شاید ہی تاریخ نے ایسا کوئی نظارہ اس سے پہلے پیش کیا ہو، یہاں تک کہ مارنے والے مار مار کر تھک گئے لیکن مار کھانے والے مار کھا کھا کر نہیں تھکے، سب کا بیان تو مشکل ہے؛ لیکن کچھ خوش نصیبوں کا تذکرہ آپ بھی سنتے چلیں، شاید ہمارا بھی ایمان تروتازہ

ہو جائے۔

مصیبتوں میں پہل کرنے والے خوش نصیب

حضرت خباب ابن الارت رضی اللہ عنہ

حضرت خباب رضی اللہ عنہ اصل میں قبیلہ تمیم کے آزاد آدمی تھے؛ لیکن دورِ جاہلیت میں کسی ظالم نے پکڑ کے غلام بنا کر مکہ کی ایک عورت امِّ انمار کو بیچ دیا تھا، اسلام کی روشنی ظاہر ہوتے ہی یہ دارِارقم میں حاضر ہوئے، ابھی کچھ ہی لوگ ایمان لائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دولت عطا کر دی، ام انمار کو پتا لگا تو اس نے ظلم ڈھانا شروع کر دئے، پھر قریشی سرداروں نے بھی ظلم پر ظلم کئے، ایک دن آگ جلا کر اس کے انگارے بنائے، پھر زمین پر وہ انگارے بچھا دیے، اور ان کو ننگا کر کے ان پر لٹا دیا، اوپر سے ایک آدمی نے چھاتی پر پاؤں رکھ دیا، تا کہ ہل بھی نہ سکیں، آخر کار جب وہ انگارے بجھ گئے تب ان کو چھوڑا۔

مدتوں بعد حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی کمر دکھائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھ کر ڈر گئے کہ برص کی طرح جلنے کے داغ تھے، حضرت خباب لوہاری کا کام کرتے تھے اسلام قبول کرنے کے بعد جن کی طرف بھی پیسے باقی تھے، ان لوگوں سے پیسے مانگے، انہوں نے دینے سے بالکل ہی انکار کر دیا اور کہنے لگے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑو گے، تب تک ایک پیسہ بھی نہیں دیں گے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ جواب دیتے تھے:
''تم چاہے مر کر بھی زندہ ہو جاؤ میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا'' (طبقات ابن سعد:۳/۱۱۷)

مؤذنوں کے سردار حضرت بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ

یہ اصل حبشہ کے رہنے والے تھے، حالات کی الٹ پھیر نے انہیں غلام بنا دیا، امیہ بن خلف نے انہیں خرید لیا، یہ بھی اسلام کی روشنی ظاہر ہوتے ہی اس روشنی میں داخل ہو گئے تھے، لیکن ان کا مالک امیہ بھی بڑا ظالم شخص تھا، اس کو جیسے ہی پتا چلا تو اس نے مارنے پیٹنے اور ستانے کا کوئی طریقہ باقی نہ چھوڑا جوان پر آزمایا نہ ہو۔ دوپہر کی تپتی ہوئی دھوپ میں جب پہاڑ بھی آگ کے انگارے بن جاتے تھے اس وقت وہ آپ رضی اللہ عنہ کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا اور اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیتا، تاکہ آپ رضی اللہ عنہ ہل بھی نہ سکیں، اور آپ رضی اللہ عنہ سے کہتا تھا کہ: ''یا تو اسلام چھوڑ دو، ورنہ اسی طرح تڑپتے تڑپتے مر جاؤ گے''۔ اس وقت بھی آپ کی زبان سے ایک ہی لفظ نکلتا تھا اور وہ تھا ''اَحَد اَحَد'' کہ اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔

پھر جس وقت وہ دیکھتا کہ آپ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ رہے ہیں، تو اوباش اور غنڈے قسم کے لڑکوں کے حوالے کر دیتا، وہ آپ کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے، کھینچتے چلے جاتے مگر آپ کی زبان پر تب بھی اَحَد اَحَد کی رٹ رہتی، اللہ اکبر!! ایمان اس کو کہتے ہیں!

یہ وہی حضرت بلال ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسجدِ نبوی میں اذان دی اور مؤذن بنے، پھر فتحِ مکہ کے موقع پر سب سے پہلے انہوں نے ہی خانہ کعبہ کی چھت پر اذان دی، اور یہی مؤذن کے نام سے مشہور ہوئے! (ابنِ ہشام: ۱/۳۵۰)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ

حضرت عمار کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہما یمن کے رہنے والے تھے، حضرت یاسرؓ کسی کام کے لیے مکہ آئے تھے، پھر یہیں بس گئے، ابوحذیفہ مخزومی نے حضرت سمیہؓ سے انکا نکاح کرا دیا، جن کے شکم سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، یہ بھی بالکل شروع میں

مسلمان ہوگئے تھے، یہ بھی کسی بڑے مضبوط خاندان سے نہیں تھے؛ اس لیے ان پر، اور انکے والد اور والدہ پر بھی مکہ کے مشرکین نے ظلم کے پہاڑ ڈھائے، اور کئی بار ان کو اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہوگئے، ایک بار کا ذکر ہے کہ انہیں اتنی تکلیف پہنچائی گئی کہ کلمہ کفر کہنے پر مجبور ہوگئے، جس کی طرف سورۃ النحل آیت:۱۰۶ میں اشارہ بھی ہے۔

یہی سلوک ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی کیا جاتا تھا جو اسی طرح ظلم سہتے سہتے شہید ہوگئے تھے۔ (ابنِ ہشام:۳۵۲/۱)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے والد سنان اصل میں عراق کے علاقہ موصل کے رہنے والے تھے بل کہ وہاں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے، اس علاقہ پر رومیوں نے حملہ کیا جس میں صہیب بن سنان پکڑے گئے، رومی انکو روم لے گئے، وہاں ہی یہ جوان ہوئے، جوان ہونے کے بعد کسی مکی آدمی نے انکو رومیوں سے خرید لیا اور مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے ہاتھوں بیچ دیا، اس نے خرید کر آزاد کر دیا، اسلام کا اعلان ہوتے ہی یہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ ہی مسلمان ہوئے، یہ تھے تو آزاد مگر مکہ میں ان کا کوئی خاندان اور قبیلہ نہیں تھا، اس لیے مکہ کے مشرکین نے ان پر بھی خوب ہاتھ گرم کیے، یہ کئی بار بیہوش ہوکر گرے؛ لیکن مشرک مار سے باز نہ آئے، انہوں نے جب مدینہ منورہ کی ہجرت کا ارادہ فرمایا، تو مشرکین نے انہیں راستے میں گھیر لیا انہوں نے بھی ترکش سنبھال لیا اور کہا تمہیں میری تیراندازی یاد ہے، جب تک ایک بھی تیر باقی رہے گا کسی کو پاس نہیں آنے دوں گا، اور تیر ختم ہوگئے تو تلوار سے مقابلہ کروں گا، اس پر مشرکین نے ان سے ایک معاملہ کیا کہ اگر آپ اپنا سب کچھ یہاں تک کہ کپڑے بھی ہمیں دے دیں، تو ہم آپ کو چھوڑ دیں گے، انہوں نے یہ بات منظور کر لی، پھر جس وقت مدینہ منورہ پہونچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساری بات سنائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رَبِـــــحَ

صُهَیْبٌ ، رَبِحَ صُهَیْبٌ ،صہیب نے بڑا نفع کمایا ہے،اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی اورانھیں رضائے الٰہی نصیب ہونے کی خوشخبری سنائی گئی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾

ترجمہ:اورلوگوں میں وہ شخص بھی ہے، جواللہ کی خوشنودی کی خاطر جان کا سودا کرلیتا ہے،اور اللہ ایسے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔(البقرہ:۲۰۷) (صورمن حیاۃ الصحابہ ۱۹۸)

ابوفکیہہ رومی رضی اللہ عنہ کی مشقتیں

حضرت ابوفکیہہؓ کا اصل نام یسارؓ ہے،صفوان بن امیہ کے غلام تھے،حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ مسلمان ہوئے تھے،صفوان بن امیہ کو پتا چل گیا،اس نے طرح طرح کی سزائیں دیں،کبھی بیڑیاں ڈال کر دھوپ میں کھڑا کردیتا،اور کبھی بیڑیوں میں رسی ڈال کر آوارہ لڑکوں کو کہتا اس کو گھسیٹو! کبھی ریت پر منہ کے بل لٹا کر اوپر بھاری پتھر رکھ دیتا، ایک بار اتنی زور سے ان کی گردن دبائی کہ انکی آنکھیں باہر آگئیں، اچانک وہاں ایک اور مشرک اُبَی ابن خلف آگیا، وہ ظالم ترس کرنے کے بجائے بولا: ایسے نہیں اور زور سے اس کی گردن دبا،اس ظالم صفوان بن امیہ نے ایسی زور سے گردن دبائی کہ لوگ کہنے لگے:''اب تو یقیناً یہ مرگیا ہوگا'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پتا چلا ، انہوں نے کوشش کر کے خرید لیا، اور پھر آزاد کردیا، اللہ تعالیٰ انہیں ہم سب غلاموں کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ (الاستیعاب:۱۵۷/۴)

حضرت لُبینہ رضی اللہ عنہا کی ہمت

حضرت لُبینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کی باندی تھی، اللہ تعالی نے ایمان کی دولت عطا فرمائی، ان پر آزمائشوں کی بارش شروع ہوگئی، دوسرے لوگ مار مار کے تھک جاتے، تو حضرت عمر مارنا شروع کرتے، پھر مار مار کر تھک کے بیٹھ جاتے اور کہتے میں تجھ پر رحم کرکے نہیں

بیٹھا بلکہ تھک کر آرام کرنے بیٹھا ہوں، وہ بہت ہمت سے فرماتی تھیں کوئی بات نہیں، اگر آپ ایمان نہیں لائے تو اللہ ضرور اس کا بدلہ لے گا۔ (سیر الصحابہ: ۱/۷۹)

حضرت زنیرہؓ کی مار پیٹ میں روشنی کا جانا اور پھر آنا

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کی باندی تھیں، ان کو بھی اسلام کی یہ روشنی نصیب ہوئی، لیکن اندھیرے کے پجاری مشرک برداشت نہ کر سکے اور سارے گھر والوں نے اپنا غصہ اور اپنی طاقت کو ان پر خوب آزمایا، ایک دفع تو ایسی مار ماری کہ ان کی دونوں آنکھوں کی روشنی ہی چلی گئی اس پر مشرک کہنے لگے تجھے لات، عزی اور باقی بتوں کی بددعا لگی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ لات اور عزی کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی پوجا کون کون کر رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اگر وہ چاہے گا تو دوبارہ لوٹا دے گا، پھر یہی ہوا، ایک رات وہ سو کر جب صبح اٹھیں، تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان کی دونوں آنکھوں میں روشنی واپس آ چکی تھی، مشرک اس کو دیکھ کر حیران تو ہوئے مگر ایمان نہیں لائے۔ (زرقانی: ۱/۲۶۹)

حضرت نہدیہؓ اور حضرت ام عبیسؓ پر مصیبتوں کے پہاڑ

یہ دونوں بھی باندیاں تھیں، جسم انکے بھی بیشک غلامی میں تھے مگر دل و دماغ آزاد تھے، روح زندہ تھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی تھی، مکہ میں ایمان کی آواز بلند ہوئی تو کچھ غور و فکر کرنے کے بعد ان کو بھی یہ سعادت نصیب ہوگئی، پھر جو کچھ باقی ایمان والوں کے ساتھ ہو رہا تھا وہی سب ان کے ساتھ بھی ہوا، بس اور لوگوں میں، اور ان میں، اتنا فرق تھا کہ باقی غلاموں اور باندیوں کی طرح ان کا بھی کوئی پوچھنے والا نہیں تھا؛ اس لیے مشرک بے غم ہو کے جتنا ظلم کر سکتے تھے، کرتے تھے، یہ مار کھا کھا کر بھی اسلام پر مطمئن تھیں اور ایمان لانے کے فیصلے پر خوش تھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ سب سے پہلی فضیلت ہے، کہ ان کے صدقے ان سارے

مظلوموں اور کمزوروں کو ظلم کی چکی کے پاٹ سے نجات ملی ۔ انہوں نے حضرت بلالؓ، حضرت عامر ابن فہیرہؓ، حضرت لبینہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت نہدیہؓ اور حضرت ام عبیسؓ وغیرہ کو بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدا اور پھر آزاد کر دیا، کئی سارے مفسرین کرام کا خیال ہے کہ سورہ لیل کی یہ آیتیں اسی موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں، آپ بھی پڑھتے چلیئے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى ☆الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ☆ وَمَالِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰىٓ ☆ اِلَّاابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى☆ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ☆

ترجمہ: اس (جہنم کی آگ) سے ایسے پرہیزگار شخص کو دور رکھا جائے گا۔ جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے (اللہ کے راستے) میں دیتا ہے۔ حالانکہ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ دیا جاتا۔ البتہ وہ صرف اپنے اس پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہے جس کی شان سب سے اونچی ہے۔ یقین رکھو ایسا شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔ (اللیل: ۱۷ تا ۲۱)

(البدایہ والنہایہ: ۵۸/۳)

مکہ پاک میں ناپاک مشرک آئے کہاں سے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرکوں اور کافروں نے ظلم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اور صحابہ کرام بھی صبر و استقامت اور ہمت و برداشت کے ایسے پہاڑ بن گئے تھے کہ کوئی ایک بھی قصہ تاریخ میں ایسا نہیں آسکا کہ مار پیٹ، اور مصیبتوں، پریشانیوں کی وجہ سے کسی ایک ایمان والے کے ایمان میں بھی دراڑ آگئی ہو، آگ کے انگارے ان کی چربیوں سے بجھ تو گئے، لیکن ایمان کے دیے کو بجھاتے کیا! پھونک مارنے کی بھی کوئی سوچ نہ سکا! یہ سب کچھ صحیح ہے؛ لیکن یہاں ایک بڑا سوال پیدا ہوتا ہے جو مکہ کی تاریخ جاننے والے اور تاریخ پڑھنے والے ہر آدمی کے دل میں ضرور انگڑائی لیتا ہوگا!

وہ سوال یہ ہے کہ مکہ کے لوگ تو موحد اعظم سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے،

اونچی شان والے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کے لوگ تھے، کچھ دوسرے قبیلے بھی دائیں بائیں سے آئے، لیکن وہ بھی ان کے رشتے دار بن گئے اور ان ہی میں گھل مل گئے تھے، اور کئی سالوں سے مکہ میں حکومت بھی انہی قریشیوں کی تھی، پھر ان میں یہ شرک کہاں سے آ گیا؟ نبیوں کی اولاد اتنی بگڑ گئی کہ کفر وشرک تک پہونچ گئی؟ ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟ اس کا جواب ہمیں ادھر ادھر دائیں بائیں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ خود قرآن پاک نے اس کا تفصیل کے ساتھ جگہ جگہ جواب دیا ہے، جس کا خلاصہ اور نچوڑ بارھویں صدی کے بہت بڑے اور مشہور عالم، مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' اور ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں پیش کیا ہے، ہم بھی اسی کے مطابق ایک جھلک دکھانے کی کوشش کریں گے۔

مکہ کے لوگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں سے تھے، بہت ہی کم وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے منکر تھے، ورنہ زیادہ لوگ وہ تھے جو اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا اقرار بھی کرتے تھے؛ بلکہ وہ تو اس بات کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ بڑے بڑے سارے کام صرف اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے انجام دیتے ہیں، خود قرآن کریم اعلان کرتا ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ☆

ترجمہ: اور اگر تم ان سے پوچھو! ''کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تو وہ ضرور یہی کہیں گے: ''کہ اللہ نے'' ان سے کہو: ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرلے تو، کیا یہ اس کے پہنچائے ہوئے نقصان کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ مجھ پر مہربانی فرمانا چاہے، تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ کہو کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، بھروسہ رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (الزمر: ۳۸)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ☆

ترجمہ:اوراگرتم ان سے پوچھوکہ:''کون ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو پیدا کیا،اورسورج اور چاندکوکام پرلگایا؟''تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ:''اللہ نے''! پھرآخر یہ لوگ کہاں سے اوندھے پڑتے ہیں۔ (العنکبوت:۶۱)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَايَعْقِلُوْنَ☆

ترجمہ: اوراگرتم ان سے پوچھوکہ:''کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھراس کے ذریعہ،زمین کے مردہ ہونے کے بعد،اسے زندگی بخشی تو وہ ضرور کہیں گے کہ''اللہ'' کہو:''الحمدللہ'' لیکن ان میں سے اکثرلوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (العنکبوت:۶۳)

بلکہ سورہ یونس میں اس سے بھی آگے کی بات تسلیم کرنے کوخودقرآن پاک بیان کررہا ہے غور کیجیے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَاتَتَّقُوْنَ ☆

ترجمہ:-(اے پیغمبر!) آپ ان مشرکین سے کہئے: کون ہے جوتمہیں آسمان اورزمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا بھلا کون ہے جو سننے اور دیکھنے کی قوتوں کا مالک ہے؟ اورکون ہے جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے باہر نکال لاتا ہے؟ اورکون ہے جو ہرکام کا انتظام کرتا ہے؟ تو یہ لوگ کہیں گے کہ''اللہ''توتم ان سے کہوکہ: کیا پھربھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ (یونس:۳۱)

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ☆

ترجمہ:- پھر(اے لوگو!) وہی اللہ ہے جوتمہارا مالکِ برحق ہے۔ پھرحق واضح ہوجانے کے

بعد گمراہی کے سوااور کیاباقی رہ گیا؟اس کے باوجود تمہیں کوئی کہاں اُلٹا لئے جارہا ہے۔

(یونس:۳۲)

بلکہ آپ حیران ہوجائیں گے کہ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے خدا بس چھوٹے چھوٹے کام سفارش کر کے کرواسکتے ہیں، بڑے بڑے کاموں،اور بڑی بڑی مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی دوسرا بالکل کام نہیں آ سکتا،قرآن کریم نے یہ مضمون کئی جگہوں پر بیان کیا ہے کہ ان کے عجیب قسم کے عقیدے ہیں،مثلاً: اگر ان کی کشتی سمندر میں ہوتی ہے اور سمندر میں طوفان آجاتا ہے تو اس وقت کشتیاں چلانے والا''ملاح'' بھی اعلان کرتا ہے: اب تمہیں ان مصیبتوں سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں بچا سکتا۔پھر سارے،شرک کو چھوڑ کر، ہر ایک سے الگ ہوکر،ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کے آگے جھولی پھیلا کر دعا کرتے اور وعدہ بھی کرتے کہ آج اگر ہم بچ گئے اور کنارے لگ گئے،تو ضرور ہم اپنے مالک کے شکرگزار بندے بن جائیں گے؛لیکن جس وقت کشتی کنارے لگتی،تو پھر اسی شرک کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں، دوتین آیتیں اس مضمون کی بھی دیکھ لیں:

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰاكِرِيْنَ ☆

ترجمہ:۔کہو:''خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اس وقت کون تمہیں نجات دیتا ہے جب تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو۔(اور) یہ کہتے ہو کہ اگر اس نے ہمیں اس مصیبت سے بچالیا تو ضرور بالضرور شکرگزار بندوں میں شامل ہوجائیں گے۔ (الانعام:۶۳)

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ☆

ترجمہ: آپ فرمادیجیے اللہ تعالیٰ ہی تم کو اس سے نجات دیتا ہے،اور ہر ایک مصیبت سے، پھر بھی تم شرک کرنے لگ جاتے ہو؟ (الانعام:۶۴)

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ

بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ☆

ترجمہ: وہ اللہ ہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور یہ کشتیاں لوگوں کو لے کر خوشگوار ہوا کے ساتھ پانی پر چلتی ہیں، اور لوگ اس بات میں مگن ہوتے ہیں کہ اچانک ان کے پاس ایک آندھی آتی ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے گھر گئے، تو اس وقت وہ خلوص کے ساتھ صرف اللہ پر اعتقاد کر کے صرف اسی کو پکارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ) ''یا اللہ!'' اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدی تو ہم ضرور بالضرور شکرگزار لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

(یونس:۲۲)

فَلَمَّا اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ☆

ترجمہ: لیکن جب اللہ انہیں نجات دیدیتا ہے تو زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ ارے لوگو! تمہاری یہ سرکشی خود تمہارے خلاف پڑ رہی ہے۔ اب تو دنیاوی زندگی کے مزے اڑالو، آخر کو ہمارے پاس ہی تمہیں لوٹ کے آنا ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ (یونس:۲۳)

خیر اس قسم کی سوچ پر تو حدیث پاک میں ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہؓ کا بہت مشہور واقعہ بھی ہے، جو ان کے ایمان کا ذریعہ بھی بنا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، اس وقت کچھ لوگ گھروں میں چھپ گئے اور کچھ نے ہتھیار ڈال کے صلح کر لی، لیکن مجھے اپنی پچھلی زندگی کے کام یاد تھے؛ اس لیے میں نے عرب سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا، سمندر کے کنارے بندرگاہ پر پہونچا، یمن جانے والا جہاز تیار تھا، میں بھی اس پر سوار

ہو گیا، لیکن بیچ میں پہونچ کر جہاز طوفان کی لہروں کے گھیرے میں آ گیا، جہاز کے ملاح نے وہی پرانا مشہور اعلان کیا کہ اب یہاں اپنے سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کے سامنے دعا کرو اللہ کے سوا ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا، یہ بات میرے دل پر بجلی بن کے گری، کہ اگر ہمارے باطل معبود یہاں کام نہیں آتے تو پھر اور کہاں کام آئیں گے؟ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اگر آج بچ گیا تو ضرور اسلام قبول کروں گا؛ کیوں کہ یہی تو وہ چیز ہے جس کی طرف ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلا رہے ہیں''۔ خدا کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ ملاح نے جہاز کو واپس بندرگاہ لے جانے کا فیصلہ کرلیا، جو پروردگار کے کرم سے واپس کنارے آلگا، جہاں میری بیوی میرے لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امن کا پروانہ لیے کھڑی تھیں، میں اس کے ساتھ واپس مکہ آ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے ایمان نصیب فرمادیا۔ رضی اللہ عنہ (ابوداؤد)

جھگڑے کی اصل وجہ

خلاصۂ بحث یہ کہ ابراہیمی ملت اور مذہب کا، اصل توحید والا عقیدہ، کسی نہ کسی رنگ میں اب بھی ان کے پاس موجود تھا، لیکن اصل سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ پھر کفر و شرک کا خیال کیسے اور کہاں سے آیا؟ اس کے جواب میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حدیث اور تاریخ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے کوئی تین سو سال پہلے مکہ مکرمہ میں عمرو ابن لحی نام کا ایک لعنتی اور بد بخت انسان پیدا ہو گیا تھا، وہ دنیا میں چلتا پھرتا رہتا تھا، اس نے کسی ملک میں بتوں کی پوجا ہوتی دیکھ لی، جو اس کو بہت اچھی لگی، اس نے وہاں سے کچھ بت اور مورتیاں ساتھ لے لیں، پھر وہ مورتیاں مکہ کے لوگوں کو دکھائیں، اور یہ کہہ کر شرک کی دعوت دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بلند شان والے ہیں، ہم بغیر کسی واسطے کے ان کی بارگاہ میں کیسے پہونچ سکیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کی مورتیاں ہیں، ہم ان کی پوجا کریں گے یعنی ان مورتیوں کو سامنے رکھ کر اصل مورتی والوں کی پوجا کریں گے، وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر

کے ہمارے کام بنا دیں گے۔

اس طرح مکہ میں شرک کا یہ سلسلہ شروع ہوگیا، پھر ہر ایک نے اپنی جان پہچان والے بزرگوں کی اور دوسری ہستیوں کی مورتیاں بنالیں، اور سفارش اور تقرب کے اس عقیدے پر پوجا شروع ہوگئی۔

بخاری شریف: ۴۸۵۹ میں لات نامی ایک مشہور بت کے بارے میں یہ تفصیل آئی ہے، کہ یہ کوئی نیک آدمی تھا جو حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کو پانی میں ستو ڈال کر کھلایا کرتا تھا، اس طرح ستو گھولنے والے کو عربی میں لات کہا جاتا ہے، **فَإِنَّهُ يَلُتُّ السَّوِيقَ** ۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی بھی مورتی بنائی گئی، اور جب ایک بار یہ سلسلہ شروع ہوگیا تو پھر یہ مورتیاں بڑھتی بڑھتی اتنی ہوگئیں کہ خاص خانہ کعبہ میں بھی ۳۶۰ مورتیاں رکھ دی تھیں؛ بلکہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مورتیاں خانہ کعبہ کے اردگرد بھی رکھی ہوئی تھیں، اور وہ طواف کرتے ہوئے ان کی بھی پوجا کیا کرتے تھے۔

قرآن پاک نے ان کے اس عقیدے کو اس طرح بیان کیا ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ...... ☆

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان (من گھڑت خداؤں) کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو، کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ ہی ان کو، کوئی فائدہ دے سکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ (یونس: ۱۸)

ایک دوسری جگہ انہی کے الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ☆

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اس (اللہ) کے بجائے دوسرے رکھوالے بنا لیے ہیں (یہ کہہ کر کہ:) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔ ان کے درمیان اللہ

ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ اس شخص کو راہ راست پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، کفر پر جما ہوا ہو۔ (الزمر:۳)

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ☆

ترجمہ: اور جب کبھی تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل بیزار ہو جاتے ہیں، اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ خوشی سے کھلکھلا اٹھتے ہیں۔ (الزمر:۴۵)

عبادت اور اعمال میں بھی نئی نئی بدعتیں

اسی طرح عبادات اور اعمال میں بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بتائے ہوئے سچے اور مقدس طریقہ کا کچھ سایہ سا باقی رہ گیا تھا، ان میں بھی مشرکین نے عجیب طریقہ سے بدعتیں نکال لیں تھیں، مثال کے طور پر: عرب کے کچھ قبیلوں نے ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف شروع کر لیا تھا، اس کے پیچھے بھی مکہ کے مشرکین کی یہ شرارت تھی کہ تم گاؤں کے لوگ گنہگار ہو، پھر جن کپڑوں کو تم پہن کر گناہ کرتے ہو ان کو لگا کر اللہ کے گھر کا طواف کیسے کر سکتے ہو؟ اس لیے تم ہم سے کپڑے لے لیا کرو؛ کیوں کہ ہم بزرگوں کی اولاد ہیں۔ پھر ایک زمانہ بعد مکہ کے لوگوں نے کپڑوں پر کرایہ طے کر دیا، جس پر لوگوں نے ننگے ہو کر طواف کرنا شروع کر لیا۔

قرآن پاک نے اس کے بارے میں فرمایا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ☆

ترجمہ: کہو کہ: ''آخر وہ کون ہے جس نے زینت کے اس سامان کوحرام قرار دیا، جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے، اور (اسی طرح) پاکیزہ رزق کی چیزوں کو؟'' کہو کہ: ''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، ان کو یہ نعمتیں جو دنیوی زندگی میں ملی ہوئی ہیں، قیامت کے دن خالص انہی کے لیے ہوں گی''۔ اسی طرح ہم تمام آیتیں ان تمام لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم سے کام لیں۔ (الاعراف:۳۲)

اسی طرح مکہ کے لوگ حج اور عمرہ بھی کیا کرتے تھے، لیکن حج والے دن باقی سب لوگ عرفات جا کے توبہ تائب ہوتے تھے، لیکن یہ عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ میں ہی کچھ دیر بیٹھ کر واپس آجاتے تھے، کہتے تھے کہ ہم کو توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، ہم تو ہیں ہی بخشے بخشائے، قرآن پاک نے اس بے وقوفانہ خیال کو سدھارتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّا سُ وَاسْتَغْفِرُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: تم اسی جگہ سے ہو کر آؤ، جہاں سے عام لوگ ہو کر آتے ہیں۔ اور اللہ سے مغفرت مانگو بیشک اللہ بہت بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے۔ (البقرہ:۱۹۹)

اور منی میں تین دن اللہ تعالیٰ کا ذکر چھوڑ کر صرف باپ دادا کی صفتیں اور ان کی بڑائی بیان کرنے اور مشاعرہ کرنے کو ہی عبادت سمجھتے تھے، اس کے بارے میں قرآن پاک نے مومنوں کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَذِكْرِ كُمْ اٰبَاءَ كُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا☆

ترجمہ: پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اسی طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو''۔ (البقرۃ:۲۰۰)

اسی طرح اپنے مال و دولت، غلہ، اناج اور دوسری چیزوں میں سے خیرات بھی نکالتے تھے جس کو ہم زکوۃ بھی کہہ سکتے ہیں؛ لیکن اس میں یہ طریقہ نکال لیا تھا کہ اپنی ساری آمدنی میں سے جو خیرات کرنی ہوتی تھی، اس کو دو حصوں میں بانٹ لیتے تھے، پھر ایک حصہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام

پر غریب، یتیم وغیرہ کو دے دیتے تھے لیکن ایک حصہ غیر اللہ کے نام پر مذہبی لوگوں کو (جو مذہب کے نام پر ہی پلتے تھے) دیتے تھے، لیکن جتنا غیر اللہ سے ڈرتے تھے اتنا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تھے۔اس بے ہودہ خیال اور عقیدے کو بیان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْباً فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ☆

ترجمہ: اور اللہ نے جو کھیتیاں اور چوپائے پیدا کئے ہیں، ان لوگوں نے ان میں سے اللہ کا بس ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ چنانچہ خود اپنے گمان سے یہ کہتے ہیں یہ حصہ تو اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے جن کو ہم خدائی میں اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ پھر جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے، تو وہ کبھی اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے گھڑے ہوئے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔ ایسی بری بری باتیں ہیں جو انہوں نے طے کر رکھی ہیں! (الانعام:۱۳۶)

اسی طرح نماز کا نام تو ابھی ان کو یاد تھا لیکن نماز کی حقیقت بالکل ہی بھول گئے تھے۔ بیت اللہ شریف کے پاس بس سیٹیاں اور تالیاں مارنے کو ہی وہ نماز پڑھنا سمجھتے تھے، قرآن پاک نے بیان فرمایا:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً فَذُوْقُوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ☆

ترجمہ: اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے، اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں لہذا (اے کافرو!) جو کافرانہ باتیں تم کرتے رہے ہو، ان کی وجہ سے اب عذاب کا مزہ چکھو!

(الانفال۳۵)

بس کچھ اسی طرح کا حال باقی عبادتوں کا بھی ہو گیا تھا، حالانکہ وہ آج بھی اپنے آپکو پکا موحد (توحیدی) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر چلنے والا حنیف یا حنفاء کہتے تھے۔

جبکہ مسلمانوں کواور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بزرگوں کے راستے سے ہٹا ہوا، اور بزرگوں کے مخالف خیال کرتے تھے۔ خاص کر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو چھوڑنے والا مانتے تھے، قرآن پاک نے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ☆

ترجمہ: اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے انحراف کرے؟ سوائے اس شخص کے جو خود اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کر چکا ہو، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں انہیں اپنے لیے چن لیا تھا، اور آخرت میں ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔ (البقرہ:۱۳۰)

پھر ابراہیم علیہ السلام کا اصلی دین بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ☆

ترجمہ: جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا: ”سرِ تسلیم خم کرو! تو وہ فوراً بولے:“ ”میں نے رب العالمین کے حکم کے آگے سر جھکا لیا“۔ (البقرۃ:۱۳۱)

قرآن پاک کا خالص اور صاف توحید کا اعلان

یہ مشرکینِ مکہ کے عقائد واعمال کی ذرا سی ایک جھلک ہے جن کا ذکر خود پروردگارِ عالم نے اپنی سچی اور مقدس کتاب میں کیا ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس قسم کے شرک اور کفر میں پھنسے ہوئے تھے، ورنہ وہ مسلمانوں سے اس لئے ناراض نہیں تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہیں؛ بلکہ اسلئے ناراض تھے کہ یہ صرف ایک اکیلے اللہ کی عبادت کیوں کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان مورتیوں اور ہستیوں کو کیوں نہیں مانتے جن کو ہم مانتے ہیں، اور انہوں نے کئی کئی بار یہ مطالبہ بھی رکھا تھا کہ کچھ آپ ہمارے معبودوں کو مان لیں، اور کچھ ہم آپکے معبود کو مان لیتے ہیں، اس طرح لڑائی جھگڑا ختم ہوجائے گا؛ لیکن اسلام تو وہ تعلیم لے کر آیا ہے جس میں ”لا“

پہلے اور ''الا اللہ'' بعد میں ہے، یعنی کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، پھر شرک پر صلح کیسے ہوسکتی تھی؟ اسی کے جواب میں قرآن پاک نے فرمایا:

قُلْ یٰٓا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ☆ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ☆ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ☆ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ☆ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ☆ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ☆

ترجمہ: تم کہہ دو کہ: ''اے حق کا انکار کرنے والو! میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو؛ اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں؛ اور نہ میں آئندہ ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو؛ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں؛ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

(الکافرون)

اور فرمایا:

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ ☆

ترجمہ: کہہ دو کہ: ''کیا پھر بھی اے جاہلو! تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔ (الزمر:۶۴)

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ☆

ترجمہ: اور یہ حقیقت ہے کہ تم سے اور تم سے پہلے کے تمام پیغمبروں سے وحی کے ذریعہ یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہوجائے گا، اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوجاؤ گے۔ (الزمر:۶۵)

قرآن پاک کیوں نازل ہوا اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ☆ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ☆

ترجمہ: اے پیغمبر! بیشک یہ کتاب ہم نے تم پر برحق نازل کی ہے، اس لیے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اسی کے لیے ہو۔ (الزمر:۳)

اور کہیں فرمایا:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ☆ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ☆ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ☆ قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ ☆ فَاعْبُدُوْا مَاشِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَاَھْلِیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَلَا ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ☆

ترجمہ: کہہ دو کہ ''مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ میری بندگی خالص اسی کے لیے ہو۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار بنوں۔ کہہ دو کہ'' اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ کہہ دو کہ'' میں تو اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بندگی صرف اسی کے لیے خالص کرلی ہے۔ اب تم اسے چھوڑ کر جس کی چاہو عبادت کرو۔ کہہ دو کہ'' گھاٹے کا سودا کرنے والے تو وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں سب کو ہرا بیٹھیں گے یاد رکھو! کہ کھلا ہوا گھاٹا یہی ہے۔ (الزمر:۱۱تا۱۵)

اور سورہ یونس میں فرمایا:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ☆ وَاَنْ اَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا وَلَاتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ☆ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ☆

ترجمہ: اے میرے پیغمبر ان سے کہہ دو: ''اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو تو (سن لو کہ) تم اللہ کے سوا جن جن کی عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں

کرتا، بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مؤمنوں میں شامل رہوں۔ اور (مجھ سے) یہ (کہا گیا ہے) کہ: ''اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ اس دین کی طرف قائم رکھنا، اور ہرگز ان لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مانتے ہیں''۔ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسے (من گھڑت معبود) کو مت پکارنا جو تمہیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نقصان۔ پھر بھی اگر تم (بفرضِ محال) ایسا کر بیٹھے تو تمہارا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۔ (یونس:۱۰۴تا۱۰۶)

پھر دنیا کے کاموں میں ان کی مورتیوں اور دوسری ہستیوں کی سفارش کے عقیدے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ قُلۡ اَوَلَوۡ كَانُوۡا لَايَمۡلِكُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَعۡقِلُوۡنَ ☆ قُلۡ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيۡعًا لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ☆

ترجمہ: بھلا کیا ان لوگوں نے اللہ (کی اجازت) کے بغیر کچھ سفارشی گھڑ رکھے ہیں؟ (ان سے) کہو کہ: ''چاہے یہ نہ کوئی اختیار رکھتے ہوں، نہ کچھ سمجھتے ہوں (پھر بھی تم انہیں سفارشی مانتے رہو گے؟)'' کہو کہ سفارش تو ساری کی ساری اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ (الزمر:۴۳،۴۴)

ان گزری ہوئی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر بات اوروں کو کہی تھی، یہی بات سورہ مومن میں سارے انسانوں کو مخاطب کر کے فرما اس طرح فرمائی:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِيۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِيۡ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيۡنَ☆

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے کہا کہ: ''مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بیشک جو لوگ تکبر کی وجہ سے میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ (المومن:۶۰)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ☆

اور وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر کہاں سے کوئی چیز تمہیں اوندھا چلا دیتی ہے؟ (المومن:٦٢)

هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ☆

وہی تو زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو تم اسی کو پکارو عبادت کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

(المومن:٦٥)

مشرک اللہ تعالیٰ کے در کو چھوڑ کر جو ان کا مالک وخالق ہے کیوں اوروں کے در پر آتے ہیں؟ ان کو کیوں پکارتے ہیں؟ کیوں ان کے آگے دعا کرتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں؟ اس سوچ پر رد کرتے ہوئے قرآن کریم ان کی نفسیاتی کمزوریوں کو بیان کرتا ہے: کہ تم بس اسی لیے شرک کرتے ہو کہ یہ غیر اللہ تمہیں کچھ فائدہ دیں گے، یا کسی بڑی مصیبت اور پریشانی سے بچالیں گے، سنو! جاہلو! جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ دینا چاہے اس سے کون اللہ کا فضل چھین سکتا ہے؟ اور جس کو وہ پریشانیوں اور مصیبتوں میں ڈالنا چاہے، پوری دنیا میں کوئی ہستی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اس کو مصیبتوں سے نکال سکے!! اس انداز کی بھی دو آیتیں پڑھتے چلیں:

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ☆

ترجمہ: اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا دے، تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اسے دور کر دے، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرلے تو کوئی نہیں جو اس کے فضل کا رخ پھیر دے، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔ اور وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

(یونس:١٠٦)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ

لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوۡٓءُ اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ☆

ترجمہ: کہو کہ: ''جب تک اللہ نہ چاہے، میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کر لیتا، اور مجھے کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی، میں تو بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔ (اعراف:۱۸۸)

اَيُشۡرِكُوۡنَ مَالَا يَخۡلُقُ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ☆

ترجمہ: کیا وہ ایسی چیز کو (اللہ کے ساتھ خدائی میں) شریک مانتے ہیں، جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود ان کو پیدا کیا جاتا ہے۔ (الاعراف:۱۹۱)

وَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ لَهُمۡ نَصۡرًا وَّلَا اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ☆

ترجمہ: اور جو نہ لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد کرتے ہیں۔ (الاعراف:۱۹۲)

وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَايَتَّبِعُوۡكُمۡ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ☆

ترجمہ: اور اگر تم انہیں کسی صحیح راستے کی طرف دعوت دو تو وہ تمہاری بات نہ مانیں، (بلکہ) تم انہیں پکارو یا خاموش رہو ان کے لیے دونوں باتیں برابر ہیں۔ (الاعراف:۱۹۳)

اِنَّ الَّـذِيۡـنَ تَـدۡعُـوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡالَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ☆

ترجمہ: یقین جانو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو، وہ سب تمہاری طرح اللہ کے بندے ہیں، اب ان سے ذرا دعا مانگو، پھر اگر تم سچے ہو تو انہیں تمہاری دعاء قبول کرنی چاہیے۔

(الاعراف:۱۹۴)

انسانی رسول پر اعتراض

دو مسئلے اور تھے جن پر مشرک بہت حیران تھے: ایک تو شیطان نے ان کے دماغ میں یہ عجیب

بات ڈال دی تھی کہ کوئی انسان، انسان ہوتے ہوئے، یعنی کھاتے، پیتے، کاروبار کرتے، شادی بیاہ کرتے ہوئے رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ رسول تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے، جو نہ کھاتا پیتا ہو، اور نہ شادی بیاہ کرتا ہو، نہ کاروبار کرتا ہو، بس بزرگ بن کر لوگوں کے اچھے بھلے کے لیے دعا کرتا رہتا ہو

قرآن کریم نے ان کے اس اعتراض کو اس طرح بیان کیا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلُ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا☆

ترجمہ: (اور یہ کہتے ہیں کہ: ''یہ کیسا رسول ہے، جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟

(الفرقان:۷)

وَمَامَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْجَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ☆

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کے پاس ہدایت کا پیغام آیا تو ان کو ایمان لانے سے اسی بات نے تو روکا کہ وہ کہتے تھے: ''کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟''۔ (بنی اسرائیل:۹۴)

قرآن کریم نے ان اعتراضات کا جواب اس طرح دیا:

قُلْ لَوْكَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ☆

ترجمہ: کہہ دو کہ: ''اگر زمین میں فرشتے ہی اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے، تو بیشک ہم آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر ان پر اتار دیتے''۔ (بنی اسرائیل:۹۵)

یہ بالکل دل کو چھو جانے والا جواب تھا، جس کو وہ خود بھی تسلیم کرتے تھے کہ حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے بزرگ گزرے تھے، جن کو قریب قریب سارے مکہ کے لوگ انسان ماننے کے باوجود نبی اور رسول بھی

مانتے تھے، اور کئی سارے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہودیوں اور عیسائیوں سے سن سن کے نبی مانتے تھے؛ لیکن ضد کا کہاں کوئی علاج ہے! اس کے باوجود بھی ان کی زبانوں پر ایک ہی بات تھی کہ ان کے بچے بیوی ہیں، یہ کھاتے پیتے ہیں؛ اس لیے یہ رسول نہیں ہوسکتے۔ اور یہ اعتراض صرف حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی نہیں ہوا، بلکہ قرآن کریم کی سچی خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ اعتراض حضرت نوح علیہ السلام پر کیا گیا کہ آپ ایک انسان اور بشر ہیں، آپ رسول کیسے ہوسکتے ہیں؟ دیکھئے! قرآن کریم کی گواہی:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ☆

ترجمہ: اس (دعوت) پر ان کی قوم کے وہ سردار لوگ، جنہوں نے کفر اختیار کرلیا تھا، کہنے لگے کہ: ''ہمیں تو اس سے زیادہ (تم میں) کوئی بات نظر نہیں آرہی ہے کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ صرف وہ لوگ تمہارے پیچھے لگے ہیں جو ہم میں سب سے زیادہ بے حیثیت ہیں، اور وہ بھی سطحی طور پر رائے قائم کر کے۔ اور ہمیں تم میں کوئی ایسی بات بھی دکھائی نہیں دیتی جس کی وجہ سے ہم پر تمہیں کوئی فضیلت حاصل ہو، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو''۔ (ہود: ۲۷)

اس پر حضرت نوح علیہ السلام کا جواب بھی ملاحظہ فرمایئے:

وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَا اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ اَنْفُسِهِمْ اِنِّيْ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ☆

ترجمہ: اور میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ میرے قبضے میں اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کی ساری باتیں جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، اور جن لوگوں کو

تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں، ان کے بارے میں بھی، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا، ان کے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے، اگر میں ان کے بارے میں ایسی بات کہوں، تو میرا شمار یقیناً ظالموں میں سے ہوگا''۔ (ہود:۳۱)

بلکہ ایک مقام پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے یہ بیان ہوا کہ ان سب پر یہی اعتراض کیا گیا: دیکھئے! سورہ ابراہیمؑ:

قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَائُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ☆قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ☆

ترجمہ: انہوں نے کہا: ''تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم ایسے ہی انسان ہو جیسے کہ ہم ہیں، تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے ہیں ان سے ہمیں روک دو، لہٰذا صاف صاف معجزہ لاکر دکھاؤ۔ (ابراہیمؑ:۱۰)

ان سے ان کے پیغمبروں نے کہا: ''ہم واقعی تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے خصوصی احسان فرما دیتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لا دکھائیں، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (ابراہیم:۱۱)

اور ایک مقام پر تو کافروں کے کفر کا سبب ہی اس کو قرار دیا کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے انسان و بشر ہونے پر اعتراض کرنے کی وجہ سے ہی ایمان نہیں لائے تھے، دیکھئے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ☆

ترجمہ: یہ سب اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن دلائل لے کر آئے تھے تو وہ

کہتے تھے کہ:''کیا (ہم جیسے) انسان ہیں جو ہمیں ہدایت دیں گے؟ غرض انہوں نے کفر اختیار کیا، اور منہ موڑا، اور اللہ نے بھی بے نیازی برتی، اور اللہ بالکل بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابل تعریف ہے!۔ (تغابن:۶)

اور اصل بیماری وہی شیطانی وسوسہ تھا کہ کوئی انسان، انسان ہوتے ہوئے نبوت کے مقام پر کس طرح پہنچ سکتا ہے، نبی تو کسی اونچی نوری یعنی فرشتوں والی مخلوق میں سے ہونا چاہئے جو نہ کھاتا ہو، نہ پیتا ہو، نہ بازار جا کر رزقِ حلال کی تلاش کرتا ہو۔ حالانکہ مقامِ نبوت تو انسانیت ہی کے لئے خاص ہے، نوری فرشتے تو اس مقام تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ لیکن وہ انسان وبشر اپنے جیسے نافرمان، گنہگار بلکہ منکرین کو کہہ رہے تھے جبکہ ان کو تو قرآن کریم انسان تسلیم ہی نہیں کر رہا تھا بلکہ حیوانوں سے بدتر کہہ رہا تھا۔ دیکھیے!

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلاً☆

ترجمہ: یہ تو بس چوپائے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ (الفرقان:۴۴)

بلکہ اس سے بھی آگے فرمایا:

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ☆**فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ** ☆

یہ تو گویا جنگلی گدھے ہیں، جو کسی شیر سے (ڈر کر) بھاگ گئے ہوں (المدثر:۵۰،۵۱)

پھر کہاں یہ نافرمان! اور کہاں انبیاءِ کرام! پھر امام الانبیاء ﷺ کی تو بات ہی کیا ہے! وہ تو بس:

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر،، کی شان کے حامل تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ''گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی،، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

میں مسجودِ ملائک ہوں مجھے انسان رہنے دو مجھے فرشتہ کہنے سے میری توہین ہوتی ہے

آخرت کا انکار

آخرت کا انکار دوسرا بڑا مسئلہ تھا، بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ایک تو آخرت ان کے

تصور اور خیال سے بہت اونچی بات تھی، دوسرے اس بارے میں گزشتہ انبیاء کے تفصیلی بیان بھی ان کے پاس نہیں تھے؛ اس لیے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ انسان جس وقت مر کے مٹی ہو جائے گا اور ہڈیاں بھی گل جائیں گی، پھر وہ قیامت کے دن کیسے دوبارہ پیدا ہوں گے؟ اور کیسے اپنے مالک کے سامنے زندگی کا حساب دینے کے لیے کھڑے ہوں گے؟ اس لحاظ سے کچھ لوگ تو بالکل ہی دہریہ قسم کے تھے جو کہتے تھے کہ بس زمانے کی مشکلیں اور آسانیاں، نیز حالات کی الٹ پھیر ہی زندگی اور موت کا باعث ہیں، ان کی اس سوچ کو قرآن کریم اس طرح بیان کرتا ہے:

وَمَایُهۡلِكُنَا اِلَّا الدَّهۡرُ.

ترجمہ: ہم کو تو بس زمانہ ہی مارتا ہے۔ (الجاثیہ:۲۴)

بلکہ ایک بڑا ظالم کافر ایک مرتبہ بہت پرانے مردہ کی ہڈیاں کہیں سے لے آیا اور ہڈیوں کو اپنے ہاتھ میں مسل مسل کر ان کی گردھ بنا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھوک کر (نعوذ باللہ) کہنے لگا: ''کون ان ہڈیوں کو زندہ کر سکے گا؟''۔

عجیب بات ہے ایک طرف وہ اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق اور زمین وآسمان، چاند ستاروں کا پیدا کرنے والا خالق مانتے تھے؛ لیکن مردہ کو زندہ کرنا یہ مشکل سمجھتے تھے۔

قرآن پاک نے سورہ یسین میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًاوَّنَسِیَ خَلۡقَهٗ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ ☆ قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡٓ اَنۡشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمٍ ☆ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمۡ مِنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَا اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ ☆اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ بَلٰی وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ☆ اِنَّمَا اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ☆

ترجمہ: اور ہمارے بارے میں تو باتیں بناتا ہے اور خود اپنی پیدائش کو بھلا بیٹھا ہے، کہتا ہے کہ: ''ان ہڈیوں کو کون زندگی دے گا جبکہ وہ گل چکی ہوں گی؟''؛ کہہ دو کہ ان کو وہی زندگی دے گا جس

نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ پیدا کرنے کا ہر کام جانتا ہے؛ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کی، پھر تم ذرا سی دیر میں اس سے سلگانے کا کام لیتے ہو؛ بھلا جس ذات نے زمیں اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے، کیا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ ان جیسوں کو دوبارہ پیدا کر دے؟ کیوں نہیں؟ جب کہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی مکمل مہارت رکھتا ہے! اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ: ''ہو جا'' بس وہ ہو جاتی ہے۔

(یٰسٓ: ۷۸تا۸۲)

نیز سورہ واقعہ میں ہے:

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ☆اَوَاٰبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ☆قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ☆لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ☆

ترجمہ: اور کہا کرتے تھے کہ: ''جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے، تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ اور کیا ہمارے پہلے گزرے ہوئے باپ دادوں کو بھی؟ کہہ دو کہ: ''یقیناً سب اگلے اور پچھلے لوگ ایک متعین دن کے طے شدہ وقت پر ضرور اکٹھے کئے جائیں گے''۔ (الواقعہ۴۷تا۵۰)

نیز سورۃ الصافات میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

أَءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ☆اَوَاٰبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ☆قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ☆

ترجمہ: کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اور بھلا کیا ہمارے پچھلے باپ دادوں کو بھی؟ کہہ دو کہ: ''ہاں! اور تم ذلیل بھی ہو گے''۔ (الصافات۱۶تا۱۸)

......☆......

ضد کا کوئی علاج نہیں

ان تمام باتوں کا قرآن کریم اس طرح جواب دے رہا تھا جس سے صرف دماغ ہی نہیں ؛ بلکہ دل بھی مطمئن ہورہے تھے، پھر وہ تھے بھی عربی، اور فصیح عربی جاننے والے ؛اس لیے قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت اور بہتی ہوئی دریائی لہروں کی طرح قرآن کی روانگی ایسی چیز تھی، جس کی طرف ان کے دل جھکتے ہی چلے جاتے تھے، اوران شاء اللہ آگے وہ قصے بھی آئیں گے کہ قرآن پاک ایک بارسن لینے کے بعد وہ اپنے آپ کو قرآن سننے سے دور رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے، پھر وہ چوری چوری چھپ چھپ کر قرآن کریم سنتے تھے، لیکن ضد، نفرت اور خودغرضی ایسی تھی کہ تب بھی قرآن کریم کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے، اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔قرآن کریم نے یہ مضمون اس طرح بیان کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ☆

ترجمہ: اوران لوگوں نے کہا جو کافر ہیں کہ: ”تم اس قرآن کو مت سنو! اوراس میں شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ“۔ (حم السجدہ:۲۶)

کچھ تو اتنے ضدی تھے کہ جب ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے خدایا! جو ہمارے حصے کا عذاب ہے تو وہ ہمیں یہیں دنیا میں ہی دےدے:

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ☆

ترجمہ: اورانہوں نے کہا: ”خدایا! تو ہمیں حساب کے دن سے پہلے ہی ہمارے حساب کا دےدے۔ (ص:۱۶)

کچھ تو حدوں کو ہی پار کرگئے، وہ کہنے لگے اے خدا! اگر حقیقت میں ہی یہ دین سچا ہے تو آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش برسادے؛ تاکہ ہم بھی جان جائیں کہ واقعی یہ دین سچا ہے۔

اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا

بِعَذَابٍ عَلِيمٍ ☆

ترجمہ: اگر یہ قرآن تیری طرف سے واقعتاً ہی برحق ہے، تو تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے، یا پھر ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ ! (الانفال ۳۲)

کچھ نے بہت ہی بے ہودہ اور نفرت بھرا مطالبہ کیا کہ اگر آپ خدا کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیج کر آپ کی تصدیق کیوں نہیں کروا دیتا! مردے زندہ ہو کر کیوں آپ کی تصدیق نہیں کرتے؟ مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کیوں باغ نہیں بنا دیتا؟ اور آخری بات یہ کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے سامنے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم سب کے لیے ایک ایک خط لے کر آ جاؤ جس میں ہمارے نام کے ساتھ یہ لکھا ہوا ہو کہ یہ میرا نبی ہے، آپ ان پر ایمان لے آؤ!

قرآن کریم فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ☆

ترجمہ: اور اگر بالفرض ہم ان کے پاس فرشتے بھیج دیتے، اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے، اور (ان کی مانگی ہوئی ہر چیز) ہم کھلی آنکھوں ان کے سامنے رکھ دیتے، تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، الا یہ کہ اللہ ہی چاہتا (کہ انہیں زبردستی ایمان پر مجبور کر دیتا، مگر ایسا ایمان نہ مطلوب ہے نہ معتبر) لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ (الانعام:۱۱۱)

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا☆اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا☆اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا☆اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ☆

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ: ''ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تم زمین کو پھاڑ کر ہمارے لیے چشمے نہ نکال دو؛ یا پھر تمہارے لیے کھجور اور انگور کا ایک باغ پیدا ہو جائے، اور تم اس کے بیچ بیچ میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کر دو؛ یا جیسے تم دعوے کرتے ہو، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے ہم پر گرا دو، یا پھر اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ۔ یا پھر تمہارے لیے ایک سونے کا گھر ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر ایسی کتاب نازل نہ کر دو جسے ہم پڑھ سکیں''۔ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ''سبحان اللہ! میں تو ایک بشر ہوں، جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں''۔

(بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳)

حج کا موسم اور مشرکین کی سازشیں

خیر! دن گزرتے جا رہے تھے، وقت تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا، اور جن خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے نوازنا تھا وہ مسلمان ہوتے جا رہے تھے اور سخت سے سخت مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، جب کہ مشرک بھی ایمان سے روکنے کے لیے جتنی محنتیں کر سکتے تھے کر رہے تھے؛ اسی دوران حج کا موسم آ گیا، مشرکین کے پیٹ میں درد شروع ہونے لگا کہ باہر سے جو لوگ آئیں گے، وہ کہیں مسلمانوں کے ساتھ ملکر مسلمان نہ ہو جائیں، باطل ہر دور میں اسی طرح حق سے ڈرتا رہا ہے، کبھی بھی حق باطل سے نہیں ڈرا۔ انہوں نے فوراً میٹنگ بلائی، جس میں مکہ کے بڑے بڑے سردار جمع ہوئے کہ حج کے موسم سے پہلے پہلے کوئی ایسی تدبیر نکالو کہ لوگ اس دین سے دور رہیں، کوئی شخص بھی ایمان کے قریب نہ پھٹک سکے؟ پھر یہ مشورے آئے کہ ہر ایک شخص اپنے ذمہ ایک ایک کام لے لے، اور سب سے بڑا کام یہ تھا کہ مکہ سے باہر جا کر لوگوں کو اس دین سے ڈرایا جائے کہ کوئی قرآن کریم سننے ہی نہ پائے، بلکہ

اپنے کانوں کو بند کر لے، ورنہ جو سن لے گا اسے تو قرآن کریم اپنی طرف کھینچ ہی لے گا۔ کنارے پر تو رہنے ہی نہیں دے گا، اس کے علاوہ یہ بھی طے ہوا کہ منی، مزدلفہ اور عرفات میں بھی ان پر نظر رکھی جائے اور یہ خاص ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بد بخت چچا ''ابولہب'' نے اپنے ذمہ لے لی، روایات میں آتا ہے کہ وہ بد بخت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار مار کر لوگوں کو کہتا: ''لوگو! اس کی بات نہ سننا یہ میرا بھتیجا ہے، مگر باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر ''صابی'' بن گیا ہے، یعنی دین سے الگ ہو گیا ہے''۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۷۳)

لیکن اس میٹنگ میں ایک سوال مجلس پر چھایا رہا کہ تم لوگ ان کو کہو گے کیا؟ ابھی تک تو ان کا کوئی لقب ہی متعین نہیں ہوا؟ تم میں سے کوئی ان کو شاعر، کوئی کاہن اور کوئی جادوگر کہتا ہے پہلے کوئی لقب تو طے کر لو!

ابو جہل بڑا چالاک آدمی تھا، اس کا کام ہمیشہ دوسروں کو آگے کرنے کا تھا۔ مشہور روایت کے مطابق اس نے ولید بن مغیرہ نام کے ایک سردار سے کہا: ''صاحب! یہ بات آپ ہی بتا سکتے ہیں، آپ جیسے عقل مند سردار کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا کیا کہہ سکتا ہے؟'' وہ اپنی تعریف سنتے ہی پھولے نہ سمایا، تیوری چڑھائی، غصہ سے منہ بنایا اور کہنے لگا: ''یہ قرآن تو بس ایک جادو ہے جو پیچھے سے چلا آرہا ہے، اور اس کو پیش کرنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہیں''۔ قرآن پاک نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ☆ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ☆ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ☆ ثُمَّ نَظَرَ ☆ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ☆ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ☆ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ☆ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ☆

ترجمہ: اس کا حال تو یہ ہے کہ اس نے سوچ کر ایک بات بنائی؛ خدا کی مار ہو اس پر کہ کیسی بات بنائی؛ دوبارہ خدا کی مار ہو اس پر کہ کیسی بات بنائی؛ پھر اس نے نظر دوڑائی؛ پھر تیوری چڑھائی، اور منہ بنایا؛ پھر پیچھے کو مڑا، اور غرور دکھایا؛ پھر کہنے لگا کہ: ''کچھ نہیں یہ تو ایک روایتی جادو ہے''

کچھ نہیں یہ تو ایک انسان کا کلام ہے (المدثر:۱۸تا۲۵) (تفسیر ابن کثیر:۲۷۶/۸)

مشرکین کی ناکامی اور طفیل ابن عمرو دوسی کا قبولِ ایمان

مشرک سردار اپنے مشن میں کیسی بری طرح ناکام ہوتے تھے اس کے لیے صرف ایک قصہ بطورِ مثال کے پڑھ لیجیے! مشرک سردار اور ان کے کارندے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے ہر راستے پر بیٹھ کر آنے والوں کو دینِ اسلام سے ڈرا رہے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت! اس طرح اور زیادہ لوگوں کو اللہ تعالی کے دین کا تعارف ہوتا جا رہا تھا، کچھ مشرک مکہ سے باہر ہی ایک راستے پر کھڑے ہو گئے، جہاں سے گزرتے ہوئے قبیلہ دوس کے سردار طفیل بن عمر دوسی ان کو مل گئے، مکہ والوں نے ان کو دینِ اسلام اور مسلمانوں سے، خاص طور سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ڈرایا، اور ان کو بتایا کہ: ''محمد-صلی اللہ علیہ وسلم- کوئی ایسا کلام پیش کرتے ہیں جس کو سننے کے بعد انسان ان کا ساتھی بنے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، آپ یہ روئی لو اور اپنے کانوں میں رکھ لو، آپ سچے اور سادھے آدمی ہو ہمیں ڈر ہے کہیں آپ کسی مسلمان کے جال میں نہ پھنس جائیں، یا آپ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھ کر وہ کلام نہ سنا دیں''

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ میں نے جہالت کے طریقے کے مطابق عمرہ کیا، پھر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا، میں کیا دیکھتا ہوں! کہ ایک بہت ہی نورانی شکل کے بزرگ، حطیم کے سامنے لوگوں کو کچھ سمجھا رہے ہیں، لیکن لوگ سنتے ہی نہیں؛ بلکہ تیکھی نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے ہیں، مجھے اچانک ہی خیال آیا کہ میں تو اپنی قوم کا پڑھا لکھا سردار ہوں، اور خود شاعر بھی ہوں، اچھی سوج بوجھ بھی رکھتا ہوں، پھر میں نے کیوں اپنے کان بند کئے ہیں؟ اس پر میں نے اپنے آپ کو، کوسا اور کہا: ''تجھے تیری ماں روئے، تو نے کیوں اپنے کان بند کیے ہیں''، یہ کہہ کر میں نے فوراً اپنے کانوں سے روئی نکال لی، اور لوگوں سے پوچھا کہ: ''یہ اتنی نورانی شکل والے بزرگ کون تھے؟ اور یہ لوگوں سے کیا کہہ رہے تھے؟'' لوگوں نے جواب دیا: ''یہی ہیں وہ جن

سے ہم آپ کو روک رہے تھے اور ان کی بات سننے سے منع کر رہے تھے''۔ میں نے آہستہ سے ایک آدمی سے پوچھا کہ: ''ان کا دولت خانہ کہاں ہے؟'' اس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانے تک میری رہنمائی کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اندر بٹھایا، میں نے آپ کو پوری بات سنائی، اس پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ اپنے مالکِ حقیقی کا کلام سنو، پھر فیصلہ کرو!'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورہ اخلاص سنائی، اس کا سننا تھا کہ قرآن کریم کے نور سے دل منور ہوگیا، وہ نور میرے دل میں گھر کرگیا، اسی وقت کلمہ پڑھ کر میں مسلمان ہوگیا، مکہ مکرمہ کے لوگ یہ سن کر آگ بگولہ ہوگئے، لیکن وہ کر کچھ نہ سکتے تھے۔

(ابن ہشام: ۲/۳۳)

اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کی چالوں اور ان کی سازشوں کا نتیجہ انہی کے خلاف نکلتا تھا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ☆ وَاَكِيْدُ كَيْدًا☆ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ☆

ترجمہ: یہ لوگ تو طرح طرح کی چالیں بنانے میں لگے ہیں۔ اور میں بھی تدبیر کرتا ہوں۔ تو (اے پیغمبر! آپ کافروں کو ڈھیل دے دیجیے! بس تھوڑی سی ڈھیل اور دیدیجیے۔

(الطارق: ۱۵، تا ۱۷)

عتبہ کی ثالثی اور رنگ رنگ کی دنیاوی ترغیبیں

بات قرآن کریم کے اثر کی چل رہی ہے، تو چلتے لگے ہاتھوں مشرکین کے سردار عتبہ کا بھی اس طرح کا ایک قصہ سن لیجیے!

ابوجہل کی سرداری میں مشرکین کی میٹنگ چل رہی تھی، آخر کیا کیا جائے! مسلمان تو بڑھتے ہی چلے جارہے ہیں، نہ مار پیٹ سے ڈرتے ہیں، نہ ہی موت کی دھمکی کا کوئی اثر ان پر ہوتا ہے! کچھ تو سوچو! آخر اس مسئلے کا کریں کیا؟ ابوجہل بڑی شرارت سے خود پیچھے رہ کر دوسروں سے مشورے

پوچھتا تھا، اس پر عتبہ نام کا ایک سردار بولا: ''آپ مجھے کچھ اختیار دے کر بھیجو، میں ضرور ان کو کسی بات پر لا سکتا ہوں اور صلح کا کوئی راستہ نکال سکتا ہوں!'' ابوجہل اور دوسرے چالاک سردار بولے: یقیناً آپ جیسے گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والے، اور ملکوں ملکوں گھومنے والے سردار ہی اس مسئلے کا حل نکال سکتے ہیں؛ کیوں کہ آپ زمانہ کے گرم وسرد، اور حالات کے تھپیڑوں سے واقف ہو، چنانچہ سب بیک زبان بولے: ''ہماری طرف سے آپ کو پورا اختیار ہے، یہ اپنا دین چھوڑ کر جس بات پر بھی آتے ہیں آنے دیجیے''۔

عتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور بڑے ہی میٹھے اور رسیلے انداز سے کہنے لگا: ''بھتیجے! میں آپ کے پاس آپکی پوری قوم کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں، آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی وجہ سے خاندان تقسیم ہو گیا ہے، گھر گھر میں فتنہ اور لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا ہے بھائی بھائی پر آستینیں چڑھا رہا ہے۔ آپ اس مصیبت کا کوئی حل بتاؤ!''، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ اپنی بات پوری کر لیجیے اور جو کہنا چاہتے ہیں کہیے!''۔

عتبہ نے کہا:

(۱) ''بھتیجے! اگر آپ لوگوں کو کلمہ پڑھا کر مکہ کا بادشاہ بننا چاہتے ہیں، تو میں سارے مکہ کی ذمہ داری لیتا ہوں، ہم سارے آپ کو اپنا بادشاہ بنا دیں گے، آپ بادشاہ بن جایئے، لیکن ایمان اور اسلام والی یہ باتیں نہ کریں جن کی وجہ سے لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔

(۲) اور اگر آپ اس طریقے سے مال ودولت کمانا چاہتے ہیں، تو میں ساری قوم کی ذمے داری لیتا ہوں کہ آپ یہ دعوت چھوڑ دیجیے! ہم آپ کو اتنا مال دیں گے جو آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔

(۳) اور اگر اس طرح آپ بڑے بن کر کسی خوبصورت حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں، وہ بھی میری ذمہ داری جہاں آپ کہیں گے، وہاں آپ کا نکاح کروا دیا جائے گا۔

(۴) اگر ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں! تو پھر بتایئے! آپ پر کوئی جادو جنتر تو نہیں جس سے دیوانگی لاحق ہو گئی ہو؟ پھر ہم سب مل کر آپ کا حکیموں کے پاس علاج کروائیں

گے۔

(۵)اور آخری بات یہ کہ اگر آپ پر کسی جن وغیرہ کا سایہ ہو گیا ہے، تب بھی بتایئے! ہم کسی اونچے درجے کے جھاڑ پھونک کرنے والے عامل کو لائیں گے، جو آپ کا بہت اچھا علاج کرے گا''۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ نے جو کچھ کہنا تھا کہہ لیا؟''، اس نے کہا: ''جی ہاں!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب میری بات، بلکہ اپنے رب کا کلام سنو! اور فیصلہ کرو!'' پھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ حم السجدہ شروع سے پڑھنی شروع فرمائی:

حٰمٓ ☆تَنْزِيْلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ☆ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ☆ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَايَسْمَعُوْنَ ☆ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ☆ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ☆ الَّذِيْنَ لَايُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ☆ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ☆ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ☆ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ☆ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ☆ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ☆ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ☆

ترجمہ: یہ کلام اس ذات کی طرف سے نازل کیا جا رہا ہے جو بڑا ہی مہربان ہے، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ عربی قرآن کی شکل میں یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں علم حاصل کرنے والوں

کے لیے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں ۔ یہ قرآن خوشخبری دینے والا بھی ہے، اور خبر دار کرنے والا بھی ۔ پھر بھی ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ موڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں وہ سنتے نہیں ہیں ۔ اور (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہتے ہیں کہ: ''جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، اس کے لیے ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں ، ہمارے کان بہرے ہیں ، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ حائل ہے ، لہذا تم اپنا کام کرتے رہو ، ہم اپنا کام کررہے ہیں ۔ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ''میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں ۔ (البتہ) مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے ؛ لہذا تم اپنا رخ سیدھا اسی کی طرف رکھو، اور اسی سے مغفرت مانگو۔ اور بڑی تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے ۔ جو زکوۃ ادا نہیں کرتے ، اور ان کا حال یہ ہے کہ آخرت کے وہ بالکل ہی منکر ہیں ۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے لیے بیشک اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے''۔ کہہ دو کہ: ''کیا تم واقعی اس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا ، اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو،؟ وہ ذات تو سارے جہانوں کی پرورش کرنے والی ہے ۔ اور اس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کیے، جو اس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں، اور اس میں برکت ڈال دی، اور اس میں توازن کے ساتھ اس کی غذائیں پیدا کیں ، سب کچھ چار دن میں ! تمام سوال کرنے والوں کے لیے برابر! ۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جبکہ وہ اس وقت دھویں کی شکل میں تھا، اور اس سے اور زمیں سے کہا: '' چلے آؤ! چاہے خوشی سے یا زبردستی سے'' دونوں نے کہا: ''ہم خوشی خوشی آتے ہیں''۔ چنانچے اس نے دو دن میں اپنے فیصلے کے تحت ان کے سات آسمان بنا دیے، اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجایا، اور اسے خوب محفوظ کیا ۔ یہ اس ذات کی نپی تلی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے جس کا علم بھی مکمل ۔ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ: ''میں نے تمہیں اس کڑکے سے خبر دار کیا ہے جیسا کڑ کا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا''۔ (سورہ حم سجدہ: ۱ تا ۱۳)

روایتوں میں آتا ہے کہ قرآن پاک کا اس پر ایسا اثر ہورہا تھا کہ اس کا رنگ بدلا جارہا تھا، پھر سیدھے بیٹھنے سے بھی مجبور ہوگیا، دونوں ہاتھ پیچھے ٹیک کر بڑی مشکل سے بیٹھا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب پڑھتے پڑھتے دوسرے رکوع میں قوم عاد وقومِ ثمود پر آنے والے عذاب والی آیتیں پڑھنے لگے، وہ گھبرا گیا اور اس کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ابھی یہ عذاب ہم پر ٹوٹ پڑے گا، اس پر وہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک کے آگے رکھنے لگا کہ مجھے ڈر ہے کہیں یہ عذاب آ ہی نہ جائے، پھر قوم اور خاندان کا واسطہ دینے لگا کہ بس کرو! بس کرو! آپ کا خاندان تباہ ہوجائے گا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے آپ کے رب کا کلام پیش کردیا اب آپ خود فیصلہ کرو''۔ عتبہ واپس ہوا اور اس کے پاؤں بھی سیدھے نہیں رکھے جارہے تھے، تھرتھر کانپتا، گرتا اٹھتا جارہا تھا، قریش ابھی اسی طرح حرم پاک میں بیٹھے ہوئے تھے، ابوجہل دیکھتے ہی سمجھ گیا اور کہنے لگا: ''یہ وہ چہرہ نہیں، جو عتبہ یہاں سے لے کر گیا تھا، لگتا ہے اس پر بھی جادو ہوگیا ہے''۔

خیر عتبہ پانی وانی پی کر بولا: ''میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' سب نے کہا: ''آپ بہت اونچے مقام کے شاعر اور تجربہ کار ہیں، آپ کا کیا کہنا!''، اس نے کہا: ''میں نے ایران وروم کے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں، اور میں خود بھی شاعر ہوں اور بڑے بڑے شاعروں کا کلام بھی جانتا ہوں، خدا کی قسم! جو کلام محمد (ﷺ) پیش کرتے ہیں وہ قطعاً شاعری نہیں، اس میں کاہنوں کی کہانت کی بھی کوئی ملاوٹ نہیں، وہ ایک ایسا اونچا اور مقدس کلام پیش کرتے اور سناتے ہیں جس میں عجیب قسم کی روشنی اور نور ہے، وہ عجیب میٹھا اور رسیلا کلام ہے، جو دل کی تاروں کو ہلا دیتا ہے، اور آدمی کو سننے پر مجبور کردیتا ہے، میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ حضرات ان کی مخالفت نہ کرو، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اگر وہ غالب آگئے تو اس میں تمہاری بھی عزت ہوگی، تمہیں بھی فخر ہوگا؛ کیوں کہ وہ تمہارے خاندان کے ہیں اور اگر زمانے نے ان کے ساتھ وفا نہ کی، تو باقی دنیا ان سے خود نمٹ لے گی؛ اور ان کا خون تمہارے سر پر نہیں آئے گا''۔

اس پر ابوجہل جیسے بڑے بڑے سرداروں کے پسینے چھوٹ گئے ؛لیکن وہ بہت چالاکی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے قہقہے لگالگا کر ہنسنے لگا کہ عتبہ پر بھی وہی جادو ہوگیا ہے، یہ ان کی باتوں میں آ گیا ہے۔

عتبہ کو ابھی ایمان تو نصیب ہوا نہیں تھا؛اس لیے وہ حالات سے ڈر کر کہنے لگا:''میں نے تو بس اپنی رائے پیش کی ہے، باقی برادری کا فیصلہ سر آنکھوں پر''۔اس طرح لوگ اپنے اپنے تبصرے کرتے ہوئے اٹھ گئے اور پنچایت بغیر کسی فیصلہ کے برخاست ہوگئی۔

(ابن ہشام:۲۲۶/۱)

نوٹ: عتبہ کے اس قصے میں اصل میں قیامت تک ایمان والوں پر ایمان کی وجہ سے آنے والے حالات کی ایک جھلک ہے کہ کس کس طرح ایمان والوں پر مجنون اور پاگل ہونے اور جن بھوت کا سایہ ہونے کا الزام لگایا جائے گا اور مال ودولت نیز عہدوں اور حوروں پریوں سے شادی کی لالچ کے سبز باغ دکھائے جائیں گے، اور وہ کیسی کیسی آزمائشوں سے گزریں گے۔لیکن ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی ہے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں گے،تو اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی سے ہمکنار کرتا رہے گا۔آج دنیا بھر میں ہم یقیناً ان ساری آزمائشوں سے دوچار ہیں۔ہمارا رب ہی ہماری کشتی پار لگائے! آمین!

حضرت ارقم بن ابی ارقم کا گھر اسلامی دنیا کا پہلا مدرسہ

اِدھر مشرکوں کی کفر وشرک کے لیے یہ کاوشیں جاری تھیں، اُدھر ایمان والے مصیبتوں کے گھیرے میں ایمان اور یقین کا امتحان دیتے جا رہے تھے،کسی کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جا رہا تھا، تو کسی کو تپتی کڑکتی دھوپ میں پتھروں پر لٹا کر پتھروں سے دبایا جا رہا تھا،کوئی بوری میں ڈال کر مارا اور پیٹا جا رہا تھا اور کسی کو گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا جا رہا تھا،اور پیارے آقا حبیبِ کبریا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ومقدس چہرے پر تھوکنے کی کوشش کی جا رہی تھی،گردنِ مبارک

میں چادر کے بل دیے جا رہے تھے، سر مبارک پر مٹی ڈالی جا رہی تھی، اتنا ہی نہیں مرے ہوئے اونٹ کی اوجڑی کو حالتِ سجدہ میں سرِ مبارک پر رکھا جا رہا تھا؛ لیکن مشرکوں اور کافروں کی یہ ساری کوششیں ایمان والوں کے صبر و ہمت اور استقلال کے ہمالیہ جیسے پہاڑ کے ساتھ ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو رہی تھیں۔

دوسری طرف حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان قبول کرنے والوں کی تعلیم اور ان کی تربیت سے ایک پل بھی غافل نہ تھے۔ صحابہ اکرم میں سے حضرت ارقم بن ابی ارقم کا گھر صفا کی پہاڑی کے پاس تھا، جو عام محلّہ اور بستی سے ذرا دور بھی تھا، اور یہاں صحابہ کرام کا پہنچنا بھی آسان تھا، یہی گھر اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ، سب سے پہلی تربیت گاہ، یا (خانقاہ) تھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو جمع فرما کر انہیں نئی نازل ہونے والی آیات اور سورتیں بھی یاد کرواتے تھے، اور نئے احکامات سے بھی آگاہ فرماتے تھے، اور یہیں پر سچے کردار اور اچھے اخلاق کی وہ تعلیم بھی دیتے تھے جس نے دنیا کا نقشہ بدلنا تھا، جس کے صدقے میں انسانوں کو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وعلی رضی اللہ عنھم جیسے ہمدرد امیر، اور بادشاہ ملنے والے تھے، جو جھونپڑیوں میں ٹوٹے بچھونے پر بیٹھ کر ایسی حکومت کرنے والے تھے، جو قیصر وکارے کے ظالمانہ نظام کی بنیادیں ہلا دینے والی تھی۔

اس موقعہ پر ہمارے ہر ایک قاری کو ایک بار سورہ مزمل کا پہلا رکوع پڑھ لینا چاہیے، بس جس چیز کی تعلیم اس سورۃ مبارکہ میں دی گئی ہے اس کا عملی نمونہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس زمانے میں پیش فرما رہے تھے، قرآن کریم کے سایے میں ہونے والی اسی تربیت کا نتیجہ تھا جو دنیا کی کسی باطل طاقت کے آگے انہیں نہ جھکنے دیتی تھی، نہ مصیبتوں اور پریشانیوں کے آگے سر نگوں ہونے دیتی تھی، اور نہ دنیا کی بڑی سے بڑی لالچ انہیں اپنے در پر جھکا سکتی تھی۔

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ماں، باپ، اولاد، رشتہ دار، خاندان، برادری سب کی جدائی ان کے لیے آسان ہوگئی تھی۔ بلکہ ان کے لیے ساری دنیا ہی وطن بن گئی تھی

خاندان، برادری کسی چیز کی محبت ان کے پیروں میں زنجیر نہ ڈال سکتی تھی، ان کی زندگیاں اس شعر کی عکاسی کرتی تھیں:

ہر ملک ملکِ ما است   کہ ملکِ خدائے ما است

یہی وہ دن تھے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے پہلے شوہر کے صاحبزادے حضرت حارث ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کسی موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے ظلم سے بچانے گئے، جہاں کافر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اتنا مارا کہ انہی زخموں میں ان کی وفات ہوگئی، کچھ حضرات کا خیال ہے کہ یہی اسلام میں سب سے پہلے شہید ہیں، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ: ''سب سے پہلے شہید ہونے والیں حضرت سمیہ رضی اللہ عنھا ہیں''۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنھا کی شہادت

حضرت سمیہ رضی اللہ عنھا حضرت عمارؓ کی والدہ صاحبہ ہیں وہ ابوحذیفہ نام کے ایک مشرک کی باندی تھیں اس نے ان کا نکاح حضرت یاسرؓ سے کروا دیا تھا، اللہ پاک نے ان کو ایمان کی عظیم دولت عطا فرمادی تھی، کافروں نے ان پر بھی بہت ظلم ڈھائے، یہ کافی عمر رسیدہ بوڑھی تھیں، مگر ظالموں نے ان کی بوڑھی ہڈیوں کا بھی خیال نہ کیا، بہت ستایا، بہت مارا آخر کار شہید کر کے ہی چھوڑا، ان کی شہادت کے بارے میں دو قسم کی روایات آتی ہیں، ایک یہ کہ ایک دن یہ راستے میں چل رہی تھیں کہ ادھر سے ابوجہل ملعون آ گیا، اسکے ہاتھ میں برچھا تھا جو اس بدبخت نے ان کی نازک جگہ میں مارا، اور وہ اسی جگہ شہید ہوگئیں۔ دوسری یہ کہ کافروں نے ان کو گھیر لیا اور ان کی دونوں ٹانگیں دو اونٹوں کے ساتھ باندھ دیں، اور کہنے لگے اگر تو نے دین اسلام نہ چھوڑا تو دونوں اونٹوں کو مخالف جانب چلا دیں گے۔ انہوں نے کہا: ''کچھ بھی ہو جائے میں خدا کا دین نہیں چھوڑ سکتی''۔ اس پر ظالم مشرکوں نے دونوں اونٹوں کو مخالف جانب چلا دیا جس کی وجہ سے ان کے جسم

کے دو حصے ہو گئے، اور یہ سچا ایمان لے کر اپنے مالک کے پاس پہنچ گئیں۔

اور کچھ کہتے ہیں: ''کہ دونوں باتیں پیش آئیں''، جس وقت اونٹ مخالف جانب دوڑے اسی وقت اس ظالم نے برچھا مارا، تو یہ شہید ہو گئیں۔ ان کے شوہر حضرت یاسر رضی اللہ عنہ بھی کافروں کی مار سہتے سہتے وفات پا گئے۔ (فتح الباری: ۷/۱۷۱، طبقات ابن سعد: ۳/۷۷)

کمزوروں کے ساتھ طاقتوروں کی بھی باری آگئی

یہاں غلام باندی، پردیسی غریب اور کمزور مسلمانوں کا یہ تذکرہ سن کر کہیں آپ کو یہ خیال نہ آجائے کہ بڑے گھر والے، اونچے خاندان والے مسلمان، بچ گئے ہوں گے! ایسا بھی نہیں ہوا، بس خاندان کی مضبوطی کی وجہ سے ان پر ہر کوئی ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا تھا، لیکن اپنے خاندان والے مشرک ہی کیا ظلم کیلئے کم تھے؟ بطور نمونہ کچھ ایک ایسے حضرات کی قربانیوں کا ذکر بھی سنتے چلیے:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آزمائشوں میں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیشک مکہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے، لیکن مشرکین نے ان کو بھی تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، بلکہ ایک اعتبار سے تو سب سے زیادہ انہوں نے ہی تکلیفیں برداشت کی ہیں، صرف ایک وقت کا قصہ پڑھتے چلیں! ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: بتاؤ، سب سے بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ''حضرت آپ ہی سب سے بہادر ہیں''! فرمایا: ''نہیں، سب سے بہادر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں''۔ پھر فرمایا: ''ایک بار حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر حطیم میں مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے سب خداؤں کو چھوڑ کر ایک ہی خدا بنا لیا ہے؟ ہم میں سے کوئی بھی آپ کو چھڑانے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ اچانک کہیں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے، اور کافروں کے مجمع میں گھس گئے، کسی کو مُکّا اور کسی کو تھپڑ مارتے مارتے ان کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہنے لگے:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ ☆

ترجمہ:-کیاتم ایک شخص کوصرف اس لئے مارتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ:''میرا رب اللہ ہے''؟

یہ آیت اصل میں حضرت موسیٰ کی حمایت کرنے والے ایک بندہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی ، جو اصل میں فرعونی خاندان کا تھا، اور اپنے ایمان کو چھپاتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''لوگو! بتاؤ! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا وہ آدمی جو اپنے ایمان کو چھپا رہے تھے'' پھر قسم کھا کر فرمانے لگے:''وہ بندہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رتبہ کو کہاں پہنچ سکتا ہے، جب کہ وہ ایمان چھپا رہا تھا اور حضرت ابوبکرؓ اپنے ایمان کا اعلان کر رہے تھے''۔ (مسند بزاز دلائل ابی نعیم)

اسی قصے کے بعد ہے کہ پھر لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے، سب نے مل کر مارا، اتنا مارا کہ چہرہ مبارک سوج گیا، بال نوچ لیے، ان کے قبیلے کے لوگوں کو پتا چلا تو وہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لائے۔ سب کہہ رہے تھے کہ آج تو یہ بچ نہیں سکتے، شام کو جس وقت کچھ افاقہ ہوا، ہوش آیا، زبان مبارک ذرا چلنے لگی تو سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت پوچھی، اس پر قبیلہ کے لوگ سخت ناراض ہوگئے، کہ انہی کی وجہ سے تو یہ حال ہوا ہے، پھر انہی کا حال پوچھتے ہیں؟ انہیں کیا معلوم تھا کہ:

حشر میں بھی اسی سے ملنے کی ہے دعا میری　　نگاہِ تیر جس کی بن گئی قضاء میری

جس وقت لوگ ذرا اِدھر اُدھر ہوئے تو اپنی والدہ ام خیر صاحبہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھنے لگے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا:''مجھے کچھ پتا نہیں''۔ کہنے لگے:''آپ اِم جمیلؓ بنتِ خطاب سے پوچھ کر آؤ''۔ اتنے میں ام جمیلؓ خود ہی اعادت کے لیے آگئیں، ان کو پوچھا:''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے''؟ انہوں نے کہا:''وہ بالکل خیریت سے ہیں، فرمانے لگے: ''کہاں ہیں''؟ انہوں نے کہا:''دارِارقم میں ہیں''۔ فرمانے لگے:''مجھ پر تب تک کھانا پینا حرام ہے، جب تک ان کی زیارت نہ کروں''۔ ماں تو آخر ماں ہوتی ہے، جب رات کا کافی حصہ گزر گیا، چلت پھرت بند ہوگئی، اس وقت ام جمیلؓ اور والدہ صاحبہ نے سہارا دے کر ارقم بن ابی

ارقمؓ کے گھر پہنچایا، زیارت نصیب ہوئی، تو ساری مصیبت ہی ہوا ہوگئی۔ (ابن ہشام: ۱/۲۲۳)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی آزمائش

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی کہتے ہیں، جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد ہیں، وہ حالانکہ گھر سے کافی اچھے اور بڑے خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ایسے حالات آئے کہ مکہ کی زمین ان پر کشادہ ہونے کے باوجود تنگ ہوگئی اور انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

روایات میں آتا ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین کے نور سے منور فرمایا تو ان کا سگا چچا ''حکم بن ابی العاص'' ان کا دشمن بن گیا، اور اس نے ان کو رسی سے باندھ کر بہت مارا کہ: ''تو ہمارے باپ دادا کے دین کو چھوڑتا ہے''؟ لیکن جس وقت انہوں نے ہمت اور دلیری سے فرمایا: ''تیری مرضی تو جو چاہے کر، میں اللہ تعالیٰ کے دین کو نہ چھوڑ سکتا ہوں، اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی سمجھوتا کرسکتا ہوں'' تب اس نے مایوس ہوکر انہیں چھوڑا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۳۸)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی آزمائش

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بڑے گھر کے آدمی تھے، ایمان قبول کرنے کے جرم میں ان کے چچا ان کو بوری میں لپیٹ کر دھواں دیتے تھے، جس کی وجہ سے سانس رک جاتی تھی، پھر جس وقت ہوش آتا تو فرماتے: ''لَا اَكْفُرُ أَبَدًا''،

ترجمہ:- ''کفر تو کبھی نہیں کرسکتا'' آخر کار ان کو بھی دین کو بچانے کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ (الاصابہ: ۱/۵۴۵)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی آزمائش

ان کا واقعہ تو بخاری شریف میں موجود ہے، یہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے، جب ایمان کا نور نصیب ہوا تو انہوں نے ان کو رسی سے باندھ کر مارا، لیکن انہوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بلکہ مار کھا کر اسلام پر اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔ (بخاری اسلام سعید بن زید)

حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کی آزمائش

یہ اپنے خاندان کے بڑے آدمی شمار ہوتے تھے، لیکن جب ایمان لائے تو سب دشمن ہو گئے اور سارے خاندان نے مل کر ستایا، مگر جب اور کوئی بات نہ چل سکی تو سب نے ان کی والدہ کو مشورہ دیا کہ تو کوئی ڈرامہ کر، شائد اس سے یہ دین چھوڑ دیں!

ان کی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک آپ یہ دین نہیں چھوڑتے، میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی، نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی، بس دھوپ میں پڑی پڑی بھوکی پیاسی مر جاؤں گی، وہ تین دن تک اسی طرح بھوکی پڑی رہی، یہاں تک کہ غش کھا کر بے ہوش ہونے لگ گئی، یہ اپنے والدین کی فرمانبرداری کے اعتبار سے پورے مکہ میں مشہور تھے، اس کا خیال تھا کہ اس طرح بدنامی کے ڈر سے یہ واپس پرانے شرک والے مذہب پر آجائیں گے، لیکن انہوں نے اپنی والدہ سے کہا: ''کہ پیاری ماں! کیوں اس طرح ڈرامے کرتی ہو، اگر آپ کو ڈرامہ کر کے اسی طرح مرنا ہے، تو ایک بار نہیں، سو بار نہیں، ہزار بار مریں، اور ہزار بار زندہ ہوں، میں حق تعالیٰ کا دین نہیں چھوڑ سکتا''، اس پر اس نے مایوس ہو کر تین دن کے بعد کھانا کھایا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آیت ذیل انہی کے بارے میں نازل ہوئی: (درمنثو)

وَاِنْ جَاهَدَاکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَالَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَاتُطِعْهُمَا☆ ترجمہ:- اور اگر وہ تم پر زور دیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو تم

ان کی بات بالکل نہیں ماننا۔ (العنکبوت:۸)

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق (یعنی)

حرم میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا اعلانِ توحید

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ قبیلہ غفار کے رہنے والے تھے، ان کو جیسے ہی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم ہوا، انہوں نے اپنا بھائی مکہ مکرمہ بھیجا کہ معلوم کر کے آؤ اصل معاملہ کیا ہے؟ وہ مکہ پہنچے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے اپنے بھائی کو خبر دی کہ جس وقت میں مکہ پہنچا کوئی ان کو شاعر اور کوئی کاہن کہہ رہا تھا، کوئی جادوگر اور کوئی مجنون کہہ رہا تھا، لیکن مجھے ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی، میں نے ان کا کلام سنا، وہ شاعری بھی نہیں، اور اس میں کاہنوں جیسی بھی کوئی بات نہیں، وہ تو بالکل سچی بات کہتے ہیں۔

اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تسلی نہیں ہوئی، اور خود تیار ہو گئے، بیت اللہ شریف پہنچے، لیکن ڈر کی وجہ سے کسی سے کوئی بات نہیں کی، شام کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کوئی پردیسی آدمی ہے، اس لیے ساتھ لے لیا، رات کو گھر رکھا، لیکن بات دونوں میں سے کسی نے نہیں کی، دوسرے دن پھر اسی طرح ہوا، تیسرے دن پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر لے آئے، اور اب کی بار مقصد معلوم فرمایا، انہوں نے ڈرتے ہوئے ساری بات بتا دی، دوسرے دن ان کو حضرت علیؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے، پہلی ملاقات میں ہی اللہ تعالیٰ نے ایمان نصیب فرما دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاؤ! اور خفیہ خفیہ دین پر محنت کرتے رہو، پھر جس وقت آپ کو خبر ملے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غالب کر دیا ہے، تب آپ بھی تشریف لے آنا''۔

لیکن انہوں نے کہا: ''جب تک ایک بار ان مشرکین مکہ کے درمیان توحید والا کلمہ پڑھ نہ لوں، تب تک واپس نہیں جاؤں گا''۔ پھر یہی ہوا، انہوں نے حرم کے بیچ میں زور زور سے پڑھا:

أشهد ان لاالا الله ،واشهد ان محمدا رسول الله .

بس یہ سننا تھا کہ کافران پر ٹوٹ پڑے، مار مار کر حالت خراب کردی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بڑی مشکل سے ان کے قبیلے کی اہمیت بیان کر کے بچانے کی کوشش کی، بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے دوسرے دن پھر توحید کا اعلان کر کے پھر خود ہی مار کھائی اور تیسرے دن اپنے قبیلہ میں واپس تشریف لے گئے۔ (سیرت بنوی از ذہبی:۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حرم پاک میں سورہ رحمٰن

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ظاہری طور پر اگرچہ کمزور جان والے تھے، لیکن ایمان بہت مضبوط پایا تھا، ایک بار کچھ صحابہ کرام خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت وہاں کچھ کافر بھی تھے، جو اسلام کا مزاق اڑا رہے تھے اور قرآن پاک پر پھبکیاں کس رہے تھے، صحابہ کرام میں سے کسی نے کہا: ''افسوس، کبھی انہیں کوئی قرآن پاک سناتا، تب انہیں معلوم ہوتا قرآن پاک ہے کیا''۔ اس پر صرف حضرت عبداللہؓ اٹھے اور کہنے لگے: ''میں سناتا ہوں''، یہ بات کہہ کر مشرکین کے مجمع کے بیچ میں کھڑے ہوگئے، اور سورۃ رحمٰن پڑھنے لگے، پہلے تو کافر کچھ حیران سے ہوگئے کہ یہ کیا کرنے لگے ہیں، لیکن جب احساس ہوا کہ سب کے سامنے حرم پاک میں اعلان کر کے قرآن پڑھ رہے ہیں! تو وہ غصہ اور طیش میں آگئے، اور سب مل کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے۔ اتنا مارا اور پیٹا کہ پہچانے نہیں جا رہے تھے۔ ساتھیوں نے کہا بھی کہ: ''حضرت بس کیجیے! حجت پوری ہوگئی ہے''، فرمانے لگے: ''نہیں جب تک سورہ رحمٰن پوری نہیں ہو جاتی تلاوت میں بھی بند نہیں کرتا، چاہے یہ کتنا بھی ماریں اور پیٹیں'' آخر کار سورہ رحمٰن پوری کر کے ہی تلاوت بند فرمائی۔ (قرطبی:۱۷/۹۹)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی

حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ حبشہ کی ہجرت کے بعد کا ہے، لیکن موقع کی مناسبت سے یہاں ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ولید ابن مغیرہ نام کے ایک بڑے مشرک کی پناہ لے رکھی تھی۔ اس لیے کوئی ان پر ظلم نہیں کرسکتا تھا، وہاں کا رواج اور طریقہ تھا جب کوئی کسی کی پناہ لے لیتا تو پھر کوئی اس کو ستانے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ ایک دن اچانک انہیں اس بات کا خیال آیا کہ میرے باقی ساتھی تو مکہ میں ماریں کھا کھا کر، اور اللہ کے دین کی خاطر مصیبتیں گلے لگا کر روحانی مزے لوٹ رہے ہیں، مجھے کیا ہوگیا کہ میں ایک کافر کی پناہ لے کر کنارہ پر بیٹھا ہوا ہوں، مجھے بھی مصیبتوں کے اس بھنور اور گرداب میں چھلانگ لگا دینی چاہیے۔ سیدھے ولید بن مغیرہ کے گھر گئے اور اس کو کہنے لگے: ''آپ اپنی پناہ دینے کے اعتبار سے بہت اچھے آدمی ہیں، لیکن آج میں آپ کی پناہ ختم کرنا چاہتا ہوں''۔ اس نے کہا: ''کیوں! تمہیں میری قوم میں سے کسی نے تکلیف تو نہیں دی''؟ انہوں نے فرمایا: ''بالکل نہیں! بس میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا کسی کی پناہ میں نہیں رہنا ہے''۔ اس نے کہا: ''پھر اس کا اعلان کعبہ کے پاس جا کر کرو''۔ دونوں خانہ کعبہ کے سامنے گئے، جہاں مشرک پنچائت لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، ولید نے کہا: ''یہ عثمان میری پناہ میں تھے اور آج میری پناہ ختم کرنا چاہتے ہیں''۔ انہوں نے فرمایا: ''بیشک ولید نے پناہ کا حق ادا کردیا، لیکن میں خود ہی اس معاملہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں''۔ اس کے بعد گھر کی طرف چلے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہاں تو کوئی مجمع لگا ہوا ہے! نزدیک جا کر معلوم ہوا عرب کا مشہور شاعر لبید اپنی نظم سنا رہا ہے، اس نے یہ شعر پڑھا:

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ ''

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں۔ انہوں نے فرمایا: ''بے شک'' اس نے

دوسرا مصرع پڑھا:

وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ "

اور ہر عیش ایک نہ ایک دن ختم ہوجانے والی ہے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا: "غلط! جنت کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں" اس پر شاعر کو غصہ آ گیا، اس نے کہا: "یہ کون ہے"؟ ایک آدمی نے جواب دیا: "یہ ہم میں سے ہی کچھ بے وقوف گمراہ لوگوں کی ایک نئی پارٹی بن گئی ہے، انہوں نے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر کوئی نیا ہی ہنگامہ بپا کر رکھا ہے، اس پر بات بڑھتی چلی گئی، آخر کار ایک مشرک نے حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر مکا دے مارا، جس سے انکی آنکھ باہر آ گئی۔ ولید وہیں موجود تھا، اس نے کہا: "میں نے آپ کو کہا نہیں تھا کہ میری پناہ ختم نہ کرو"، دیکھو! آنکھ کا یہ کیا حال ہوا ہے! ابھی موقع ہے، ابھی بھی میری پناہ میں واپس آ جاؤ!! انہوں نے کہا: "نہیں نہیں آج مار کھا کر جو مزا آیا ہے وہ تو کبھی آج تک آیا ہی نہیں تھا۔ میری تو دوسری آنکھ بھی ایسی ہی مار کے لیے تڑپ رہی ہے"۔ (ابن ہشام: ۷۶/۲)

سچ ہے کہ یہ مصیبتیں جب راہیِ ایمان کو ملتی ہیں تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ: ع............

یہ درد بمشکل ملتا ہے نیز ......میری عافیت کے دشمن مجھے چین آ چلا ہے

کوئی اور زخمِ تازہ کوئی اور ضربِ کاری

صحابہ کرام کے لیے یہ مصیبتیں اور پریشانیاں اس لئے ہلکی ہوگئی تھیں ایک تو ان کو آخرت کی عیش کا یقین کامل تھا، دوسرے وہ اپنے آقا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والی پریشانیوں اور مصیبتوں کو بھی دیکھ رہے تھے، پھر ان کو اپنی مصیبت اور پریشانیاں تو کچھ محسوس ہی نہیں ہوتی تھیں اس لیے یہاں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، ایک جھلک اس کو بھی دیکھ لیجیے!

......☆......

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والی مصیبتوں کی ایک جھلک

(۱) معجمِ طبرانی میں ہے: حضرت منیب غامدیؓ فرماتے ہیں: ''میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو فرما رہے تھے، لوگو! لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہو! کامیاب ہوجاؤ گے، اس پر کچھ بدقسمت لوگ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے رہے تھے، اور کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوکنے کی کوشش کررہے تھے، اور کچھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال رہے تھے، اسی طرح دوپہر کا وقت آگیا، میں کیا دیکھتا ہوں کہ چھوٹی سی بچی پانی لے کر آئی، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک چہرہ اور ہاتھ دھوئے، میں نے لوگوں سے پوچھا: ''یہ بچی کون ہے''؟ لوگوں نے بتایا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ ہیں، یہاں روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم سی بیٹی سے فرمایا: ''تو اپنے والد کے ہار جانے اور پست ہونے کا اندیشہ ہرگز نہ کرنا''۔ (یعنی مدد آکر رہے گی اور اللہ کا دین بھی غالب آکر رہے گا)۔

(۲) طارق بن عبداللہ المازنیؓ فرماتے ہیں: ''میں نے ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذی المجاز کے بازار میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں: ''لوگو!''لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ'' کہو، کامیاب ہوجاؤ گے''ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہا ہے اور پتھر مارتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک زخمی ہوگیا ہے، اور جگہ جگہ سے خون بہہ رہا ہے، اور ساتھ ساتھ وہ یہ بات بھی کہتا جارہا ہے: ''لوگو! خبردار اس کی بات نہ ماننا، یہ بڑا جھوٹا ہے''۔ کچھ دوسری روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ ابولہب تھا (مسند احمد: ۱۶۰۲۱، ابن ابی شیبہ)

(۳) ایک اور راوی اسی ذی المجاز کے لیے فرماتے ہیں کہ: ''آگے آگے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ بات کہتے جارہے تھے کہ: ''لوگو! لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو کامیاب ہوجاؤ گے'' پیچھے پیچھے ابوجہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالتا اور یہ کہتا جارہا تھا کہ ''لوگو! اس کے دھوکہ میں نہ آنا، یہ تمہیں لات اور عزیٰ سے دور کردے گا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کی طرف کوئی توجہ ہی

نہیں فرمارہے تھے۔ (مسند احمد:۱۶۶۰۳، سیرت حلبیہ)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: ''ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ ابن معیط نے ایک چادر لپیٹ کر آپ کی گردن مبارک میں ڈال دی، اور پھر چادر کو تاؤ چڑھانے لگا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں باہر آنے لگیں۔ اسی وقت کہیں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے انہوں نے عقبہ کو دھکا مار کے دور ہٹایا، اور فرمایا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ ☆

ترجمہ:- کیا تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

(بخاری:۳۶۷۸، کنز العمال)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مارا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حمایت کے لیے اٹھے، تو سارے ان پر ٹوٹ پڑے، ان کا سر مبارک اتنا زخمی ہو گیا کہ درد کی وجہ سے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے تھے۔ (مسند بزار، ابن ہشام:۱/۲۲۴)

(۶) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ایک بار حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہیں بیٹھا ہوا تھا، اچانک اس کے دماغ میں ایک شرارت سوجھی، کہنے لگا: ''فلاں محلّہ میں ایک اونٹ ذبح ہوا ہے، اس کی اوجھڑی وہیں پڑی ہوئی ہے، کوئی ہے جو وہ اوجھڑی اٹھا کر لائے، اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جائیں، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر پر ڈال دے، اس پر سب سے بڑا بدبخت عقبہ ابن ابی معیط اٹھا، اور بدبخت وہ گندی اوجھڑی لے آیا اور جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرِ مبارک سجدے میں رکھا، اس نے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمرِ مبارک پر رکھ دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، لیکن کچھ نہیں کر سکا؛ کیوں کہ مشرکین کا جتھا بہت بڑا تھا، وہ اس پر ہنس ہنس کر ایک دوسرے پر گر رہے

تھے، اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں ، جو اس وقت ابھی کوئی چار پانچ سال کی بچی تھیں، انہوں نے دھکا مار کر وہ اوجھڑی گرائی ، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر دیکھا کہ کافر ہنس ہنس کر گر رہے ہیں ، اس موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سات کافروں کے لیے بد دعا فرمائی جو ہنس رہے تھے۔سب بدر وغیرہ میں بری طرح مرے''۔

(فتح الباری:۱/۳۰۱)

(۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:''میں مکہ مکرمہ میں دو بڑے بد بخت پڑوسیوں کے درمیان رہتا تھا،ایک''عقبہ ابن ابی معیط'' اور دوسرا''ابولہب''یہ دونوں میرے دروازے پر گندلا لا کر ڈالا کرتے تھے(زرقانی:۱/۲۵۱)

نمونے کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے ، ورنہ اس عظیم ہستی کے حالات زندگی تو ایسے ہیں کہ پڑھتے رہیے، آنسوں بہاتے رہیے! ختم کرنے کے بعد بھی دل شکستہ اور قلب حزیں کی آواز یہی ہوتی ہے کہ:

صبا چھیڑتی جا! اس مدنی دلنشیں کے ساز کو　　　اے مسافر! دل سمجھتا ہے تیری آواز کو

ایمان پر وطن بھی قربان

(حبشہ کی طرف ہجرت)

دنیا کا سلسلہ تو یہ ہے کہ جس کو سبق یاد ہو گیا اس کو چھٹی مل جاتی ہے، لیکن الفت ومحبت اور عشق کے اس مدرسے سے اس کے طالب کو کبھی چھٹی نہیں مل سکتی ، اس کے لیے جان مال سب کچھ قربان کر کے بھی یہی افسوس ہوتا ہے کہ ابھی کچھ ہوا ہی نہیں ۔ پھر ایمان کا تو مطلب ہی سب کچھ دے کر آخرت لینا ہے۔

جان دی! دی ہوئی اسی کی تھی　　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس دور میں ایمان والے مکہ میں اس کا ایسا نمونہ پیش کر رہے تھے کہ زمین سے لے کر آسمان تک ہر کوئی پریشان تھا، کہ اے خدا! یہ انسان ہیں یا پہاڑ، جن کے حوصلے کو دیکھ کر پہاڑ بھی پاش پاش!! جن کے صبر و استقامت کو دیکھ کر تو مصیبتوں، پریشانیوں کو بھی پسینے چھوٹ جاتے ہیں مار پیٹ، بھوک پیاس، طنز و طعنے، یہ سب تو خوشی، خوشی برداشت کر رہے تھے، اور اس کے لیے گزشتہ زمانہ میں اس دور کے ایمان والوں پر آنے والی پریشانیوں اور مصیبتوں کو قرآن کریم ایسے میٹھے اور شیریں انداز سے بیان کر رہا تھا جس کو پڑھ کر ایمان والے اندر ہی اندر صبر و ہمت کے ہمالیہ بنتے جا رہے تھے۔

کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے ایمان والوں کی مصیبتوں کا بیان، اور کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں آنے والی سختیوں کا تذکرہ، اور کہیں فرعون جیسے ظالم بادشاہ کو للکارنے والی حضرت آسیہؓ کی باتیں، اور کہیں صرف سو سال پہلے یمن کے ان سچے عاشقوں کا بیان، جو عشقِ الٰہی کی وجہ سے آگ کی خندقوں میں پک تو گئے، مگر ایمان کا سودا نہ کیا۔ یہ تھے وہ قصے جو ایمان والوں کو ایمان کی خاطر جان، مال سب کچھ چھوڑ دینے، وطن قربان کر دینے کا حوصلہ، جوش اور جذبہ بھی عطا کرتے تھے، اور حالات کے آگے جھک جانے، ہمت ہار جانے، بزدل ہو جانے سے روکتے بھی تھے۔ اس کے لیے ہمیں بھی سورہ اعراف، ھود، طٰہٰ، قصص، شعراء، بروج جیسی سورتیں بار بار پڑھ کر اپنے ایمان کو تازگی بخشنے کی ضرورت ہے۔

خیر! یہ سب کچھ تو ہو ہی رہا تھا، اچانک قرآن پاک میں گھر، خاندان، رشتہ دار اور وطن قربان کرنے کی آیتیں نازل ہونے لگ گئیں۔ پچھلے ایمان والوں کے ایمان پر وطن کو قربان کرنے کے قصے بیان ہونے لگ گئے، اور ساتھ ہی یہ بیان بھی کہ مالک الملک کے راستے میں ہجرت کر کے چل پڑنے والوں کے لیے غیب کے خزانوں کے دروازے کس طرح کھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر نازل ہونے والیں چند آیات آپ بھی پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کر لیجیے بل کہ اس کے لیے صرف سورہ عنکبوت کی یہ پانچ آیتیں پڑھتے چلیے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ☆ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ☆ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّھُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ☆ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ☆ وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّۃٍ لَّاتَحْمِلُ رِزْقَھَا اَللّٰہُ یَرْزُقُھَا وَاِیَّاکُمْ وَھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ☆

ترجمہ: اے میرے بندو! جو ایمان لا چکے ہو، بیشک میری زمین بہت کشادہ ہے؛ لہٰذا تم بس میری ہی عبادت کرو، ہر ایک جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم سب نے میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے، ہم ان کو جنت کی اونچی اونچی منزلوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، عمل کرنے والوں کا بدلہ کتنا اچھا ہے۔ جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے رہے؛ اور بہت سے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھا کر نہیں رکھتے، اللہ ان کو بھی روزی عطا کرتے ہیں اور تم کو بھی! اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔

(العنکبوت: ۵۶ تا ۶۰)

اس طرح کے مضمون کے بعد جب اس قربانی کے لیے بھی دل و دماغ تیار ہو گئے، تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ حکم آیا کہ جو ایمان بچانے کے لیے مکہ پاک کو چھوڑنا چاہتا ہے، اس کو چھوڑنے کی اجازت ہے، کہ وہ ہجرت کر لے، لیکن ہجرت کر کے جائیں کہاں؟ اس کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حبشہ (اتھوپیا) کا بادشاہ نجاشی عیسائی ہے، لیکن انصاف پسند، نرم مزاج، نرم دل انسان ہے، اس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، اچھی بات یہی ہے کہ اس کے ملک کی طرف ہجرت کی جائے۔

بارگاہ رسالت سے یہ اجازت تو مل گئی، لیکن گھر بار، بیوی بچے، رشتہ دار، خاندان، اپنا وطن، اپنا علاقہ، اپنا ملک سب کچھ قربان کر دینا کوئی آسان ہے!! سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے کی بات

ہے! یہ کتنی بڑی قربانی ہے! پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہ جہاں جانا ہے، وہاں نہ جان نہ پہچان، نہ گھر، نہ برادری، نہ کچھ کھانے کے لیے، نہ پینے کے لیے، اور دور کتنا؟ اللہ اکبر! ساڑھے پانچ ہزار کلومیٹر، پیدل اکیاون (۵۱) دنوں کا سفر! ہاں سمندری راستہ کچھ نزدیک تھا، لیکن بہت پر خطر، اور جانا بھی اسی راستے سے تھا، پھر کیا دل وجگر تھا ان حوصلہ مند، ان خوش قسمتوں کا جنھوں نے فوراً اعلان کر دیا، اے ایمان! اے عشق خداوندی! تجھ پر تن، من، جان سب کچھ قربان! یہ اعلان بھی یہی حضرات کر سکتے تھے؛ کیوں کہ یہ حضرات حضرت ہاجرہؓ (یعنی ہجرت کرنے والی) کے روحانی فرزند تھے، اور کتنے تو ان کی خاندانی اولاد میں بھی تھے، جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈھائی ہزار سال پہلے اپنے گھر شام سے پندرہ سو کلومیٹر دور اس ویران علاقہ میں اس وقت چھوڑ گئے تھے، جب یہاں نہ کچھ کھانے کے لیے تھا، نہ پینے کے لیے اور نہ کچھ رہنے کے لیے تھا، نہ کوئی دل بہلانے والا تھا؛ یعنی نہ آدم! نہ آدم ذات! بس ان کے ننھے معصوم فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، ہاں! بعد میں آب زمزم نکلا، بنو جرہم بسے، بستی بنی، مگر پہلے تو وہ بالکل اکیلی تھیں، پھر یہ انھی کی ہمت تھی، سبحان اللہ! آج بھی ان کے ہی فرزند اتنی بڑی قربانی دے سکتے تھے۔

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

جس وقت ایمان بچانے کے لیے ہجرت کا ذہن بن گیا، تو ۵ھ نبوی یعنی نبوت کے اعلان سے پانچویں سال گیارہ مرد اور پانچ عورتوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ تیار ہو گیا، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیکی رشتہ دار بھی تھے، بلکہ اس قافلے میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت رقیہؓ اور ان کے شوہر حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنھما بھی شامل تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے گھر سے قربانی کی ابتدا کیسے کی جا رہی تھی۔

یہ ۱۶ حضرات چھپ کر مکہ مکرمہ سے نکلے، کسی کو اس کی خبر ہوئے بغیر یہ حضرات جدہ کے قریب شعیبیہ سمندر کے کنارے بندرگاہ پر پہنچے، اللہ تعالیٰ کا کرم وہاں دو کشتیاں حبشہ جانے کے لیے

بالکل تیار کھڑی تھیں، یہ حضرات کشتی پر سوار ہو کر فوراً روانہ ہو گئے۔ مکہ کے مشرک سرداروں کو جس وقت معلوم ہوا، تو آدمی دوڑائے کہ کسی طرح ان کو پکڑ کر لاؤ، لیکن جب تک وہ پہنچتے کشتیاں جا چکی تھیں، مشرکین دانت پیستے واپس آ گئے، اور صحابہ کرام یہ طویل سفر کر کے حبشہ پہنچ گئے، اور آزادی کے ساتھ اپنے مالک کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ لیکن پردیس تو پردیس ہی ہے۔ یہ حضرات رجب کے مہینہ میں حبشہ گئے اور شوال تک کوئی چار ماہ حبشہ میں رہے، شوال میں اچانک یہ جھوٹی خبر کسی طرح حبشہ میں پھیل گئی کہ مکہ کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، اس پر یہ حضرات بھی خوشی میں واپس مکہ تشریف لے آئے، قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، لیکن اب کرتے بھی کیا؟ بہت پریشان ہوئے، کسی طرح چھپ چھپ کر یا کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ (عیون الاثر: ۱۱۶/۷، البدایہ والنہایہ: ۱۰۶/۳)

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

حبشہ سے اس واپسی پر مشرک اور شیر ہو گئے، پھر انہوں نے اور زوروں کے ساتھ ظلم شروع کر دیا، ان حالات کو دیکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دنوں کے بعد پھر حبشہ کی طرف ہجرت کا شوق دلایا، جس کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے ۸۲ مرد اور ۱۷ عورتوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اس بار پھر اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت رقیہؓ اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا کے بیٹے حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں، اس بار پھر قافلہ چھپتا چھپاتا کسی طرح سمندر کے راستے سے ہوتے ہوئے حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن مکہ کے مشرک سرداروں کو جس وقت معلوم ہوا کہ اتنی بڑی تعداد حبشہ پہنچ گئی اور اطمینان سے وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگ گئی ہے۔ وہ پھر غصے کی آگ میں پکنے لگ گئے، ان کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا، انہوں نے پھر خاندان کے بڑے لوگوں کو بٹھایا اور

صلاح مشورہ کر کے اپنے دو آدمی عمرو بن العاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کو قیمتی تحائف دے کر حبشہ روانہ کیا۔ یہ دونوں حبشہ پہنچ کر پہلے بادشاہ سے ملنے کے بجائے اس کے دربار کے کچھ عہدے داروں سے ملے، پھر انہیں یہ رشوت دے کر اور خوش کر کے ان کے آگے اپنا مقصد رکھا کہ ہمارے علاقے کے کچھ بے وقوف لوگ ہیں جنہوں نے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے، اور آپ کا عیسائی مذہب بھی قبول نہیں کیا ہے؛ بلکہ کوئی اور ہی نیا دین نکال لیا ہے، وہ ہمارے علاقے سے بھاگ کر آپ کے ملک میں آئے ہیں۔ ہمیں ان کے وارثوں نے بھیجا ہے کہ ہم انہیں واپس لے جائیں، برائے مہربانی آپ بادشاہ کے پاس ہماری سفارش کر دیں؛ تاکہ وہ ان کو پکڑ پکڑ کر ہمارے حوالے کر دے، انہوں نے تو رشوت لی ہوئی تھی، وہ فورا تیار ہو گئے، ان دونوں حضرات کی کوشش تھی کہ بادشاہ ان مسلمانوں سے ملاقات نہ کرے، نہ ان کی بات سنے، کہیں اس پر بھی اس سچے دین کا اثر نہ ہو جائے، لیکن دوسرے دن درباریوں نے جس وقت ان کی ملاقات بادشاہ سے کروائی، اور انہوں نے وہی باتیں اور بھی بڑھا چڑھا کر بادشاہ سے کہیں، بادشاہ نے کہا: ''بلاؤ ان لوگوں کو! تاکہ میں خود ان سے بات کر کے اصلیت معلوم کر سکوں'' درباریوں نے زور لگایا کہ انہیں بلانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن بادشاہ نے کہا: ''کچھ لوگ ہمارے ملک میں داخل ہوتے ہیں، ہماری پناہ لیتے ہیں، ہم ایسے ہی انہیں کسی کے حوالے کر دیں'' مسلمانوں کو جس وقت دربار میں بلایا گیا، ذرا پریشان ہو گئے، ہم کیا کریں؟ آخر کار مشورے سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بات کرنے کے لیے تیار کیے گئے، اور فیصلہ ہوا کہ کچھ بھی ہو جائے، بات وہی کہنی ہے جو خدا کے دین کے مطابق ہو، دربار میں پہنچے، شاہی طریقے کے مطابق سجدہ نہیں کیا، بلکہ خالص اسلام کے طریقے سے سلام کر کے بیٹھ گئے، اس پر درباریوں نے بادشاہ کو بھڑکانے اور غصہ دلانے کی کوشش کی، بادشاہ نے خود بھی پوچھا: ''آپ حضرات نے سجدہ کیوں نہیں کیا''؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک شخص کو پیدا فرمایا، ہم نے ان کے دین کو قبول کر لیا، انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے سے منع

فرمایا ہے، ہم انہیں بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں''، پھر بادشاہ کے سوال پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کا مندرجہ ذیل زبردست تعارف کرایا: (ابن ہشام: ۱/۲۵۳)

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر اور اس کا اثر

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بادشاہ سلامت! ہم سارے جاہل اور نادان تھے، بتوں کو پوجتے اور مردار کھاتے تھے، طرح طرح کی بے حیائیوں میں پھنسے ہوئے تھے، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے اور پڑوسیوں کا حق کھاتے تھے۔ ہم میں جو بڑا تھا وہ چھوٹوں پر ظلم کرتا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ ہم پر اللہ رب العزت نے اپنا فضل فرمایا، ہم میں سے ہی ایک شخصیت کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا، جن کے خاندان اور برادری کو ہم اچھی طرح جانتے تھے، ان کی سچائی، امانت داری اور پاک دامنی سے بھی واقف تھے، انہوں نے ہمیں اللہ کے دین کی دعوت دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایک مانیں، ایک جانیں، اور بس اسی کی عبادت کریں، جن پتھروں اور بتوں کو ہمارے دادا پر دادا پوجا کرتے تھے ان کو بالکل چھوڑ دیں، اور سچائی، امانت داری اور پاک دامنی کا راستہ پکڑ لیں، اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، کسی کا بھی ناحق خون نہ کریں، بے حیائی کے کاموں سے دور رہیں، یتیموں کے مال کو حفاظت سے رکھیں، اور اس کو کھانے کا خیال بھی نہ کریں کسی پاک دامن نیک آدمی پر جھوٹا بہتان نہ لگائیں، بس ایک اکیلے اللہ کی عبادت کریں، کسی کو اس کا ساتھی اور شریک نہ مانیں، نماز پڑھیں، زکوۃ دیں''۔ اسی طرح کی اور بھی بہت ساری باتیں ہیں جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائیں۔ جنکی تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔

پھر فرمایا: ''بس انہی باتوں پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی، ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگ گئی، تاکہ ہم ایک اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر پھر اسی پچھلی بے حیائی میں پھنس جائیں، تب ہم نے اپنا دیس چھوڑ دیا، اور آپ کے دیس میں اس امید پر آئے کہ ہم پر ظلم نہ ہو سکے گا'' اس پر نجاشی نے

کہا: ''کیا تمہارے پاس اس کلام میں سے کچھ ہے جو تمہارے نبی پر نازل ہوتا ہے؟ ہمیں بھی اس میں سے کچھ سنایئے!'' اس پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کا شروع کا حصہ پڑھ کر سنایا، جس کے اثر سے سارے درباریوں اور بادشاہ کی آنکھوں سے آنسوں کی لڑیاں جاری ہوگئیں۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی ڈاڑھی تر ہوگئی، تلاوت ختم ہوئی، تو نجاشی نے کہا: ''یہ کلام، اور جو حضرت عیسی علیہ السلام لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی نور سے نکلے ہیں، اور قریشی وفد کو صاف صاف کہہ دیا: ''کہ میں کبھی بھی انہیں تمہارے حوالے نہیں کرسکتا''۔ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''جاؤ! تم خوشی کے ساتھ رہو۔

باہر نکلتے نکلتے عمرو بن عاص نے کہا: ''کل میں ایسی بات کہوں گا کہ بادشاہ انہیں ختم ہی کردے گا'' دوسرے ساتھی نے کہا: ''ارے یہ ہمارے خاندان ہی کے تو ہیں، ایسی کوئی بات نہ کرنا''! لیکن عمرو نے کوئی بات نہیں سنی۔ دوسرے دن وہ بادشاہ کے دربار میں پھر سے کھڑا ہوگیا، اور کہنے لگا: ''بادشاہ سلامت! اجازت ہو تو ایک بات کہوں'' اس نے کہا بتاؤ کیا کہنا ہے''؟ عمرو بن العاص نے کہا: ''باقی باتیں تو رہنے دو، لیکن یہ تو حضرت عیسی علیہ السلام کی شان میں بھی گستاخی کے الفاظ کہتے ہیں'' نجاشی نے پھر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو بلایا، وہ بہت پریشان ہوگئے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اگر ''خدا کا بیٹا'' کہیں، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں گے، اور ہجرت کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہے گا، اور اگر اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا نبی کہیں، جو بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت سے پیدا ہوئے، تو بادشاہ ناراض ہوسکتا ہے!! آخر کار فیصلہ ہوا کہ وہی بات کہنی ہے جو قرآن پاک میں نازل ہوئی، پھر جس وقت صحابہ کرام شاہی محل میں پہنچے، نجاشیؓ نے پوچھا: ''تم حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو''؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم وہی کہتے ہیں جو بات ہمارے نبی نے فرمائی، جو قرآن کریم نے کہی کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے نبی ہیں، اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا خاص کلمہ ہیں''۔ اس پر نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا: ''خدا کی قسم! جو کچھ مسلمانوں نے

کہا، حضرت عیسی علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں تھے''۔ یہ سن کر کچھ درباری تو آگ بگولہ ہونے لگے، بادشاہ نے کہا: ''تم چاہے کتنی ہی تیوریاں چڑھالو، لیکن سچ یہی ہے، اور میں مسلمانوں کو کسی کے حوالے نہیں کرسکتا'' ساتھ ہی مسلمانوں سے کہا: ''جاؤ تم خوشی سے رہو، میں سونے کا پہاڑ لے کر بھی تمہیں کوئی تکلیف نہیں دے سکتا''۔ قریشی وفد نے کچھ تحفے تحائف بادشاہ کو بھی دیے تھے، وہ سارے واپس دے کر کہا: ''یہاں سے چلے جاؤ''۔ اس طرح بہت ذلت سے وہاں سے نکلے، اور دانت پیستے ہوئے مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔

(ابن ہشام: ۱/۱۱۱ تا ۱۱۴)

اس کے بعد مسلمان حبشہ میں چین وسکون اور امن وآرام کے ساتھ رہتے رہے، یہاں تک کہ انھیں مدینہ منورہ کی ہجرت کے بارے میں معلوم ہوگیا، لیکن ۲۴ آدمی تو آ گئے، جو غزوہ بدر میں بھی شامل ہوئے، باقی حضرات حبشہ میں ہی مقیم رہے وہ ۷ ھ میں غزوہ خیبر کے موقعہ پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی امارت میں واپس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کو خوب مبارک بادی دی، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ معانقہ بھی فرمایا، اور فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ مجھے حضرت جعفرؓ کی آمد پر خوشی زیدہ ہے یا فتحِ خیبر پر!

امام طبرانیؒ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جس وقت حضرت جعفرؓ واپس آنے لگے، نجاشی نے سب کے سفر کا خرچہ تیار کیا، اور ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف اور ہدیے پیش کیے، ایک آدمی کو بھی ساتھ بھیجا تا کہ خیر خیریت لے کر آئے اور یہ بات بھی کہی کہ میں جو کچھ کررہا ہوں اس کی خبر حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دینا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتانا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہی دیتا ہوں، اور اس بات کی بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے رسول ہیں، اور میری یہ گزارش ہے کہ میری بخشش کی دعا فرمائیں۔

جس وقت یہ قافلہ پہنچا اور انہوں نے یہ سب باتیں بتائیں! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھے، وضو فرمایا پھر تین بار یہ دعا فرمائی: ''اے خدا! نجاشی کی بخشش فرما، اے خدا! نجاشی کی

بخشش فرما! اے خدا! نجاشی کی بخشش فرما''۔ (سیرت نبوی از ذہبی:۱۲۱)

شیر خدا حضرت حمزہؓ بھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر

ایمانی آزمائشوں کی یہی بھٹی گرم تھی کہ ایک دن ابوجہل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت گالیاں دیں، بلکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر بھی مارا! جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک زخمی ہوگیا، یہ سب عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے دیکھ لیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس وقت شکار کے لیے گئے ہوئے تھے، آپؓ بہت باہمت اور بہادر تھے۔جس وقت گھر آئے، اس لونڈی نے آتے ہی کہا: ''کیا آپ کو معلوم ہوا''؟ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کس کے بارے میں''؟ اس نے کہا: ''آج ابوجہل نے آپ کے بھتیجے کو ایسے ایسے گالیاں دیں، اور دوسروں نے بھی ان کا مزاق بنایا، کسی نے ان کی مدد نہ کی'' اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سخت غیرت میں آگئے، آپؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بس دو تین سال ہی بڑے تھے، اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت گہری دوستی بھی تھی۔فوراً اپنی تلوار، کمان اور ترکش لے کر حرم پاک پہنچ گئے، ابوجہل دوستوں کے ساتھ مجمع لگا کر بیٹھا ہوا تھا، سیدھے اس کے سر کے پاس جاکر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''کمینے! تو میرے بھتیجے کو ایسا ایسا کہہ رہا تھا! تو خود کو کیا سمجھتا ہے! سن اور غور سے سن! میں نے ایمان قبول کرلیا ہے، جو تیرے بس میں ہے وہ کرلے! یہ کہتے ہی اپنی کمان سیدھی اس کے سر پر ماردی، اس کے سر میں سے گندا خون پھوٹ پڑا، لوگوں نے کچھ شور وشرابا شروع کیا، لیکن ابوجہل ماحول کو تاڑ گیا، اس نے سوچا ایسے تو مسلمانوں کے حمایتیوں میں اضافہ ہوسکتا ہے۔اس نے کہا: ''کوئی بات نہیں، حمزہ میرا بھائی ہے، اس وقت یہ غصہ میں ہے اسے کچھ نہ کہو''۔ (ابن ہشام:۱/۲۲۵)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سیدھے ارقم ابن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہؓ، اپنے چچا، اپنے رضاعی بھائی کے مسلمان ہونے پر بہت خوش ہوئے، اور

بعد میں ان کی بہادری پر ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''حَمـزَۃُ اَسَدُاللہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ'' کے اعزاز سے نوازا یعنی حمزہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے شیر ہیں۔

خطاب کے بیٹے عمرؓ بھی رحمتوں کے سائے میں

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر مکہ میں کہرام مچ گیا، بنی ہاشم میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی بہادر نہیں تھا، ابولہب بھی کسی کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا، اب کیا ہوگا؟ دوسرے قبیلے بھی کہنے لگے: سنو! سنو! اب کسی مسلمان پر سوچ کر ہی ہاتھ اٹھانا، اب وہ اکیلے نہیں ان کے ساتھ حمزہ جیسے پہلوان بھی ہیں! ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید جیسے بڑے بڑے سردار بھی ان حالات سے سہم گئے۔ ان کو احساس ہوگیا کہ ایسے موقع پر تو خاندان کا آپسی تعلق اور بندھن بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ اس لیے انھوں نے پھر خاندان کی پنچائیت بٹھائی، بڑے بڑے سرداروں نے جوشیلی تقریریں کیں، یہاں تک کہ کچھ نے تو جوش میں یہ بھی کہہ دیا کہ: ''جب تک (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں، تب تک یہ فتنہ ایسے ہی رہیگا، اس لیے کوئی ایسا نوجوان چاہیے جو ان کا ہی (نعوذ باللہ) کام تمام کردے، تب ہی بات بنے گی''، اس پر نوجوانوں کو جوش تو آیا مگر ''اس میدان کو مارے کون''؟

اس وقت خطاب کے بیٹے عمرؓ کھڑے ہوئے کہ میں یہ کام کروں گا، پھر کیا تھا ہر طرف سے تالیوں کی گونج اٹھی، بیشک! آپ ہی یہ کام کر سکتے ہیں، ابوجہل جیسوں نے اور تھپکی دی ہوگی.

ادھر اللہ کی شان، اور اس کی قدرت دیکھیں! گزشتہ رات ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مالک کے سامنے دامن پھیلا کر، ہاتھ اٹھا کر آنسوں بہا کر اپنے مالک سے یہ دعا مانگ رہے تھے: ''اے پیارے اللہ! مکہ میں دو شخص ہیں، ایک خطاب کا بیٹا عمر، اور دوسرا ہشام کا بیٹا ابوالحکم یعنی ابوجہل! تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے کرم سے ایمان نصیب فرما کر اسلام اور مسلمانوں کا معاملہ مضبوط کردے''! ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد خاص حضرت عمر رضی اللہ

عنہ کے لیے بھی دعا فرمائی۔ (دلائل النبوۃ:۲/۲۱۶)

اس دعاء پر صحابہ کرامؓ حیران و پریشان تھے کہ جو قتل کی بات کرتے ہیں ان کو ہدایت ہوگی کیا؟ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل اندر سے ٹوٹ چکا تھا، کیوں کہ وہ صاف دل انسان تھے، ان کو معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ دین ہے کیا؟ حق ہے کیا؟ اور مجھے ایسے وقت میں کرنا کیا چاہیے؟ وہ خود فرماتے ہیں: ''ایمان سے کچھ پہلے ایک رات میرے دل میں آیا، رات آدھی سے زیادہ گزر گئی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت خانہ کعبہ کے پاس عبادت کر رہے ہوں گے، ذرا چل کر دیکھتا تو ہوں، آخر یہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ تنہائی میں گہرے طریقہ سے اس پر غور کرنے کے لیے میں چپکے چپکے خانہ کعبہ کے پاس گیا، پھر خانہ کعبہ کی دیوار اور پردے کے بیچ میں اپنے آپکو چھپا لیا تاکہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ نہ سکیں، وہ آرام سے پڑھتے رہیں اور میں اس پر غور کروں

پھر کیا ہوا، تھوڑی دیر بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، نماز شروع فرما دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الحاقہ پڑھنی شروع فرمائی، میں قرآن پاک کی گہرائی میں غوطہ لگانے لگ گیا، مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں زمین سے اٹھالیا گیا ہوں، یہاں تک کہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شاعر تو نہیں ہیں! لیکن عجیب شاعری ہے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے رکوع کی آیت:

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ☆ پڑھی۔

ترجمہ:- یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ میں حیران ہو گیا، خدایا! میں نے دل میں سوچا تھا کہ یہ کلام شاعری ہے، یہ جواب دیتے ہیں ''یہ کسی شاعر کا کلام نہیں''۔ یہ کیا ہے آخر؟ پھر کاہن تو نہیں ہیں! ان کو میری بات کیسے معلوم ہوگئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی آیت''

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ كَاهِنٍ''☆ پڑھی

ترجمہ:- یہ کاہن کا کلام نہیں ہے۔ تو میں چپ ہو گیا آخر راز کیا ہے؟ بس میرا دل تو اسی وقت ٹوٹ گیا تھا۔ (سیرت نبوی از ذہبی:۱۰۲)

پھر قتل کا ارادہ کر کے جس وقت میں ہاتھ میں تلوار لے کر گھر سے نکل گیا، اور کچھ دور جا کر

میری ملاقات راستے میں حضرت نعیم ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی انہوں نے پوچھا عمر! آج بہت غصے میں ہو، کیا بات ہے؟ میں نے کہا: ''آج فیصلہ کرلیا ہے، یہ جن کی وجہ سے گھر گھر میں لڑائی جھگڑا لگا ہوا ہے، ان کا کام تمام کرنا ہے''۔ اس پر انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی کچھ حمایت کی باتیں کیں، میں نے کہا: ''لگتا ہے تمہارا دماغ بھی خراب ہے، چل پہلے تیرا ہی کام کردیتا ہوں''، انہوں نے کہا: ''پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے''! میں نے کہا: ''کیا مطلب!'' انہوں نے کہا: ''تیری بہن فاطمہؓ اور تیرے بہنوئی سعیدؓ مسلمان ہوچکے ہیں، پہلے ان کو تو پوچھ!''، پھر تو غصے سے میرا سینہ پھٹنے لگا، میں سیدھا بہن کے گھر گیا، دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے کچھ پڑھنے کی آواز آرہی تھی، تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا، میں نے کہا: ''تم کیا پڑھ رہے تھے؟'' بہنوئی نے کہا: ''کیا پڑھ رہے تھے!'' اس پر میں نے یہ کہتے ہوئے کہ مجھے معلوم ہے تم مسلمان ہوگئے ہو، بہنوئی کو مارنا شروع کردیا، بہن چھڑانے کے لیے آگئی، میں نے انہیں بھی تھپڑ ماردیا، اس پر بہن غصے میں آگ بگولہ ہوگئیں، اور کہنے لگیں: ''عمر! جس باپ کا تو بیٹا ہے میں بھی اسی کی لختِ جگر ہوں! بیشک ہم مسلمان ہوگئے ہیں، آخر ہماری غلطی کیا ہے، کرلے جو تو کرسکتا ہے''۔

ان کی اس بات پر مجھے کچھ شرم سی محسوس ہوئی، اپنے کیے پر پچھتانے لگا، میں نے کہا: ''اچھا دکھاؤ آپ کیا پڑھ رہے تھے''۔ بہن نے کہا: ''آپ شرک کی گندگی کی وجہ سے ناپاک ہو، پہلے نہا کر آؤ، پھر رب کا کلام ہاتھ میں لو''، میں نہا کر آیا، تبھی ایک بزرگ صحابی حضرت خباب رضی اللہ عنہ اٹھے، جو ان کو قرآن کریم پڑھا رہے تھے، اور میری آواز سن کر چھپ گئے تھے، وہ باہر آگئے اور کہنے لگے: ''عمر! خوش ہوجاؤ! گزری رات، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی تھی جو قبول ہوگئی ہے''۔

جو اوراق اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیے گیے، مشہور روایت کے مطابق ان میں سورہ طٰـہٰ لکھی ہوئی تھی۔ بس شروع کی کچھ آیتیں پڑھیں، کہ ان کا نور دل میں اتر گیا، فرمانے لگے: ''مجھے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو''! دارِ ارقمؓ پہنچے، دروازہ کی دراڑ میں سے کسی نے باہر

دیکھا اور کہا: ''عمر آرہے ہیں! کچھ ڈر اور خوف ہوا، کہ پتا نہیں اللہ خیر کرے، کیوں آئے ہیں؟ اتنے میں شیرِ خدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بولے: ''آنے دیجئے! اگر اچھی نیت ہوئی تو سبحان اللہ! اور اگر بری نیت ہے تو ان کی تلوار سے ہی ان کا کام کردوں گا، دروازہ کھولا گیا! اندر تشریف لائے! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر استقبال فرمایا، مبارک باد دی، اور ایمان نصیب ہوگیا۔ (ابن ہشام: ۲۶۰/۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت رنگ لائی

ویسے تو اس وقت ایک بڑی تعداد مسلمان ہوچکی تھی، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ سے کیوں مانگ رہے تھے، اس کا پتا ان کے ایمان لانے کے بعد چلا، اب تک چاہے کتنے بھی مسلمان تھے، لیکن وہ چھپ چھپا کر اپنے مالک کی عبادت کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، پہلا دن تو جیسے بھی گزرا گزر گیا، دوسرے دن صبح ہوتے ہی مکہ کے ایک شخص جمیل بن معمر کے پاس گئے، جس کو کبھی کوئی بات ہضم نہیں ہوتی تھی، اس سے فرمانے لگے: ''تجھے کچھ پتا بھی ہے؟''اس نے کہا: ''کیا؟'' آپؓ نے فرمایا: ''خطاب کا بیٹا ''عمر'' مسلمان ہوگیا ہے'' یہ سن کر اس پر تو جیسے بجلی گر گئی ہو، ٹکٹکی باندھ کے ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگ گیا، پھر اس نے وہ چادر اپنے کندھے پر ڈالی جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا، اور چل پڑا، گلی، گلی، محلّہ، محلّہ ایک، ایک شخص سے ملاقات کرتا اور کہتا بھائی سنو! خطاب کا بیٹا عمر بے دین ہوگیا ہے، اس کے پیچھے پیچھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی چلتے ہیں اور کہتے ہیں: ''لوگو سنو! یہ جھوٹ بولتا ہے، خطاب کا بیٹا عمر سچا دین قبول کر کے مسلمان ہوگیا ہے۔

اس طرح وہ دونوں چلتے چلتے حرم پاک میں پہنچ گئے، جہاں قریشی سردار کل کی بات پر تبصرہ کر رہے تھے، کہ کیا ہوا؟ کوئی نئی خبر نہیں آئی؟ یہاں لوگوں کو جیسے ہی خبر ملی تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی عمرؓ تھے، ڈٹ کر مقابلہ کیا، یہاں تک کہ لوگ خود ہی

تھک ہار کر بیٹھ گئے، پھر عاص ابن وائل سہمی نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا جس کی وجہ سے سارے مشرک چپ ہو گئے۔ پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچے، عرض کیا: ''حضرت ہمارا دین سچا ہے! پھر ہم چھپ کر کیوں بیٹھے ہیں؟ چلو حرم میں چل کر نماز پڑھیں گے'' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے بھی فرمایا: ''حمزہ! اٹھو دو صفیں بناتے ہیں: ایک کے آگے آپ چلو، اور دوسری کے آگے میں، بیچ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، پھر دیکھ لیں گے کون ہمارے مقابلے میں آتا ہے؟ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حرم پاک پہنچ گئے کسی کو مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، اور پہلی بار سب مسلمانوں نے حرم پاک میں ایک ساتھ مل کر نماز پڑھی۔

پھر کیا تھا مکہ مکرمہ میں شور مچ گیا، ایک زلزلہ آ گیا، جہاں دیکھو بس ایک ہی بات چل رہی ہے کہ مسلمان تو اب کھلے میدان میں آ گئے ہیں!! اب لات، عزٰی، ہبل اور مناۃ کا کیا ہوگا؟ مشرک غصہ سے پاگل ہو گئے، جس کی وجہ سے کمزور مسلمانوں کی شامت آ گئی، ان پاگلوں کو جہاں کوئی کمزور مسلمان ملتا، وہیں اس پر ٹوٹ پڑتے، بلکہ وہ مسلمان، جن کو ان کے خاندان کنبہ وغیرہ کی پناہ تھی، ایسے بھی واقعات پیش آئے کہ ان کے خاندان کو ساتھ لے کر ان پر بھی ظلم وستم ڈھائے گئے۔ (سیرت نبوی از ذہبی: ۱۰۲تا۱۰۹)

بنی ہاشم کا گھرانہ اور شعبِ ابی طالب کی ناکہ بندی

قریشی سرداروں سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کچھ ہو سکتا تھا انہوں نے کیا؛ لیکن وہ اپنے مشن میں بری طرح ناکام ہو رہے تھے، ان کی مار پیٹ کی وجہ سے کسی ایک نے بھی اسلام نہیں چھوڑا، بل کہ ہر روز مسلمان بڑھتے ہی جا رہے تھے، حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بعد سے، حرم پاک میں اعلانیہ نماز بھی ہونے لگ گئی تھی، حبشہ میں بھی مسلمان بالکل آرام سے رہنے لگ گئے تھے، ان کے آدمی وہاں سے بھی ناکام واپس لوٹے تھے۔

یہ سب حالات دیکھ کر قریشی سرداروں نے ایک بہت ہی سخت قدم اٹھایا، ساری برادری اور

خاندان نے مل کر فیصلہ کیا کہ ہم سب ہی بنی ہاشم کا حقہ پانی بند کردیں گے، نہ ان کو کسی خوشی غمی کے موقع پر بلائیں گے، اور نہ ہی شادی بیاہ میں کوئی رشتہ ان سے کریں گے، نہ ان سے کچھ خریدیں گے، اور نہ ان کو کچھ بیچیں گے، یہاں تک کہ یہ مجبور ہو کر محمد-صلی اللہ علیہ وسلم- کو ہمارے حوالے کردیں تاکہ ہم ان کو قتل کرسکیں، اس فیصلہ پر ایک عہد نامہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکایا گیا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بیشک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن ہر مصیبت میں ساتھ ساتھ رہتے تھے، انہوں نے سارے خاندان ہاشمی کو جمع کیا، سب ایک ہوگئے، سوائے ابولہب کے بنی ہاشم میں سے اور کوئی باہر نہیں رہا، پھر ابوطالب سارے خاندان کو لیکر شعب ابی طالب نام کی ایک وادی میں چلے گئے، جو صفا مروہ سے کچھ پیچھے تھی، یہ عہد نامہ محرم کے مہینہ میں نبوت سے ساتویں سال یعنی محرم الحرام ۷ نبوی میں لکھا گیا تھا، اس کے بعد ۱۰ نبوی تک یعنی پورے تین سال بنی ہاشم کا سارا خاندان اور دوسرے مسلمان بھی اسی وادی اور درے میں ایک طرح سے قید ہوگئے تھے، اپنے پاس جو کچھ بھی تھا وہ بہت جلد ہی ختم ہوگیا تھا، اس کے بعد نہ کوئی کچھ لیتا نہ دیتا، باہر سے اگر کوئی قافلہ غلہ بیچنے آتا، تو ابولہب گھوم گھوم کر ہر جگہ اعلان کرتا کہ: ''مسلمانوں کو کچھ نہیں بیچنا، اور اگر بیچنا ہی چاہتے ہو تو دوگنی قیمت لگا کر بیچو''۔

(سیرت نبوی از ذہبی: ۱۴۰)

اس سے سخت قحط کا سماں پیدا گیا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک دن کا اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ سخت بھوک اور پریشانی میں ایک بار میں رات قضائے حاجت کے لئے باہر نکلا، میرے پاؤں کے نیچے اونٹ کے چمڑے کا ایک ٹکڑا سا آیا، اللہ ہی جانے کب کا پڑا ہوا تھا؟ میں نے پانی سے دھویا، پھر آگ میں پکایا، پھر اس کو پیس کر آٹا بنالیا، اور تین دن تک اس کو پانی سے کھا کر گزارا کیا''۔ اللہ اکبر! بچے بھوک کی وجہ سے جب روتے اور تڑپتے تھے، تو مشرک ان کی آواز سن کر قہقہے لگاتے تھے کہ اب ان کو مسلمان ہونے کا مزا آئے گا، لیکن کچھ لوگوں کو ترس بھی آتا تھا، خاص کر جن کے رشتہ دار موجود تھے، وہ رشتہ داروں کے لیے کچھ بھیج دیا کرتے تھے، اسی طرح

کا ایک واقعہ ہے کہ:

ایک دن حکیم ابن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے لیے کچھ غلہ اور دوسرا سامان لے کر جا رہے تھے کہ اچانک راستہ میں ابوجہل ملعون مل گیا، اس نے کہا: ''اچھا! تم بنی ہاشم کے لیے غلہ لے کر جا رہے ہو؟ میں تمہیں بالکل نہیں لے جانے دوں گا، بلکہ مجمع میں ذلیل کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ کہیں سے ابوالبختری نام کا ایک سردار آ گیا، اس نے ساری بات سنی، پھر ابوجہل سے کہا: ''کوئی آدمی اپنی پھوپھی کے لئے کچھ لے جانا چاہتا ہے تو، تو اس کو روکتا ہے؟'' اس پر ابوجہل کو غصہ آ گیا، بات بڑھ گئی، ابوالبختری نے اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر اس کے سر میں دے ماری، جس سے وہ زخمی ہو گیا، ادھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شعبِ ابی طالب سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، ابوجہل اس پر بہت شرمندہ ہوا کہ دشمنوں کو پتا لگ گیا ہے۔

اسی طرح کی تکلیفوں کو دیکھ کر کچھ لوگوں نے یہ معاہدہ توڑنے کی کوشش کی، لیکن قومی ایکتا، اور جوڑ، ایسا تھا کہ اس کی مخالفت کوئی آسان بات نہ تھی، ایک دن ہشام بن عمرو کو یہ خیال آیا کہ ہم پیٹ بھر بھر کر کھاتے ہیں، اور ہمارے رشتہ دار دانہ دانہ کے لئے ترستے ہیں!! کہیں سے ایک اونٹ غلہ لے کر شعبِ ابی طالب پہنچایا۔ ایک اور دن ہشام ابن عمرو زہیر بن امیہ کے پاس گیا، زہیر عبدالمطلب کا نواسہ لگتا تھا، اس نے کہا: ''افسوس ہے! تم تو اپنے گھروں میں کھاؤ پیو، اور تمہارے ماموں کے بیٹے شعبِ ابی طالب میں بھوکے پیاسے رہتے ہیں''! زہیر نے کہا: ''میں بہت دکھی اور پریشان ہوں، لیکن اکیلا ہوں، کیا کروں؟ افسوس! کبھی ایک شخص بھی میرا حمایتی ہوتا''! ہشام وہاں سے اٹھا، اس نے مطعم بن عدی، پھر ابوالبختری اور زمعہ بن اسود کو اپنا ہم خیال بنایا، اس طرح یہ پانچ شخص ہو گئے، پھر انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر میٹنگ کی، زہیر نے کہا: ''کل جس وقت سارا مجمع جمع ہوگا، اس وقت پہلے میں بات شروع کروں گا، تم میری حمایت کرنا۔

دوسرے دن جس وقت حرم پاک میں سارے سردار جمع ہو گئے، زہیر بن امیہ نے کہا: ''بھائیو! کیوں! آپ کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ آپ گھروں میں آرام سے رہیں، کھائیں پئیں،

اور بنی ہاشم لقمہ لقمہ کے لیے تڑپیں؟ یہ کتنا بڑا ظلم ہے! خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ عہد نامہ پھاڑا نہ جائے گا، یہ ظالم معاہدہ ختم نہ کیا جائے گا میں چپ نہیں بیٹھوں گا'' ابوجہل فوراً بولا: ''یہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا'' اس پر زمعہ ابن اسود نے کہا: ''ضرور پھاڑا جائے گا'' پھر ابوالبختری، پھر مطعم ابن عدی، پھر ہشام سب نے یہی بات کہی، ابوجہل مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر حیران ہوگیا، اور کہنے لگا: ''مجھے تو یہ رات کا کیا ہوا مشورہ لگتا ہے، اسی تو، تو، میں، میں کے دوران یہ مجلس اُٹھ گئی۔

(البدایہ والنہایہ:۱۳۱/۳)

معاہدے کی تحریر کو دیمک چاٹ گئی

یہاں مکہ میں یہ شور مچا ہوا تھا، وہاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا ابوطالب کو وحی کے مطابق یہ خبر دی کہ معاہدے کے کاغذ سے تحریر و لکھائی کو دیمک صاف کر چکی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں بچا ہے، بس جو شروع میں اللہ کا نام ''باسمک اللھم'' تھا وہ باقی ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔

ابوطالب نے یہ خبر قریشی سرداروں کو دی، ساتھ ہی کہا: ''میرے بھتیجے نے نہ کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہی کبھی اس کی کوئی بات جھوٹی ثابت ہوئی، آؤ اسی پر فیصلہ کرتے ہیں، اگر وہ معاہدہ ہی ختم ہوگیا ہے تب تم بھی ظلم سے باز آؤ! اور خدا نہ کرے اگر یہ خبر جھوٹی ہے، تو پھر میں خود اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دوں گا، پھر جو مرضی وہ کر لینا''۔ قریشی سرداروں نے کہا: ''یہ بات واقعتاً بڑے انصاف کی ہے''۔ منگاؤ کاغذ! کاغذ منگوایا گیا، خدا کی قدرت وہ بالکل اسی طرح تھا جس طرح سچی خبر دینے والے حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، سارے حیران ہوگئے، ابوجہل شور مچانے لگا نہیں نہیں، یہ جادو کر دیا ہے، لیکن اس کی کسی نے سنی نہیں، اس طرح پورے تین سال کے بعد ۱۰ نبوی میں شعبِ ابی طالب سے باہر آنا مقدر ہوگیا، ابوطالب نے اسی موقع پر ایک بڑا دردناک قصیدہ بھی لکھا۔

یادرہے! شعب ابی طالب میں ایمان والے پورے تین سال بندرہے، اس لمبے عرصہ کے ان چند واقعات کے علاوہ کتب سیرت وتاریخ میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں، غالبًا یہ تین سال ایسے دکھوں اور دردوں سے دوچار رہے کہ ان کو نہ کوئی زبان بیان کرسکی اور نہ کوئی قلم لکھ سکا، اور اگر وہ سب کچھ محفوظ رہ جاتا تو کسی میں اس کے سننے کی تاب بھی نہ ہوتی۔ دیکھئے!

(سیرت نبوی از ذہبی: ۱۴۰-۱۴۱)

حضرت ابوبکر صدیق کی ہجرت اور پھر واپسی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیشک بڑے گھر کے اور مضبوط خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے مکہ میں ان کے اونچے اخلاق کی وجہ سے ان کی عزت بھی بہت تھی، لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ مشرکین کے ظلم سے وہ بھی بچے ہوئے نہیں تھے، ایسے حالات میں انہوں نے بھی مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ فرمالیا، لیکن سمندری مشہور راستے کے بجائے انہوں نے یمن والے راستے کا انتخاب کیا، مکہ سے چل کر وہ کوئی پانچ دن کی مسافت طے کرتے ہوئے یمن کے علاقہ برق الغماد تک پہنچ گئے، یہاں ان کی ملاقات قبیلہ قارہ کے سردار ابن دغنہ سے ہوگئی، اس نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا: ''تیری قوم قریش نے مکہ چھوڑنے پر مجبور کردیا ہے، اب جارہا ہوں، جہاں اپنے مالک کی آزادی سے عبادت کرسکوں، وہیں جاؤں گا''۔

اس نے کہا: ''افسوس کی بات ہے کہ آپ جیسا آدمی مکہ سے چلا جائے! پھر پیچھے کیا رہ جائے گا، آپ نہ تو خود جاسکتے ہیں، اور نہ مکہ سے نکالے جاسکتے ہیں! آپ واپس چلیے میں آپ کو اپنی پناہ میں لے لوں گا'' یہ کہہ کر اس نے واپس کرلیا، مکہ پہنچ کر اس نے قریشی سرداروں سے ملاقات کی، انہیں غیرت دلائی کہ ابوبکر جیسا شخص مکہ سے جارہا ہے؟ پھر خانہ کعبہ کا طواف کیا، اور طواف کے بعد مکہ کے چودھریوں اور سرداروں سے کہا: ''تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ ابوبکر جیسا آدمی تو نہ خود نکل سکتا ہے، اور نہ انہیں نکالا جاسکتا ہے، تم ایسے شخص کو مکہ سے نکالتے ہو جو کمزوروں کی مدد کرتے

ہیں، جو رشتہ داریوں کو جوڑ کر رکھتے ہیں، جو دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، جو مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، جو حقیقی مصیبتوں اور پریشانیوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں، سنو! میں نے انہیں پناہ دے دی ہے، اب کوئی انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔

قریشی سرداروں نے کہا: ''ہمیں آپ کی پناہ منظور ہے، لیکن ہماری بھی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ یہ جس طرح چاہیں اور جو چاہیں اپنے گھر میں کریں، لیکن قرآن زور زور سے نہ پڑھیں، نہ باہر نماز پڑھیں، اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے، اور ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ان کا قرآن سن کر ہمارے بچے اور ہماری عورتیں نہ بگڑ جائیں (یعنی دین اسلام نہ قبول کرلیں)'' ابن الدغنہ نے یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتائی اور واپس اپنے وطن لوٹ گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ دن گھر کے اندر نماز پڑھی، پھر گھر کے صحن میں عبادت کے لیے ایک چبوترہ بنالیا، اس پر نماز پڑھنے لگے، اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت نرم دل تھے، قرآن پاک کا جو اثر دل پر ہوتا وہ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیوں کی صورت میں باہر آجاتا، اس کو دیکھ کر پتھر دل بھی موم ہوجاتے تھے، کچھ دنوں کے بعد لوگوں کو ان کے قرآن پڑھنے کا انتظار ہونے لگ گیا، پھر کیا تھا! ادھر وہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگتے، اُدھر بچے، عورتیں اور دوسرے لوگ اردگرد جمع ہوجاتے، قرآنِ کریم سن کر ان کے دل بھی بے قابو ہوجاتے، بلکہ کئی بار تو آنکھوں سے برسات شروع ہوجاتی۔

یہ بات متکبر سرداروں کو کہاں برداشت تھی! انہوں نے آدمی بھیج کر ابن الدغنہ کو بلوالیا، اس سے شکایت کی، دیکھو جی! اس سے تو ہمارے بچے اور عورتیں بگڑ جائیں گے''۔

ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ شکایت کی اور شرط بھی یاد دلائی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ بہت اچھے آدمی ہیں، لیکن میں مجبور ہوں، میں اپنے مالک کا کلام ضرور پڑھوں گا، آپ جاؤ! مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ کافی ہے، میں اسی کی پناہ پر راضی ہوں''

(تفسیر ابن کثیر: ۷/۴۱۰)

نوٹ: یہاں ایک بات پرغور کیجیے! ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقریباً وہی صفات بیان کی ہیں، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے پہلی وحی کے موقع پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمائی تھیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ: ''صدیقیت کا درجہ نبوت کے درجہ کے نزدیک ہوتا ہے''۔

جہالت کی ہٹ دھرمی اور قرآن کریم کی کشش

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قصے میں ایک خاص بات پر دوبارہ غور کیجیے کہ مشرکین مکہ نے پہلے بھی ابن الدغنہ سے یہی شرط رکھی کہ یہ قرآن کریم زور سے نہ پڑھیں، اور بعد میں بھی یہی شکایت کی، اور بہانہ یہ بنایا کہ اس سے ہمارے بچے اور عورتیں بگڑ جائیں گی، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنی نگرانی میں کیوں نہیں رکھتے تھے، ''خود برے اور الزام دوسروں کے سر'' اصل بات یہ ہے کہ بچوں کا تو بس بہانہ تھا، حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ کے کلام میں کشش ہی ایسی ہے کہ وہ خود قرآن کریم سن کر پیچھے نہیں رہ سکتے تھے، اس طرح کے حدیث اور سیرت پاک میں بہت سے واقعات موجود ہیں کہ وہ لوگوں کو تو کہتے تھے کہ قرآن بالکل نہ سنو! کانوں میں روئی ڈال لو! بلکہ تلاوت کے دوران شور مچاؤ! جیسا کہ قرآن کریم کی سورہ حم سجدہ آیت نمبر ۲۶ میں یہی مضمون ہے، لیکن اپنے کانوں میں روئی نہیں ڈال سکتے تھے، رات کی اندھیریوں میں چھپ کر حرم پاک جا کر سنتے تھے، اس طرح کا ایک قصہ آپ بھی پڑھتے چلیے:

ایک بار مشرک سرداروں نے آپس میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم دوسروں کو تو قرآن سننے سے منع کرتے ہیں، اور خود اس کو سننے حرم پاک پہنچ جاتے ہیں! ''راز تو کبھی نہ کبھی کھل ہی جاتا ہے'' اس سے تو ہمارے بچے بھی ہمیں بے وقوف کہیں گے، پھر سب نے مل کر قسمیں کھائیں کہ آج کے بعد ہم میں سے کوئی بھی قرآن نہیں سنے گا! دیکھیے! اللہ کی شان! رات عجیب بات ہوگئی کہ ہر ایک سردار نے سوچا آج دوسرا تو کوئی نہیں گیا ہوگا، چلو میں چل کر سنتا ہوں، وہ پڑھتے

کیا ہیں؟ اس طرح ہر ایک یہ بات سوچتا اور حرم پاک میں آ تا گیا، یہاں تک کہ سبھی آ گئے، وہاں پہنچ کر ایک دوسرے کو پہچان کر بہت شرمندہ ہوئے، پھر دوسری بار پکا عہد کیا کہ اب ایسا نہیں کریں گے۔ (ابن ہشام: ۱/۲۴۱)

اسی طرح کا ایک قصہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: ''ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سامنے سورہ نجم تلاوت فرما رہے تھے، کچھ ایمان والے بھی ساتھ تھے، سورت پوری ہونے پر سورت کے آخر میں سجدہ والی آیت پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا، اور ایمان والوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا، لیکن یہاں مشرک قرآن پاک سننے میں ایسے محو اور مست تھے کہ وہ بھی سب کے سب بے سوچے ہی سجدہ میں گر پڑے، انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ہم کیا کر رہے ہیں، ایک بھی کھڑا نہ رہ سکا سوائے ایک مشرک کے، اس کا نام کچھ روایتوں میں ولید بن مغیرہ اور کچھ میں عتبہ آیا ہے لیکن بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا اس نے ایک مٹھی مٹی لی اور اس پر سجدہ کیا پھر میں نے دیکھا وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا اور وہ امیہ ابن خلف ہے۔ پھر جس وقت لوگوں نے طعنے دینے شروع کیے، تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ تم کیوں سجدہ کر رہے تھے؟ اس طعنے سے بچنے کے لیے انہوں نے ایک جھوٹی کہانی گھڑ لی کہ اصل میں انہوں نے ہمارے بتوں کی تعریف کی تھی (نعوذ باللہ) ہم اسی لیے سجدہ کر رہے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۷/۴۱۰)

کچھ روایتوں میں ہے کہ مشرکین کے یہ سجدہ کرنے والی بات ہی حبشہ میں ایسے پہنچی تھی کہ سارے کافر مسلمان ہو گئے ہیں، اسی پر حبشہ والے صحابہ کرام نے حبشہ سے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا، پھر مکہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر جھوٹی تھی۔

......☆......

دکھوں کا سال یعنی چچا ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال

شعب ابی طالب سے باہر نکل کر ابھی کچھ ہی دن چین وسکون کا سانس لیا تھا کہ رمضان یا شوال ۱۰ھ نبوی میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بیمار ہوگئے، ان کی قربانیاں سب کے سامنے تھیں، ایمان قبول نہ کرنے کے باوجود وہ کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، اور مشرک سرداروں کے سامنے دیوار بنے رہتے تھے، یہ انہیں کا دل گردہ تھا، خیر! ابوطالب کچھ دن بیماری دیکھ کر اس دارِفانی سے الوداع ہوگئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بہت زیادہ دکھ اور غم ہوا، ایک تو ان کی قربانیاں اور دوسرے انہیں ایمان بھی نصیب نہ ہوا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت میں ان کے پاس گئے، لیکن وہاں ابوجہل اور کچھ دوسرے مشرک سردار بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر تک انتظار میں رہے کہ یہ اٹھیں اور میں کچھ بات کروں، لیکن وہ بھی سمجھتے تھے اس لیے وہ اور چوڑے ہوکر بیٹھ گئے، آخر کار حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موجودگی میں ہی آخری بار چچا کو دعوت دی، چچا اس پر کچھ سوچ ہی رہے تھے، لیکن ابوجہل فوراً بول پڑا کہ موت کے ڈر سے عبدالمطلب کا دین چھوڑنے لگا ہے، اس پر چچا نے کہا کہ: ''مجھے خاندان کے طعنوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا''

یہ حالت دیکھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آکر عرض کیا: حضرت! اِنَّ عَمَّکَ الضَّالَ قَدْ مَات ''آپ کا گمراہ چچا مر گیا ہے'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک مجھے منع نہیں کیا جائے گا، میں چچا کے لیے دعا کرتا رہوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِمَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ☆

ترجمہ:- یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے نہ دوسرے مومنوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت

کی دعاء کریں، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ بات پورے طور پر واضح ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔ (التوبہ ۱۱۳)

اور یہ آیت کریمہ:

اِنَّکَ لَاتَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ☆

ترجمہ: (اے محمد!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا ہے، اور ہدایت قبول کرنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔ (القصص:۵٦) تفصیلات کے لئے دیکھئے! (البدایہ والنہایہ:۳/۱۵٦تا۱٦۱)

ایک بار حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''حضرت آپ کا چچا ابوطالب آپ کا بہت حمایتی تھا، آپ اس کے کیا کام آئے؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ بس ٹخنوں تک عذاب میں ہے، اگر میں سفارش نہ کرتا تو وہ جہنم کے نیچے ہوتا''۔ (بخاری شریف ۳۸۸۳)

چچا سے بس تین یا پانچ دن کے بعد آپ کی شریکِ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس دنیائے فانی کو الوداع کہتی ہوئیں اپنے مالکِ حقیقی کے پاس چلی گئیں، جنہوں نے اپنی ساری دولت تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں آپ کے مشن پر قربان کر ہی دی تھی، خود بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور اطمینان کا ایسا ذریعہ تھیں جس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

ان دونوں ہستیوں کے چلے جانے پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام ہی ''دکھوں والا سال'' رکھ دیا تھا، حالانکہ اس سے پہلے بھی بڑی بڑی مشکلات اور پریشانیاں پیش آئیں تھیں، لیکن کسی بھی سال کا نام دکھوں والا سال نہیں رکھا گیا تھا، اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اس کا کتنا اثر تھا۔

طائف کا سفر اور رحمتوں والی ذات پر پتھروں کی بارش

چچا کی وفات اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی بیوی کی جدائی کوئی چھوٹی بات نہیں تھی،

لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بالکل کمزور نہیں پڑے؛ بلکہ پھر تازہ دم ہوکر اٹھے، اور پہلے سے زیادہ زور وشور سے دعوت وتبلیغ کے اپنے کام میں لگ گئے، بس کچھ دنوں کے بعد ہی ۱۰ھ نبوی میں مکہ سے کوئی ۹۶ کلومیٹر دور طائف کے سفر کا ارادہ فرمالیا، یہ ٹھنڈا اور سرسبز علاقہ ہے یہاں پانی، چشمے سبزا، باغات اور اونچے اونچے پہاڑ بھی ہیں، ممکن ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوچ کر طائف تشریف لے گئے ہوں کہ شاید یہاں کے خوشگوار موسم کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کے دل بھی کھلے ہوئے ہوں اور روح بھی زندہ ہو۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید ابن حارثہؓ تھے، یہ سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل ہی فرما رہے تھے، مکہ سے نکل کر طائف تک کئی سارے قبیلے راستے میں آئے، ہر ایک کو دین کی دعوت دی گئی، لیکن کسی نے بھی توجہ نہیں دی، طائف پہنچ کر وہاں تین بڑے سرداروں: ۱-عبد یالیل ۲-مسعود ۳-حبیب، (یہ تینوں آپس میں سگے بھائی بھی تھے) ان تینوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات فرمائی، ان کو بہت ہی پیار ومحبت سے اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی، لیکن انہوں نے عرب کی مہمان نوازی کے رسم ورواج کو بھی پس پشت چھوڑتے ہوئے بہت ہی برا سلوک کیا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اپنی بات پوری فرمائی تو ایک بولا: ''آپ کو نبی ماننا خانہ کعبہ کا پردہ پھاڑنا ہے (یعنی جس طرح خانہ کعبہ کا پردہ کبھی نہیں پھاڑا جاسکتا اسی طرح آپ کو کبھی نبی نہیں مانا جاسکتا)

دوسرا بولا: ''خدا کو آپ کے علاوہ اور کوئی نبی بنانے کے لیے نہیں ملا (یعنی کوئی مالدار کیوں نہیں بنا) تیسرا بولا: ''آپ سے بات نہ کرنا ہی اچھا ہے، کیونکہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کی گستاخی خدا کا قہر ہے، اور اگر آپ نبی نہیں ہیں تو پھر ایسے شخص کے منہ لگنا مجھے زیب نہیں دیتا''!

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت دکھی ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا اگر آپ نہیں مانتے، تو آپ کی مرضی، لیکن آپ اپنی بات اپنے پاس رکھنا، کسی دوسرے کو نہ بتانا، میں اور لوگوں سے بات کروں گا، مگر انہوں نے ایسا بھی نہیں کیا۔

مشہور روایت کے مطابق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں دس دن قیام فرمایا، ایک ایک سردار اور چودھری کے پاس گئے، ان سے ملاقات کی، بلکہ عام لوگوں سے بھی ملاقات کی اور دعوت دی، لیکن سب نے ایک ہی جواب دیا کہ آپ جلدی سے جلدی ہماری بستی سے نکل جائیں۔

آخر کار ان سب سرداروں نے اپنے غلام اور اوباش وآوارہ لڑکے آپ کے پیچھے لگا دیے، اور ان سے کہا: ''تم ان کا مذاق بناؤ، تالیاں بجا بجا کر ان کو شہر سے نکالو''، پھر کیا تھا؟ انہوں نے گالیاں دینی، تالیاں بجانی، سیٹیاں مارنی اور راستہ کے دوطرف لائین بنا کر پتھر مارنے شروع کر دیے، حضرت زید ابن حارثہؓ بچاتے بچاتے خود بھی زخمی ہو گئے، افسوس رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک جسم سے خون بہہ بہہ کر مبارک جوتیوں تک پہنچ گیا، جوتیاں تلووں کے ساتھ چپکنے لگ گئیں، یہاں تک کہ طائف سے کوئی پانچ کلومیٹر دور ربیعہ کے دو بیٹوں (عتبہ اور شیبہ) کا ایک باغ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس باغ کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، یہاں پہنچ کر ذرا اطمینان ہوا، پھر اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو کر وہ دعا فرمائی، جس کو لکھنے کے لیے بھی بڑا دل گردہ چاہیے، مجھے تو اس کا ترجمہ لکھنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی ہے، وہ دعا یہ ہے:

اللهم انی اشکو الیک ضعف قوتی وقلة حیلتی وهو انی علی الناس برحمتک یا رب العالمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجهمنی اوالی عدو ملکته امری ان لم یکن بک غضب علی فلا ابالی ولکن عافیتک اوسع لی من ذنوبی اسئلک بنور وجهک الذی اشرقت له الظلمت وصلح علیه امر الدنیا والاخرة من ان یحل بی سخطک اوینزل علی عذابک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوة الا بک .

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی کمزوری، بےبسی اور لوگوں کے سامنے بےقدری

کی شکایت کرتا ہوں، او! رحم کرنے والوں میں سب سے بڑے رحم کرنے والے! تو کمزوروں کا رب ہے، تو ہی میرا بھی رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کسی ایسے بیگانے کے جو مجھ سے سختی سے پیش آئے، یا کسی ایسے دشمن کے جس کے ہاتھ میں میرا معاملہ دے دے، لیکن جب تو مجھ سے ناراض نہیں، تو مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں؛ کیوں کہ تیری خیر وعافیت میرے لیے کافی ہے، میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے اندھیریاں روشن ہوگئیں، اور جس سے دنیا وآخرت کے سارے کام ٹھیک ہوجاتے ہیں، اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو، یا تیری ناراضگی مجھ پر پڑے، مجھے تیری رضا چاہئے! یہاں تک کہ تو خوش ہوجائے، اور تیرے علاوہ کوئی طاقت نہیں۔

اس دعا سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طائف میں کیا کچھ ہوا ہوگا! یہ دس دن آپ کہاں رہے ہوں گے؟ کیا کھایا اور کیا پیا ہوگا؟ پھر واپسی کیسی ہوئی! حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہوگئے، میں اٹھا کر دوسری جگہ لایا، جہاں مبارک چہرہ پر پانی کی کچھ چھینٹیں کروانے سے ہوش آیا، اللہ اکبر! جو سارے جہاں میں رحمتوں کی بارش کروانے آئے تھے، آج ان پر طائف میں پتھروں کی بارش برس رہی تھی۔

یہی وہ منظر ہے جس میں تھوڑی دور قرنِ منازل پر حضرت جبرائیل علیہ السلام آگئے، جس کا ذکر بخاری شریف میں بھی ہے، کہ جبرائیلؑ نے مجھے سلام کیا، پھر فرمایا: ''آپ کے رب نے دیکھ لیا کہ آپ کے ساتھ آج کیا ہوا ہے، یہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے آپ اسکو جو چاہیں حکم دیں، پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے سلام کیا، اور عرض کیا کہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دیتا ہوں، جس سے سب ظالم پس جائیں گے''۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں نہیں! مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا فرمائیں گے جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو شریک نہیں کریں گے''

(بخاری شریف ۳۳۳۱)

اس جواب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بل کہ کچھ لکھنے والے تو لکھتے ہیں کہ اخلاق ہی کے اظہار کے لیے فرشتہ بھیج کر یہ سوال کروایا گیا تھا، ورنہ فرشتہ بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

ادھر ربیعہ کے دونوں بیٹے: عتبہ اور شیبہ اسی باغ میں دور بیٹھ کر طائف والوں کی بدسلوکی دیکھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ان کے دل میں بھی خاندان کی غیرت اور حمیت جاگ گئی، انہوں نے اپنے غلام عداس کے ہاتھوں انگور کا ایک بڑا گچھا بھیجا، کہ وہ جو دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں ان کو دے دو، عداس وہ انگور لے کر آپ کے پاس آیا اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ کر دیکھنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر وہ انگور لیے، عداس حیران ہوگیا، یہ بسم اللہ کیسی! اس نے کہہ ہی دیا؟ حضرت یہ بسم اللہ کا لفظ تو یہاں کے لوگ نہیں کہتے؟

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ کہاں کے ہو؟ اور آپ کا دین کیا ہے''؟ اس نے کہا: ''میں عیسائی ہوں، اور نینوا کا رہنے والا ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ نیک بندے یونس بن متیؑ کی بستی کے رہنے والے ہو''؟ عداس نے کہا: ''آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں''؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ میرے بھائی تھے، کیوں کہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں'' یہ سنتے ہی عداس آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گیا، اور آپ کی پیشانی اور ہاتھوں کو چومنے لگا، عتبہ اور شیبہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، انہوں نے کہا: ''لو جی! عداس بھی گیا، انہوں نے تو ہمارے غلام کو بھی بگاڑ دیا''۔

پھر جس وقت عداس واپس گئے، انہوں نے کہا: ''تجھے کیا ہوگیا؟ تو کہیں بگڑ نہ جانا، تیرا دین ان کے دین سے اچھا ہے''۔ عداس نے کہا: ''میرے آقا! اس وقت روئے زمین پر ان سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہوسکتا، انہوں نے مجھے ایسی باتیں بتائی ہیں جو نبی کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا''، کتب سیرت و احادیث میں یہ بات بڑی تفصیل سے بیان ہوئی ہے کہ حضرت عداس اسی موقع پر

ایمان لاکر صحابی بن گئے تھے۔رضی اللہ عنہ (البدایہ والنہایہ:۳/۱۷۰،فتح الباری)

انسان تو نہیں! لیکن جنات قرآن کے آگے جھک گئے

طائف کے سفر سے واپسی پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پہاڑوں کے فرشتہ کو لیکر حاضر ہونا اور آسمانی مدد کی خبر دینا، یہ ایسی بات تھی جس سے طائف میں پیش آنے والے زخموں پر مرہم لگ چکا تھا، طائف والوں کے کڑوے جواب پر جو ناامیدی اور مایوسی کے بادل، دل پر چھا سکتے تھے وہ چھٹ چکے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی تسلی اور اطمینان کے کچھ اور سامان بھی باقی تھے، اس لیے وہاں سے واپسی پر مکہ کے راستے میں مکہ سے ۹۰ کلومیٹر دور موجودہ السیل الکبیر کے قریب ''وادی نخلہ'' میں جس وقت آرام فرمایا، بلکہ کچھ دن وہاں قیام بھی فرمایا، یہیں کا یہ قصہ ہے کہ ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قرآن پاک کی تلاوت فرمائی، جس کو سننے کے لیے پروردگار عالم نے جنوں کی ایک جماعت کو ادھر پہنچادیا، انہوں نے توجہ سے قرآن کریم سنا، پھر قرآن کریم کا ان پر جو اثر ہوا، اس کا آپس میں مذاکرہ کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر وحی کے ذریعہ دو جگہ سورۂ احقاف اور سورۂ جن میں فرما کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ مقصد یہ تھا کہ طائف کے لوگوں کے اس سخت جواب پر آپ غمزدہ و دل شکستہ نہ ہوں، اس قرآن کو انسان تو کیا! جنات بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سنیں اور مانیں گے۔ یہ دین دنیا کے کونے کونے میں پہنچے گا، اور انسان و جنات سارے اس کے آگے جھک جائیں گے۔

آپ بھی یہ آیات پڑھتے چلیں، جن میں، جنوں کی اس آمد کا بیان ہے:

وَاِذْصَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ☆ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ☆يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ

عَذَابٍ اَلِیْمٍ ☆وَمَنْ لَّایُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَہٗ مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءُ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ☆

ترجمہ:-اے پیغمبر! آپ اس وقت کو یاد کیجئے! جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت آپ کی طرف پھیر دی تھی تاکہ وہ قرآن کریم سنے، پھر جس وقت وہ پیغمبر کے پاس پہنچ گئے وہ (آپس میں) کہنے لگے:''چپ ہوجاؤ''! پھر جب تلاوت پوری ہوگئی، وہ اپنی قوم کی طرف چلے تاکہ انہیں آگاہ کریں۔(اور)انہوں نے اپنی قوم سے) کہا:''اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل ہوئی ہے، جو پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، اور وہ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔(اور)اے ہماری قوم! تم اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی بات مان لو! اوراس پر ایمان لے آؤ! (وہ اللہ) تمہارے گناہ معاف کرے گا، اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا، اور جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی بات نہیں مانے گا، تو وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے قابو سے باہر نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا حمایتی ہوسکتا ہے، ایسے لوگ تو کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں''۔ (الاحقاف:۲۹تا۳۲)

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ☆ یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ☆

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ فرمادیجیے کہ:''میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کو بڑے غور سے سنا، تو انہوں نے کہا:''ہم نے ایک عجیب کلام سنا ہے، جو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے، پھر ہم اس پر ایمان لے آئے، اور ہم کبھی کسی کو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کریں گے''۔ (الجن۱،۲) (البدایہوالنہایہ:۳/۱۷۰)

طائف سے مکہ واپسی

کچھ دن وادی نخلہ میں قیام فرما کر، مکہ مکرمہ کی واپسی کا ارادہ فرمایا، مکہ کے نزدیک پہنچ کر حراء

نام کے ایک پہاڑ کے کسی کونے میں، یا غارِ حرا میں خاموشی سے قیام فرمایا، یہاں پہنچ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''حضرت! آپ مکہ کیسے جائیں گے؟ مکہ والوں ہی نے تو آپ کو مکہ سے نکالا تھا؟'' رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان سے فرمایا: ''زید! اللہ تعالیٰ اس پریشانی سے نکلنے کا ضرور کوئی راستہ بنائے گا، وہی اپنے دین کا حامی و مددگار ہے، اور وہی اپنے نبی کو سب پر غالب کرے گا''، یہاں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخنس بن شریق کے پاس آدمی بھیجا کہ اس سے کہو: ''آپ مجھے اپنی پناہ میں لے لو؛ تاکہ میں مکہ میں داخل ہوسکوں'' اس نے اپنا عذر پیش کیا کہ بنی عامر بنی کعب کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔

پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پیغام مطعم ابن عدی کے پاس بھیجا کہ: ''کیا! میں تمہاری پناہ میں مکہ آسکتا ہوں؟'' مطعم ابن عدی نے پناہ دینی قبول کرلی، اس نے اپنے بیٹوں اور خاندان والوں سے کہا: ''تم ہتھیار باندہ کر کعبہ کے پاس پہنچ جاؤ! کیوں کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے، پھر خود بھی اونٹ پر سوار ہوکر حرم پاک کے سامنے آکر اعلان کیا: ''اوقریشیو! سنو! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے دی ہے، اب کوئی انھیں کچھ نہیں کہہ سکتا'' کچھ روایتوں میں ہے کہ ابوجہل بولا: ''کیا تو نے ان کا دین قبول کرلیا ہے؟ یا پناہ دی ہے؟'' اس نے کہا: ''میں نے پناہ دی ہے''، اس پر ابوجہل بولا: ''پھر تو تیری پناہ ہمارے سر آنکھوں پر''۔

پھر اس نے آدمی بھیج کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیت اللہ کے پاس گئے، حجرِ اسود کو بوسہ دیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی، پھر اسی طرح اپنے گھر تشریف لے گئے کہ آگے پیچھے دائیں بائیں مطعم ابن عدی کے لوگ ہتھیار باندھ کر کھڑے تھے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطعم ابن عدی کے اس احسان کا بہت احساس تھا، جنگ بدر کے بعد مطعم کے بیٹے جبیر ابن مطعم ابن عدی بدر کے قیدیوں کے بارے میں کچھ بات کرنے آئے، اس موقع پر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مطعم یاد آگیا، آپ نے فرمایا: ''کہ آج مطعم ابن عدی زندہ ہوتا، پھر مجھ سے ان گندے لوگوں کے بارے میں کوئی بات کرتا، تو میں اس کی بات رکھنے کے

لیے سب لوگوں کو چھوڑ دیتا''۔ (ابوداؤد:۲٦۸۹)

نوٹ: میرا اپنا خیال ہے کہ طائف کے سفر میں جو کچھ ہوا، پھر اپنے گھر مکہ پاک جانے کے لیے کسی کافر کی پناہ لینی پڑی، یہ سب کچھ امت کے سبق کے لیے تھا، کہ زندگی کی منزلوں میں، دین کے راستے میں کچھ ایسے موڑ بھی آسکتے ہیں، جن کے لیے یہ تعلیم ہے، ورنہ وہ ہستی جن کے لیے ساری خدائی تھی وہ کب کسی مشرک کی پناہ لے کر اپنے گھر جانے پر مجبور ہوتے؛

مکہ سے باہر مختلف قبائل سے ملاقات اوران کو دعوت

اس بار مکہ میں آکر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا انداز بدل دیا، اور مکہ والوں کے بجائے باہر کے قبائل اور دوسرے خاندان کے لوگوں سے ملاقات فرما کر انہیں دین کی دعوت دینی شروع فرمائی، صبح، شام حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ گھر سے نکل جاتے، پھر لوگوں کے گھر گھر جا کر یا راستے میں کوئی آتا جاتا مل جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت یاد کروا کر دین دعوت دیتے۔

انہی دنوں میں قبیلہ بنوکندہ، قبیلہ بنوحنیفہ، بنوعامر کے پاس بھی تشریف لے گئے، ان سب نے اچھا جواب نہیں دیا، بلکہ بری طرح پیش آئے، مثال کے طور پر قبیلہ بنوعامر کے سردار بحیرہ ابن فراس سے بات کی، اس نے بات سن کر کہا: ''اچھا! اگر ہم تمہارے ساتھ ہوجائیں، پھر تمہارا دین غالب بھی آجائے، تو کیا آپ کے بعد یہ کام مجھے ملے گا؟'' یعنی میں بادشاہ بنوں گا؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ کس کو مقرر فرماتا ہے''۔ اس نے کہا: ''واہ! عربوں کا آج مقابلہ ہم کریں، اور جس وقت تمہارا کام بن جائے، فائدہ کوئی اور اٹھائے!! ہمارا آپ سے کوئی تعلق نہیں، جہاں چاہو جاؤ!'' بعض سیرت نگاروں نے اس کی اور بہت ساری بداخلاقیوں کا تذکرہ کیا ہے، مثلاً برادری کا طعنہ دینا، آپ ﷺ کی سواری کو ڈنڈا مارنا جس سے آپ ﷺ سواری سے گر گئے وغیرہ۔ (البدایہ والنہایہ:۱۷۴/۳)

انہی دنوں میں یثرب (مدینہ منورہ) سے آئے ہوئے ایک مسافر سُوید ابن صامت سے ملاقات ہوگئی جو آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے خالہ زاد بھائی تھے، وہ بھلے شریف انسان معلوم ہورہے تھے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوتِ اسلام دی، انہوں نے کہا: ''شائد لگتا ہے آپ کے پاس وہی باتیں ہیں جو میرے پاس ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ! وہ کیا ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''حضرت لقمان کی حکمت اور دانشمندی والی باتیں!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیان کرو!'' انہوں نے اچھے اچھے اشعار سنائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اچھی باتیں ہیں، لیکن میرے پاس اس سے بھی اچھی باتیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے، پھر ان کو کچھ قرآن پاک پڑھ کر بھی سنایا، وہ سنتے ہی ایمان لے آئے، لیکن واپس یثرب پہنچے، تو وہاں ایک لڑائی لگی ہوئی تھی، جس میں خزرج کے خاندان نے ان کو قتل کردیا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ یثرب سے اسی قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ اپنی قوم کی حمایت میں قریشی سرداروں سے کوئی معاہدہ کرنے مکہ آئے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے ہی معلوم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان کے پاس پہنچ گئے، اور فرمایا: ''میرے پاس اس سے اچھی ایک ایسی چیز ہے، جس میں تم سب کی کامیابی ہے، اگر تمہیں کچھ چاہت ہو تو میں بتاؤں؟'' انہوں نے کہا: ''وہ کیا چیز ہے؟'' رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے، میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو! اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی رحمت نازل فرمائی ہے''۔ پھر کچھ قرآن پاک پڑھ کر انہیں سنایا، اور دین کی کچھ بنیادی باتیں بھی بیان فرمائیں، اس پر ایاس بن معاذ جو وفد میں نوجوان تھے، وہ بولے: ''او میری قوم کے لوگو! سنو! یہ بات اس مقصد کے لیے زیادہ بہتر ہے، جس کے لیے ہم یہاں آئے ہیں!''۔

اس پر جو وفد کا سردار تھا، اس نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور ایاس کے منہ پر مار کر کہا:

’’ہم اس وقت اس کام کے لیے نہیں آئے‘‘۔ایاس بن معاذ چپ ہو گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو گئے، بات یہیں ختم ہو گئی، لیکن ایاس کے دل میں یہ باتیں اتر گئیں تھیں، یہ وفد ناکام ہو کر واپس یثرب (مدینہ منورہ) چلا گیا، جہاں جا کر ایاس بیمار ہو گئے، کچھ لوگوں نے بیان کیا کہ مرتے وقت ان کی زبان پر تسبیح، حمد اور تہلیل یعنی (**سبحان الله، الحمد لله، لاا له الا الله**) کے کلمات جاری تھے، اس سے سیرت نگار فرماتے ہیں کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ:۱۸۰/۳)

حضرت ضمادی ازدیؓ کی حاضری اور قبولِ اسلام

انہی دنوں کی بات ہے کہ یمن کا مشہور شاعر اور جادوگری جاننے والا ضماد ازدی بھی مکہ مکرمہ آیا، اس نے حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ لوگوں سے سنا، اس کو سننے کے بعد وہ کہنے لگا ان پر جنات کا اثر ہو گیا ہے، لیکن میں انھیں جھاڑ پھونک سے وہ دور کر سکتا ہوں، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اور بہت پیار سے کہنے لگا: ’’مجھے لگتا ہے آپ پر جناتی اثر ہو گیا ہے، میں اس کا ماہر علاج کرنے والا ہوں! اگر آپ اجازت دیں، تو میں کچھ جھاڑ پھونک کروں؟‘‘ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’پہلے آپ میری بات سنو!‘‘ اس نے کہا: ’’سناؤ!‘‘ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ پڑھا:

الحمد لله ! الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلاهادى له ونشهد ان لااله الا الله وحده لاشريک له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله .

ترجمہ:-سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اور اسی سے مدد مانگتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ راستہ دکھا دیتے ہیں اس کو کوئی بے راہ نہیں کر سکتا، اور جس کو اللہ تعالیٰ ہی راستہ نہ دکھائیں اس کو کوئی نہیں دکھا سکتا، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت

کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ضماد ازدی نے سنتے ہی کہا: ''ایک بار پھر سنایئے! دو تین بار اسی طرح یہ کلمات سنے، تو بے ساختہ ہی زبان سے نکلا: ''میں نے بہت سارے کاہن اور جادوگر دیکھے ہیں، بہت شاعری بھی سنی ہے، لیکن ایسا کلام کسی سے نہیں سنا! آپ اپنا ہاتھ مبارک آگے کیجیے! تاکہ میں اسلام پر بیعت کرسکوں! بس یہ کہتے ہی مسلمان ہوگئے۔ رضی اللہ عنہ۔ (مسند احمد: ۲۷۴۹)

انہیں دنوں میں حضرت طفیل بن عمر الدوسی رضی اللہ عنہ بھی آئے، اور ایمان قبول کیا، جن کا قصہ ہم نے مناسبت کی وجہ سے پیچھے ایک جگہ ذکر کردیا ہے۔

مدینہ پاک میں اسلام کی روشنی

نبوت کے اعلان کا گیارہواں سال تھا، حج کا موسم آگیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گھر گھر جانے اور دعوت دینے کا کام شروع فرمایا، لیکن دن میں چوں کہ ابولہب پیچھے پیچھے چلتا اور پتھر مارتا تھا، نیز لوگوں سے یہ بھی کہتا تھا کہ ان کی بات نہ سننا، یہ تمہیں لات وعزی سے دور کردیں گے؛ اس لیے رات کی تاریکی میں ہی زیادہ تر خیموں پر تشریف لے جاتے، اسی طرح کا ایک قصہ ہے کہ: قبیلہ ذہل کے کچھ لوگوں نے ایک جگہ خیمے لگائے ہوئے تھے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، قبیلے کا سردار مفروق وہیں موجود تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ''تجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ خبر پہنچی ہے؟'' یہ اللہ تعالیٰ کے رسول میرے ساتھ ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے'' اس نے کہا: ''ہاں! میں نے ان کا کچھ ذکر سنا ہے، اے قریشی بھائیو! بتاؤ تم کس چیز کی طرف بلاتے ہو، اور کیا دعوت دیتے ہو؟'' رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے ہو کر خود اللہ تعالیٰ کی توحید اپنی رسالت اور اسلام کا تفصیلی تعارف کرایا، اس

پر مفروق نے کہا: ''آپ کون سی چیز پیش فرماتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ انعام کی یہ آیت پڑھ کر سنائی:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّلَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَاتَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ وَلَاتَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ☆

ترجمہ:-(ان سے) کہو کہ: ''آؤ، میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے (در حقیقت) تم پر کون سی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو؛ ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور ان کو بھی؛ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی ہو، اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے، اسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو؛ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمہیں کچھ سمجھ آئے۔ (الانعام:۱۵۱)

آیت سن کر اس نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ زمین والے کا کلام نہیں ہوسکتا، اے قریشی بھائیو! آپ کیا کیا حکم دیتے ہو؟'' اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النحل کی یہ آیت پڑھ کر سنائی:

اِنَّ اللّٰهَ يَعْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَائِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ☆

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنے اور احسان کرنے اور قرابت داروں کی (مالی مدد) کرنے کا حکم دیتا ہے، اور وہ بے حیائی کی باتوں اور برے کاموں اور ظلم کرنے سے روکتا ہے، وہ تمہیں سمجھاتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو''۔ (النحل:۹۰)

مفروق نے کہا: ''خدا کی قسم! آپ اچھے اور اونچے اخلاق کے ساتھ اچھے کاموں کی دعوت دیتے ہیں، لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میں خاندان کے ساتھ صلاح ومشورہ کے بغیر کوئی معاہدہ

نہیں کرسکتا، معلوم نہیں وہ میرے معاہدہ کو مانیں گے یا نہیں! اور دوسرے ہم نے ابھی قریب میں ہی ایرانی بادشاہ کسریٰ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے، جس میں یہ بات بھی ہے کہ: ''ہم اس کو خبر کیے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں کریں گے، مجھے لگتا ہے کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ایسے ہی معاہدہ کریں گے، تو کسریٰ کو معلوم ہونے پر وہ بہت ناراض ہوگا''۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سچی اور صاف بات کو بہت پسند فرمایا، اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کا مددگار ہے، اور جو لوگ اللہ کے دین کے مددگار بنیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب ہی کسریٰ کے زروزمین کا مالک بنادے گا''۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے اٹھ گئے، کچھ ہی دور تشریف لے گئے، تو معلوم ہوا کہ یثرب (مدینہ پاک) سے قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ بھی حج کے لیے آئے ہیں، یاد رہے کہ مدینہ منورہ کا پرانا نام ''یثرب'' تھا۔ مکہ سے کچھ دور منیٰ میں عقبہ نام کی ایک جگہ پر چھ آدمی دیکھے، جو آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سن کر ان کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا: ''آپ کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''قبیلہ خزرج سے ہیں اور یثرب سے آئے ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس بیٹھ گئے، ان کو اپنی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید سمجھائی، شرک کی گندگی کی وضاحت فرمائی، قرآن پاک کی تلاوت فرما کر دین اسلام کی دعوت دی، یہ سنتے ہی وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں سے اشارے کرنے لگے، بات اصل میں یہ تھی کہ یثرب کے لوگ مشرک بیشک تھے، لیکن انہوں نے یہودیوں سے کئی بار سنا تھا کہ وہ آخری نبی آنے والے ہیں، جن کے انتظار میں سارا جہاں ہے، اور کئی بار تو یہودی ان کو دھمکی دیتے ہوئے بھی کہتے تھے کہ: ''آخری پیغمبر کو آنے دو، ہم ان کے ساتھ مل کر تم سے نمٹ لیں گے''۔ آج رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی یہ باتیں سن کر انہیں ساری پرانی باتیں یاد آنے لگ گئیں، اور اشاروں اشاروں میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''شاید یہ وہی نبی ہیں، بلکہ چپکے چپکے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کو یہ بھی کہنے لگے کہ

جلدی کرو! کہیں یہودی اس کام میں ہم سے آگے نہ نکل جائیں!''بس یہ دعوت سنتے ہی وہ اسی مجلس میں اسی وقت ایمان لے آئے، ان خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں:

(۱)اسعد ابن زرارہ (۲)عوف بن حارث (۳)رافع بن مالک (۴)قطبہ بن عامر (۵)عقبہ بن عامر (٦) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھم اجمعین۔بس یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کے ذریعہ یثرب (مدینہ منورہ) میں اسلام کی کرنیں پھیل گئیں، اور مدینہ منورہ ساری دنیا کا مرکز دین بن گیا۔

یہ چھ حضرات مدینہ منورہ کے بہت سمجھدار لوگ تھے، اور اوس وخزرج کی جو لمبی جنگ ہوئی تھی جس کا دھواں ابھی فضاء میں باقی تھا یہ اس سے بہت اکتائے ہوئے تھے، اور ان جنگوں سے یہ نجات چاہتے تھے۔ان کو اس ایمانی تحریک سے سب سے بڑھ کر یہ امید ہوگئی کہ اس سے ہمارا پورا خاندان لڑائیوں کے عذاب سے بچ جائے گا، انہوں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی بیان فرمائی، انہوں نے کہا:''ہم اب یثرب واپس جائیں گے، اور جو باتیں ہم نے سنی ہیں ان کو گھر گھر پہنچائیں گے۔اپنے پڑوسی یہودیوں کو بھی بتائیں گے، اور جو دین ہم نے قبول کیا ہے وہ سب کے سامنے پیش کریں گے، اگر وہ ایمان قبول کر کے ایک ہو جائیں گے تو یثرب میں آپ سے زیادہ عزت والا کوئی اور شخص نہ ہوگا''۔پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو نصیحتوں اور دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

یہی ہوا، وہ مدینہ پہنچے، انہوں نے اپنی کوشش کی حد تک ہر ایک آدمی کو دین سلام کا تعارف کروایا، اس کا فائدہ بیان کیا، اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے مقدس اخلاق کا تذکرہ کر کے لوگوں کو متاثر کیا، ان کی کچھ باتیں کتب سیرت میں اس طرح بیان ہوئی ہیں:

''وہ ہر ایک کو خوش خبری سناتے تھے، کہ وہ نبی جن کے انتظار میں ساری دنیا ہے بلکہ سارا جہاں سسک رہا ہے، وہ آگئے ہیں، ہمارے کانوں نے ان کا کلام سنا، اور ہماری آنکھوں نے ان کا دیدار کیا ہے، اور انہوں نے ہمیں زندہ رہنے والے مالک کے راستے پر لگا دیا ہے''(ابن ہشام:۱/۴٦)

اس طرح مدینہ منورہ کے گھر گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگ گیا۔ یَــا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

عقبہ میں پہلی بیعت

ان چھ آدمیوں کی محنت اللہ تعالیٰ کے کرم سے رنگ لائی، ایک سال میں انہوں نے مدینہ منورہ میں اسلام کا ایسا تعارف کروایا کہ اگلے سال یعنی نبوت کے بارہویں سال ذی الحجہ کے مہینے میں حج کے لیے ان کے ساتھ سات آدمی اور آئے، اور پچھلے چھ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن جابر نہ آسکے باقی پانچ واپس آئے۔

نئے سات حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) معاذ بن حارث (۲) ذکوان بن عبدالقیس (۳) عبادہ بن صامت (۴) یزید بن ثعلبہ (۵) عباس بن عبادہ (۶) ابوالہیثم بن تیہان (۷) عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنھم اجمعین۔

آخر کے دو حضرات قبیلہ اوس سے تھے، اور باقی سب خزرج سے تھے، انہوں نے منٰی کے قریب عقبہ نام کی جگہ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، ایمان بھی نصیب ہوا، اور کچھ خاص باتوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت بھی کی کہ:

(۱) ہم ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے (۲) ہم چوری اور زنا کبھی نہیں کریں گے (۳) ہم اپنی اولاد خاص کر بیٹیوں کو کبھی قتل نہیں کریں گے (۴) ہم نہ کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کریں گے (۵) ہم ہر ایک نیک کام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔ (ابن ہشام: ۱/۴۸)

مدینہ منورہ میں اسلام کا پہلا مبلغ

اس بیعت کے علاوہ اور بھی ان کو نصیحتیں فرمائیں، اور دین کی تفصیلی باتیں سمجھانے کے لئے

نیز مدینہ منورہ میں زور وشور سے کام کرنے کے لئے مکہ مکرمہ کے ایک پرانے صحابی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ فرمایا، حضرت مصعب بن عمیرؓ ایک بڑے گھر کے لاڈلے بیٹے تھے، بہت نازونخروں سے پلے بڑھے تھے، ان کے والدین انہیں بڑے قیمتی کپڑے پہناتے تھے، جن کو دیکھ کر ان جیسے جوان، ان پر رشک کرنے لگتے تھے۔

یہ قافلہ یثرب (مدینہ منورہ) پہنچا، یہاں حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر رہنے لگے، ان کا ۲۴ گھنٹے کا ایک ہی مشغلہ تھا، جو لوگ کلمہ پڑھ رہے ہیں ان کو دین کیسے سکھایا جائے، اور جنھوں نے ابھی کلمہ نہیں پڑھا ان تک کس طرح دعوت پہنچائی جائے اور ان کو دین سے کیسے متاثر کیا جائے، یہاں یہ پڑھانے میں ایسے مشغول ہو گئے کہ ان کا نام ہی ''المقری'' یعنی پڑھانے والا پڑ گیا تھا۔ (ابن ہشام:۱/۴۹)

اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے کیسی کیسی کوششیں کر رہے تھے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک ہی دن میں سارا قبیلہ کیسے مسلمان ہو گیا؟

ایک دن حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے مسلمان مرق نامی کنویں پر اس بات پر غور کر رہے تھے کہ بنی عبد الاشہل اور بنی ظفران دونوں قوموں کو کس طرح اللہ کے دین کی بات پہنچائی جائے؟ کس طرح ان کو دین کی دعوت دی جائے؟ اللہ تعالیٰ کی شان! یہاں یہ تبلیغ دین کے مشورے ہو رہے تھے، وہاں ان قبیلوں کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ذرا دور بیٹھے ہوئے یہ مشورہ کر رہے تھے کہ ہم اپنی قوم کو اس نئی تحریک سے کس طرح بچائیں؟! سعد بن معاذ نے کہا: ''میں تو کچھ کہہ نہیں سکتا کیوں کہ اسعد ابن زرارہؓ میری خالہ کے بیٹے ہیں، لیکن اسید تم ہمت کرو! دیکھو تو سہی! یہ ہمارے محلّہ میں آ کر ہمارے لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں، تم جاؤ اور ان دونوں کو اچھی طرح ڈانٹ دو، اور کہہ دو کہ فوراً ہی

ہمارے محلّہ سے نکل جاؤ، اور دوبارہ یہاں کبھی مت آنا! اسید بن حضیر نے اپنے ہتھیار باندھ لیے اور چل پڑے، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا: دیکھو! یہ جو شخص آ رہا ہے، یہ اپنے قبیلے کا سردار اور چودھری ہے، اللہ کرے یہ تمہاری بات مان لے، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اگر وہ آ کر بیٹھے گا تب تو میں ضرور بات کروں گا، اتنے میں اسید بن حضیر اچانک سر پر آ کھڑے ہوئے، اور برا بھلا کہنے لگے کہ تم ہمارے شریف اور معصوم لوگوں کو بہکانے کے لیے یہاں آئے ہو؟

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بھائی افسوس ہے! اگر آپ تھوڑی دیر بیٹھ جاتے، ہماری بات سن لیتے! پھر پسند آتی تو مان لیتے نہ پسند آتی تو چھوڑ دیتے'' اسید نے کہا: ''یہ انصاف والی بات ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں'' حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کو دین کی دعوت دی، توحید، رسالت اور آخرت کی باتیں سمجھانی شروع کیں، قرآن پاک بھی بہت میٹھے اور درد بھرے انداز سے پڑھ کر سنایا۔

اسید نے سب کچھ بہت خاموشی سے سنا، آخر میں بولے: ''بھائی یہ تو بتاؤ کہ اگر کوئی تمہارے دین میں شامل ہونا چاہے تو اس کو کس طرح شامل کرتے ہو؟'' انہوں نے فرمایا: ''ایسا شخص نہا دھو کر صاف کپڑے پہنے، کلمہ شہادت پڑھے اور دو رکعت (نفل) نماز پڑھے''۔ اسید اٹھے، نہائے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے پھر سب کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بتانے پر دو رکعت نماز بھی پڑھی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کلمہ پڑھ کر مسلمان تو ہو گئے، لیکن ان کو اپنے ساتھی سعد بن معاذ کا خیال بار بار آ رہا تھا، انہوں نے حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''میرے پیچھے ایک اور آدمی ہے، اگر وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے گا، پھر کوئی ہمارا مخالف نہیں رہے گا، میں ابھی ان کو آپ کے پاس بھیجنے لگا ہوں''۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ یہ بات کہہ کر واپس آ گئے۔ یہاں سعد بن معاذ اپنے قبیلے بنو عبد

الاشہل کا مجمع لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو دور سے آتے دیکھ کر کہنے لگے: ''اسید جس حال میں یہاں سے گئے تھے اب اس حال میں نہیں لگتے''۔ خیر حضرت اسیدؓ مجلس میں پہنچے، تو کہنے لگے کہ: ''میں نے اسعد بن زرارہ اور ان کے ساتھیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ ہمارے محلے میں کسی کو پٹی پڑھانے کی ضرورت نہیں، لیکن مجھے ایسی ویسی کوئی بات معلوم بھی نہیں ہوئی، بل کہ، ہاں! میں نے وہاں ایک اور بڑی عجیب بات دیکھی ہے، وہ یہ کہ قبیلہ بنو حارثہ کے لوگ کیوں کہ ہمارے دشمن ہیں، اس لیے اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کا سوچ رہے ہیں؛ کیوں کہ وہ سعد بن معاذ کے خالہ زاد بھائی ہیں'' یہ سنتے ہی سعد آگ بگولہ ہو گئے کہ میرے خالہ زاد بھائی کو مارنے کی سوچ رہے ہیں، فوراً اپنے ہتھیار لے کر دوڑ پڑے، لیکن وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ آرام واطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، ایسی خطرے والی کوئی بات ہے ہی نہیں، وہ سمجھ گئے کہ مجھے یہاں پہنچانے کے لئے اسید رضی اللہ عنہ نے ایک چال چلی ہے۔ اس بات پر ان کو اور غصہ آ گیا، تو حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کو بہت کچھ کہنے لگے۔ حضرت اسعد ابن زرارہؓ سے کہا: ''کہ اگر تو میری خالہ کا بیٹا نہ ہوتا، تو میں بھی دیکھ لیتا کہ ہمارے محلے میں آ کر کون لوگوں کو بہکاتا ہے؟'' حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر یہ شخص جڑ گیا تو پھر اس قوم میں دو شخص بھی آپ کے مخالف نہیں رہیں گے''۔

جس وقت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی بات کہہ کر سانس لینے لگے، تو حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بھائی! آپ تھوڑی دیر بیٹھو تو سہی! ہماری بات تو سنو، اگر اچھی لگی تو مان لینا اور اگر اچھی نہ لگی تو نہ ماننا۔ ہم ایسی بات کہیں گے ہی نہیں جو بری لگے۔ اس پر سعد بن عبادہ نے کہا: ''یہ انصاف کی بات ہے'' اور بیٹھ گئے، حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی بنیادی باتیں: توحید، رسالت اور آخرت کے بارے میں سمجھا کر قرآن پاک پڑھ کر سنایا، قرآن کریم سنتے ہی ان کے چہرے پر کچھ ایسا نور چمکا کہ حضرت مصعب ابن عمیر رضی

اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کا نور دل تک پہنچا دیا ہے، بس قرآن کریم سنتے ہی وہ بولے: ''یہ تو بتاؤ آپ اپنے دین میں کسی کو کیسے شامل کرتے ہو؟'' حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بس آپ نہا دھو کر، پاک صاف کپڑے پہن کر، کلمہ شہادت پڑھو اور دو رکعت نماز پڑھو، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے غسل کیا، پاک کپڑے پہنے، اور کلمہ شہادت ادا کرنے کے بعد حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے بتانے پر دو رکعت نماز پڑھی۔ سبحان اللہ! کچھ دیر پہلے کیا تھے! اب کیا ہو گئے؟

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ یہاں سے واپس مڑے، تو قوم نے وہی بات کہی، جو انہوں نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے لئے کہی تھی کہ سعد کا وہ چہرہ نہیں جس چہرے سے گئے تھے، لوگوں کے پاس پہنچے، فرمانے لگے: ''اے میری قوم بنو عبد الاشہل! سچ بتاؤ! میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تم مجھے اپنے درمیان کیا درجہ دیتے ہو؟ سب ایک زبان ہو کر بولے: '' آپ ہمارے سردار ہیں، آپ ہم میں سب سے عقلمند اور پڑھے لکھے ہیں، اور آپ کا مشورہ معتبر ہے''۔ اس پر انہوں نے فرمایا: ''سنو اور غور سے سنو! میرا اب تمہارے ساتھ کلام کرنا اس وقت تک حرام ہے جب تک ایک ایک مرد اور عورت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آئے'' اس اعلان کا یہ نتیجہ نکلا کہ شام ہونے تک بنو عبد الاشہل کا کوئی مرد اور عورت ایسا نہیں تھا جس نے ایمان قبول نہ کر لیا ہو۔ (ابن ہشام: ۱/۵۰)

یہ تھی حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کی محنت کہ کوئی گھر بھی مدینہ منورہ میں ایسا نہ تھا جس میں کوئی نہ کوئی شخص ایمان والا نہ ہو۔

عقبہ میں ۷۵ افراد کی دوسری بیعت یعنی بیعتِ عقبہ ثانیہ

ایک سال کی محنت کے بعد یعنی نبوت کے تیرھویں سال میں حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ ۷۵ لوگوں کو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ لے کر آئے، یہ مومن بندے دوسرے

مشرکوں کے ساتھ تھے، لیکن ایمان والوں میں صرف ایک ہی بات کا چرچہ تھا کہ ہم کب مکہ پہنچیں گے؟ کب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری ملاقات ہوگی؟ کب آپ کی زیارت کریں گے؟ بل کہ ایک بار تو انہوں نے آپس میں بات کرتے ہوئے بڑی دکھ والی بات کہہ دی- جس کا تذکرہ ہر ایک سیرت لکھنے والے نے کیا ہے-''افسوس! ہم کب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی پہاڑیوں میں پریشان گھومتے پھرتے چھوڑے رکھیں گے؟ کب تک حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ڈرے اور سہمے مکہ میں گھومتے رہیں گے؟'' دراصل اس بار یہ سفر تھا ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دینے کے لئے، اور ہجرت کی منظوری لینے کے لئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر ان حضرات کو سب سے زیادہ انتظار حضرت نبی اکرم، شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا تھا، جس کے لئے کچھ حضرات نے تو خود اپنے طور پر کوشش بھی کی، لیکن آخر کار صلاح ومشورے سے یہ بات طے پائی کہ حج کے بعد منٰی میں شیطان کو کنکری مارنے والی جگہ کے قریب اسی پرانی عقبہ والی جگہ ملاقات ہوگی۔

حج سے دو دن بعد یعنی ۱۲ ذی الحجہ ۱۳ نبوی کی رات یہ تہتر ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں جس وقت سب لوگ اپنے اپنے خیمے میں گہری نیند سو گئے، یہ آہستہ آہستہ اپنے خیموں میں سے باہر نکل کر سارے اس مبارک جگہ جمع ہو گئے۔ انہوں نے مشرک ساتھیوں میں سے کسی کو خبر نہیں ہونے دی، صرف ایک شخص عبداللہ ابن حرام جو بڑی عزت والے سردار تھے؛ لیکن ابھی ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی ساتھ لے لئے، اور ان کو راستہ میں ہی بتا دیا کہ ہم اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں، اللہ تعالٰی نے انہیں بھی اسی وقت ایمان کی دولت سے نواز دیا، اور انہیں بھی بیعت نصیب ہوگئی۔ (البدایہ والنہایہ:۱۸۹/۳))

خیر! یہ لوگ پہلے پہنچ گئے، تھوڑی دیر بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لے آئے، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن اپنے بھتیجے سے بہت محبت کرتے تھے، اور چاہتے تھے کہ وہ بات کر کے اپنا دل مطمئن کر لیں، ہوا بھی یہی،

پہلے انہوں نے ہی بات شروع کی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وضاحتی بات

حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ دنیا دیکھے ہوئے، بڑے ذہین اور ہوشیار آدمی تھے، ان کو اندازہ تھا کہ اس بیعت کے نتیجہ میں کل ہجرت بھی پیش آئیگی، قریشی سردار مدینہ منورہ تک مسلمانوں کا پیچھا بھی کریں گے، دائیں بائیں کے قبیلوں کو بھی سکھائیں، بہکائیں اور اکسائیں بلکہ بھڑکائیں گے، ایسے وقت میں کہیں یہ مدینہ منورہ کے لوگ اس صورت حال سے گھبرا نہ جائیں، اس لئے انہوں نے بیٹھتے ہی یہ وضاحتی بات کی کہ: ''اوخزرج کے لوگو! ہمارے درمیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس حیثیت سے ہیں وہ تمہیں معلوم ہے، قریشی بیشک ان کے دشمن ہیں، لیکن وہ اپنے شہر میں اپنی قوم میں یقیناً عزت اور حفاظت سے ہیں، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اور تم ان سے معاہدہ کررہے ہو تو یاد رکھنا قریشی لوگ ان کے جانی دشمن ہیں، اس لیے سوچ لو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ خطرے سے خالی نہیں ہے بلکہ یہ تو سرخ وسیاہ (کئی طرح کی) جنگوں کو دعوت دینا ہے، اس لئے اگر تم ان کی دشمنوں سے حفاظت کرسکتے ہو تو اچھی بات ہے، اور اگر تم ان کو اپنے پاس بلا کر حفاظت نہیں کرسکتے، تو انہیں یہیں چھوڑ جاؤ؛ کیوں کہ اپنے شہر اور خاندان میں وہ حفاظت سے ہیں''۔

اس پر مدینہ منورہ کی ان پاک ہستیوں نے جواب دیا: ''ہم نے آپ کی بات سن لی ہے، اب ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے دو''، پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''حضرت! اب آپ گفتگو فرمایئے! اور ہم سے اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو چاہیں وعدہ لے لیں''۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۹۲/۳)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بات اس طرح شروع فرمائی کہ پہلے تلاوت فرمائی جس سے ان کے دل نرم ہوگئے، اور ایمان مزید پکا ہوگیا، پھر فرمایا: ''میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں کہ تم اسی کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور ساتھ ہی خوشی، غمی، صحت و بیماری، امیری و غریبی ہر حال میں میری بات مانو، میری اطاعت کرو۔ اور اپنے ساتھیوں کے لئے یہ بات چاہتا ہوں کہ تم انہیں مدینہ منورہ میں رہنے کی جگہ دو، اور پھر جس طرح اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح ان کی بھی حفاظت کرو''۔

مدینہ منورہ کے انصار نے عرض کیا کہ: ''اگر ہم ان باتوں پر عمل کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت اور آخرت کی نہ ختم ہونے والی نعمتیں!'' انصار نے جواب دیا: ''ہمیں یہ سب کچھ منظور ہے، مبارک ہاتھ آگے کیجیے! تاکہ ہم بیعت کرسکیں!'' ایک صحابی جو سب سے پہلی ملاقات میں بھی موجود تھے، وہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: ''حضرت ہمارے یہودیوں سے پرانے تعلقات ہیں، اس بیعت کے بعد ہوسکتا ہے ہمارے تعلقات ان سے ٹوٹ جائیں، کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ دے، اور فتح عطا فرمائے تو پھر آپ مکہ واپس تشریف لے آئیں اور ہمیں اکیلا چھوڑ دیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر مسکرا دیے، اور فرمایا: ''نہیں نہیں! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا! اب تمہاری جان میری جان ہے، تم میرے اور میں تمہارا ہوں، جس کے ساتھ تمہاری جنگ اس کے ساتھ میری جنگ ہے! اور جس کے ساتھ تمہاری صلح، اس کے ساتھ میری صلح ہے'' اس پر سارے خوش ہوگئے اور سب نے باری باری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''سب سے پہلے حضرت اسعد ابن زرارہ اور براء ابن معرور رضی اللہ عنہما اور پھر اسید ابن حضیر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۹۱/۳)

بیعت کے سنگینی اور حضرت ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان

حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ درمیان میں کھڑے ہوکر بیعت کی اہمیت اور خطرنا کی بتانے کے لئے فرمانے لگے: ’’لوگو! سنو! تم اس بیعت کو کیا سمجھتے ہو؟ یہ عرب وعجم سے جنگ کرنے والی بات ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مصیبتوں اور پریشانیوں کے سیلاب کے سامنے کمزور پڑ جاؤ، اور ڈر کر بیعت توڑ دو، اس سے اچھی بات یہ ہے کہ تم بیعت کرو ہی نہ، حالات سے ڈر کر بیعت کو چھوڑنا یہ دنیا وآخرت میں ذلیل ہونے والی بات ہے، اور اگر تم اپنی جان اور مال کا سودا کر کے اس بیعت کو بچا سکتے ہو تب تو تمہارے لئے اس میں دونوں جہاں کی کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اس پر سب نے یک زبان ہوکر زور سے کہا: ’’ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر جان، مال کسی چیز کو کبھی ترجیح نہیں دیں گے، ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں کہ خدا کی قسم ہم حالات سے ڈر کر کبھی بیعت نہیں چھوڑیں گے‘‘۔

کچھ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: ’’ایسے ہی موقع پر یہ آیت پاک نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰـهَ اشْتَـرٰى مِـنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْـلِ اللّٰـهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ☆

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کے مال اور ان کی جانیں خرید لی ہیں، اس کے بدلے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کئے بھی جاتے ہیں، اس پر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سچا وعدہ ہے تورات میں، انجیل میں اور قرآن میں بھی، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون وعدہ پورا کرنے والا ہے! لہٰذا تم اپنی تجارت پر خوشی مناؤ جو تم نے اس سے کی ہے، یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ:۱۱۱)

بیعت کرتے وقت مصافحہ کرنا

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کرتے وقت مردوں سے مصافحہ فرماتے تھے، لیکن عورتوں سے کبھی نہیں، بلکہ ان کو صرف بیعت کے الفاظ کہلواتے تھے، اور زبانی وعدہ لے کر فرماتے تھے جاؤ تم سے بیعت لے لی گئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جو عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سورہ ممتحنہ کی آیت ۱۲ کی شرط کے مطابق زبانی بیعت لے کر فرمایا کرتے: ''جاؤ! میں نے تم سے زبانی بیعت لے لی''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ: ''خدا کی قسم! بیعت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ہاتھ کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا، بس صرف زبانی بیعت فرماتے تھے''۔ (بخاری شریف)

اور کسی موقع پر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اطاعت کا پکا وعدہ لیا ہے، ویسے ہی میں بھی پکا وعدہ لیتا ہوں''۔

(مسند امام احمد، معجم طبرانی، منقول از سیرت المصطفےٰ: ۱/۱۳۷)

اس بیعت میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں حضر نسیمہ بنت کعب رضی اللہ عنہا اور حضر اسماء بنت عمرو رضی اللہ عنہا بھی تھیں، اس موقع پر بھی مردوں سے مصافحہ کر کے بیعت لی گئی، جب کہ ان دو خوش نصیبوں سے زبانی بیعت لی گئی۔

۱۲ سردار اور نقیب

جس وقت بیعت کی یہ بات اختتام پر پہنچی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں ۱۲ سردار مقرر کئے تھے، جن کو نقیب کہا جاتا تھا، اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۱۲ حواری تھے، میں بھی اسی طرح تمہارے لئے حضرت

جبرئیل علیہ السلام کے اشارے کے مطابق ۱۲ سردار مقرر کر لیتا ہوں'' پھر جن کو نقیب مقرر فرمایا تھا، ان سے فرمایا: ''تم اپنی قوم کے اب ذمہ دار ہو کہ انہیں بیعت والی باتوں پر عمل کراؤ۔ اور جو خوش نصیب سردار اور نقیب بنے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: قبیلہ خزرج میں سے یہ حضرات: اسعد ابن زرارہ، رافع بن مالک، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنھم (یہ تین حضرات بیعت عقبہ اولی میں بھی شامل تھے) سعد ابن ربیعہ، سعد ابن ربیع، منذر ابن عمرو، عبداللہ ابن رواحہ، براء ابن معرور، عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنھم۔

قبیلہ اوس میں سے تین حضرات: اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ، ابوالہیثم بن تیہان، اور کچھ حضرات نے حضرت ابوالہیثم کی جگہ حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنھم کا نام لکھا ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۹۲/۳)

شیطان کی پکار

یہ بیعت والا کام اختتام پر پہنچنے ہی والا تھا کہ ابلیسی لشکر کے کسی شیطان کو معلوم ہو گیا، اور تو کچھ اس سے ہو نہ سکا، لیکن اونچی پہاڑی پر چڑھ کر زور زور سے شور مچانے لگا، او خیمہ والو! او مکہ والو! تمہیں معلوم بھی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے عقبہ میں صلاح و مشورے کر رہے ہیں''۔ لوگوں نے یہ انوکھی آواز سنی، تو حیران ہو گئے۔ مگر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''آپ اس کی طرف توجہ نہ دیجیے! یہ اس علاقہ کا شیطان ہے'' اور فرمایا: ''او خدا کے دشمن سن! اب میں بہت جلد تیرے لئے فارغ ہونے والا ہوں''۔ (زادالمعاد)

یہ بات سنی تھی کہ انصاری صحابہ کرام کی غیرت جوش میں آ گئی، حضرت سعد بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: ''حضرت! اگر اجازت ہو تو ہم صبح ہی مکہ والوں کو کچھ سبق سکھا دیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں نہیں! آپ اپنے خیموں میں جاؤ، ہمیں

ابھی اس کی اجازت نہیں ہے''۔ (البدایہوالنہایہ:۳/۱۹۵)

بیعت والوں کا قافلہ مدینہ کے راستے پر گامزن

صبح کسی طرح اس بیعت کے بارے میں قریشیوں کو کچھ خبر ہوئی تو وہ حیران وششدر رہ گئے، ان کے ہوش اڑ گئے؛ کیوں کہ وہ اس بیعت کا اثر بہت اچھی طرح سمجھتے تھے، وہ فوراً مدینہ والوں کے خیموں کی طرف دوڑے، لیکن وہاں ان کی ملاقات مدینہ کے مشرکوں سے ہوئی، قریشی سرداروں نے کہا: ''افسوس ہے! ہمیں دنیا میں کسی سے بھی جنگ کرنی اتنی بری نہیں لگتی، جتنی تم سے لگتی ہے، ہمارے اور تمہارے پرانے تعلقات ہیں، لیکن تم ہمارے ساتھی کو اپنے شہر لے جارہے ہو، اور جنگ کرنے کا معاہدہ کررہے ہو؟

مدینہ کے مشرکوں کو تو کچھ معلوم ہی نہیں تھا، انہوں نے قسم کھا کر اس کا یقین دلوایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، اور نہ ہی ہم ایسی کوئی حرکت کبھی کر سکتے ہیں! مسلمانوں کو بھی معلوم ہوگیا، لیکن وہ خاموش رہے، نہ ہاں کی، نہ انکار کیا۔

قریشی سردار مطمئن ہوکر اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے، لیکن بعد میں انہیں یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ بات بالکل سچی تھی، انہوں نے اپنے آدمی انصاری صحابہ کرام کے پیچھے دوڑادیے، لیکن وہ مدینہ منورہ کے راستے پر جاچکے تھے، تاہم انہیں حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما وہاں مل گئے، حضرت منذرؓ تو مشرکین کو بے وقوف بنا کر بھاگنے میں کامیاب ہوگئے، لیکن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے پکڑ لیا، اور باندھ کر مکہ لے آئے، وہاں لاکر بہت مارا، آخرکار ایک شخص کو ان پر ترس آیا، تو اس نے کہا: ''بھائی تیرا کوئی بھی مکہ میں واقف نہیں ہے کیا؟'' انہوں نے کہا: ''جبیر ابن مطعم، اور حارث ابن حرب جو عبد مناف کے پوتے ہیں، یہ تجارت کے سلسلے میں کئی بار ہمارے وطن آئے ہیں، اور میں نے بہت بار ان کی حفاظت کی ہے، اس شخص نے دوڑ کر جبیر ابن مطعم کو کہا کہ: ''مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تیرا ایک دوست ہے، جس کو

لوگ بہت مار رہے ہیں، اس نے پوچھا: ''اس کا نام کیا ہے؟'' اس نے بتایا: ''سعد بن عبادہ''، جبیر نے کہا: ''بیشک، اس کا ہم پر ایک احسان ہے''، اس طرح جبیر ابن مطعم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مشرکین مکہ سے رہا کر دیا اور وہ بھی کسی طرح مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں ایمانی ہواؤں کے جھونکے

۷۵ لوگوں کا یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا، مدینہ میں تو گویا ایمان کی بہار آ گئی، ایمانی ہوائیں چل پڑیں، جہاں دیکھو، جس طرف دیکھو ہر جگہ ایمان کا تذکرہ ہے، خاص مدینہ منورہ میں تو تقریبا بہت سارے لوگ الحمد للہ ایمان میں داخل ہی ہو گئے تھے، یا یہودی کنارے پر تھے، یا ایک دو قبیلے مشرکین کے، یا وہ لوگ جو کچھ شاعروں کے چنگل میں تھے، جو ان کو ایمان سے روک رہے تھے، جو کافی دنوں بعد ایمان لائے، یا کچھ بوڑھے بزرگ تھے جو اپنے بڑھاپے کے پاگل پنے میں پڑے ہوئے تھے، جبکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم نے دنیا دیکھی ہے، ہمیں حالات کا علم ہے، یہ آج کے نوجوان کیا جانیں؟ لیکن اس نئے قافلے نے ایسی محنت کی کہ مدینہ منورہ میں ایمان کی کھیتیاں لہلہانے لگیں، یہاں تک کہ بوڑھوں کے دل بھی اس بادِ بہاری سے کھلکھلا اٹھے اور ان کو بھی ایمان نصیب ہو گیا۔

عمرو ابن جموح کے قبولِ اسلام کا عجیب واقعہ

یہ محنت کیسی تھی؟ اس کے لئے صرف ایک قصہ سنتے چلیے، اسی سے باقی ماحول کا بھی اندازہ ہو جائے گا، جو لوگ ابھی ابھی بیعت کر کے آئے تھے، ان میں ایک معاذ ابن عمرو بھی تھے، ان کے والد عمرو ابن جموح اپنے قبیلہ بنو سلمہ کے سردار، اور چودھری تھے، عمر کا کافی حصہ بھی گزار چکے تھے، یعنی ایک بڑھاپہ، دوسرے سرداری! کہ کریلا اور نیم چڑھا، جوانوں کی بات کب دل کو بھاتی؟ بڑی پرانی سوچ کے شرک پر ڈٹے ہوئے تھے، ان کا لکڑی کا ایک اپنا ہی بت تھا، جس کی بہت

عزت اور پوجا کرتے تھے، نہلاتے، دھلاتے بھی تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے والد کو سمجھانے کے لئے بہت گہرے طریقے سے سوچا کہ آخر ان کے دل تک بات کیسے پہنچائی جائے۔

ایک رات انہوں نے اپنے دوست حضرت معاذ ابن جبلؓ اور کچھ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک طریقہ نکالا، جس وقت والد صاحب سو گئے، انہوں نے آہستہ سے وہ بت اٹھا کر ایک گڑھے میں ڈال دیا، صبح والد صاحب پریشان ہو گئے کہ میرا بت کہاں گیا؟ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آخر اس گڑھے میں سے نکالا، نہلایا، دھلایا اور کہنے لگے: ''اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے ساتھ یہ کس نے کیا ہے، تب تو میں اس کی ضرور خبر لوں گا، لیکن معلوم نہیں ہو پا رہا ہے''۔

دوسری رات حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پھر اٹھا کر ایک گہرے کھڈے میں ڈال دیا، صبح کو پھر عمرو بن جموح نے دیکھا کہ ہمارا بنایا ہوا خدا اپنی جگہ پر نہیں ہے، پھر ڈھونڈنے لگے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر اس کھڈے میں سے نکال لیا، نہلایا، دھلایا، خوشبو لگائی، کئی رات تک ایسے ہی ہوتا رہا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس کو کہیں ڈال دیتے، ان کے والد صبح جا کر لے آتے، ایک دن آخر ان کے والد عمرو بن جموح نے اس بت کے کندھے پر ایک تلوار رکھی اور کہنے لگے: ''اگر تجھ میں کچھ بھی طاقت ہے، تو سن! یہ تلوار تیرے پاس ہے تو اپنے دشمنوں کا مقابلہ خود کر، اور اپنی حفاظت کر!''۔

اس دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ بت اٹھا کر ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ باندھ کر ایک دوسرے گہرے گڑھے میں لٹکا دیا، صبح عمرو بن جموح کو پھر وہ بت نہ ملا، پھر اس کو ڈھونڈنے نکل پڑے، جو مرے ہوئے کتے کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھا تو آنکھیں کھل گئیں، اور بت سے کہنے لگے: ''او بد بخت! اگر تجھ میں ذرا بھی طاقت ہوتی تو اس طرح مرے ہوئے کتے کے ساتھ لٹکا ہوا نہ ہوتا، بس اسی پر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے نواز دیا، اور پھر دین کے لئے بیٹے سے بھی بڑھ کر قربانیاں دیں، اپنی ہدایت کے اس قصے پر انھوں نے ایک بہت لمبی نظم لکھی جو سیرت کی کتابوں میں آج بھی موجود ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۶۵/۳)

اسراء ومعراج

اللہ تعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام خانہ کعبہ سے فلسطین کی مسجد اقصی تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہی اور عرش اعظم تک اپنی قدرت کا نظارہ کرانے کے لئے ایک سیر کرائی، اسی کو اسراء اور معراج کہا جاتا ہے، اور کبھی کبھی دونوں کو صرف معراج کے نام سے بھی بیان کر دیا جاتا ہے، یہ معراج کا قصہ کب پیش آیا؟ اس بارے میں تحقیق جدا جدا ہے، اور ہر ایک تحقیق کرنے والے کی الگ الگ رائے ہے، مشہور دس قول ہیں: ۱- ہجرت سے صرف چھ مہینے قبل یہ واقعہ پیش آیا ۲- ہجرت سے آٹھ مہینے پہلے (۳) ہجرت سے گیارہ مہینے پہلے (۴) ہجرت سے ایک سال پہلے (۵) ہجرت سے ایک سال دو مہینے پہلے (۶) ہجرت سے ایک سال تین مہینے پہلے (۷) ہجرت سے ایک سال پانچ مہینے پہلے (۸) ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے (۹) ہجرت سے تین سال پہلے (۱۰) ہجرت سے پانچ سال پہلے۔ اور کچھ حضرات تو لکھتے ہیں کہ جس سال نبوت کا اعلان ہوا اسی سال معراج بھی کروائی گئی، لیکن ۱۰ھ نبوی سے پہلے کے قول تو اسلئے معتبر نہیں ہو سکتے؛ کیوں کہ پانچ نمازیں تو معراج میں ہی فرض ہوئی ہیں، اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کی وفات جس وقت ۱۰ھ نبوی میں ہوئی تھی، اس وقت تک ابھی پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں، سیرت نگار اور تفسیر وحدیث پر گہری نظر رکھنے والوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ طائف کے سفر سے واپسی پر ۱۱ھ نبوی میں پیش آیا تھا، اور کچھ حضرات نے ۲۷ رجب کا بھی ذکر کیا ہے۔ (المواہب اللدنیہ: ۲/ ۶۹، السیرۃ النبویۃ للذہبی: ۱۶۶)

ہم نے یہ بیان اسی لیے پیچھے چھوڑ دیا تھا کیوں کہ اس کی تاریخ کوئی متعین نہیں تھی، لیکن یہاں اصل قصہ سے پہلے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ کائنات میں یہ اتنا عجیب وغریب واقعہ پیش کیوں آیا؟ اس کے پیچھے حکمت اور راز کیا ہے؟ اس کا سچا اور حق جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالی کے رازوں اور حکمتوں کو کون جان سکتا ہے؟

وہی اپنے کاموں کی حکمت اور رازوں کو جاننے والا ہے، لیکن ایک بات کی طرف خود قرآن پاک اشارہ کر رہا ہے، اصل واقعہ سے پہلے وہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں انبیاء کرام کے ایمان اور یقین کو بلند وبالا کرنے کے لئے اپنی قدرت کے کچھ ایسے نظارے کرواتے ہیں کہ انہیں عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

انبیاء کرام کی استقامت کا راز اور فلسفۂ معراج

اس بات کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ایک اور بات کا سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام مشکل سے مشکل حالات کھٹن سے کھٹن وقت میں مصیبتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں کے سیلاب کے سامنے بھی کمزور کیوں نہیں پڑتے؟ جھکتے کیوں نہیں؟ مایوس کیوں نہیں ہوتے؟ حالات کے ساتھ سمجھوتا کیوں نہیں کرتے؟ قرآن کریم کو سمجھنے والا شخص جس وقت قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات، اوران پر آنے والی مصیبتوں کے بارے میں پڑھتا ہے، تو حیران وششدر رہ جاتا ہے کہ اے خدا! آخر ہیں تو یہ بھی انسان! یہ بھی آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں! لیکن یہ تیرے کیسے بندے ہیں؟ ان پریشانیوں کے سامنے تو پہاڑ بھی ہل جائیں، زمین وآسمان لرزنے لگ جائیں، لیکن تیرے یہ بندے تو ذرا کپکپاتے بھی نہیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر کیسے کیسے حالات آتے ہیں صرف ایک آیت پر غور کر لیجیے؟

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ☆

ترجمہ: اور یقیناً (ان کافروں) نے بڑی بڑی تدبیریں کی اوران کی ساری تدبیریں اللہ تعالیٰ کے سامنے تھیں، اور یقیناً ان کی تدبیریں تھیں بھی ایسی کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتے تھے‘‘

(ابراہیمؑ: ۴۶)

اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس راستے میں کیسے کیسے حالات آئے اور کیسی کیسی مصیبتوں

کو گلے لگانا پڑا، ان سب کا نچوڑ خود پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی جملہ میں بیان فرمادیا:''اوذیت فی اللہ ما اوذی قبلی ''مجھ پراللہ تعالیٰ کے راستے میں(اس کے دین کی خاطر)وہ مصیبتیں آئیں جو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں آئیں''

(ترمذی)

قرآن کریم نے مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہونے والی سورہ اسراء میں، جس میں معراج کا تذکرہ بھی ہے،اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ☆وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْــًٔا قَلِیْلًا☆

ترجمہ:اور(اے پیغمبر!)جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ(کافرلوگ)تمہیں فتنے میں ڈال کراس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اوراس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنالیتے۔اوراگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا،تو تم بھی ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جاپہنچتے۔ (الاسراء:۷۳،۷۴)

آپ خود ہی اب تک آنے والی مصیبتوں پر ایک نظر ڈالیے: ہائے افسوس! ایک ہی دن میں دو دو بیٹیوں کو طلاق! گردن مبارک میں چادر ڈال کر تاؤ چڑھانا، مبارک سر سجدہ میں اوراس پر مرے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی کا رکھنا، تین سال تک بھوکے پیاسے شعب ابی طالب میں قید رکھنا کیا کیا نہیں ہوا! اور طائف کے بازار میں جو کچھ ہوا، وہ تو دوبارہ لکھنے کی مجھ میں ہمت ہی نہیں۔

لیکن اس سب کے باوجود کیا حالات سے مایوس ہوجانے، یا حالات کے سامنے جھک جانا، یا حالات سے سمجھوتا کرنے کی کوئی بات کسی موقع پر وہم وخیال میں بھی آئی؟؟ یہ کون سی طاقت ہے، جو اتنا مضبوط بنائے رکھتی ہے؟ قرآن پاک نے تو بس دو باتیں بیان کی ہیں، ایک آسمانی وحی کا نور، جس میں بار بار یہ وعدہ یاد کروایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور غالب کرے گا، اس مضمون کی چند آیاتِ کریمہ آپ بھی پڑھتے چلئے:

هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ☆

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ وہ اس کو ہر ایک دین پر غالب کرے، چاہے مشرک کتنا ہی ناپسند کریں''۔ (الصّف:۹)

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ☆ سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ☆

ترجمہ: یا ان کا کہنا ہے کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو اپنا بچاؤ خود کرلیں گے؟ اس جمعیت کو عنقریب شکست ہوجائے گی، اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے''۔ (القمر:۴۴،۴۵)

جُنۡدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ☆

ترجمہ: ان کی حقیقت تو یہ ہے کہ) یہ مخالف گروہوں کا ایک لشکر سا ہے جو یہیں پر شکست کھاجائے گا۔ (ص:۱۱)

وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ☆ اِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ☆ وَاِنَّ جُنۡدَنَا لَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ☆

ترجمہ: اور ہمارے بندے رسولوں کے لئے پہلے سے ہماری یہ بات طے شدہ ہے؛ کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی؛ اور بیشک ہمارے ہی لشکر غالب آئیں گے؛

اسی آسمانی وحی میں سابقہ انبیاء کرام پر آنے والی مصیبتوں کا بیان اور ان کے مقابلہ میں انبیاء کرام کی اولوالعزمی اور ثابت قدمی، اور آخر کار انبیاء کرام کی کامیابی، نیز دشمنوں کی تباہی! یہ سب کچھ انداز بدل بدل کر ایسے میٹھے اسلوب میں بیان کیا جاتا ہے کہ جھکتی جھکتی کمریں بھی سیدھی ہوجاتی ہیں، پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا کیا اثر ہوتا ہوگا؟ سبحان اللہ!

اس کے ساتھ ساتھ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنی قدرت، اپنی طاقت کی ایسی جھلک دکھاتے ہیں، بلکہ کئی بار تو ظاہری آنکھوں سے بھی ایسا نظارہ کروادیتے ہیں کہ اس کو دیکھنے کے بعد دنیا کی ساری طاقتیں ان کو مکھی کا پر اور مکڑی کا جالہ بھی معلوم نہیں ہوتیں۔

یہی نظارہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو انسانوں، جنوں، حیوانوں اور ہواؤں پر حکومت دے کر، اور بغیر پائلٹ کے اڑنے والے جہاز پر بٹھا کر کروایا، اور فرمایا:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ☆

ترجمہ: یہ ہماری بخشش ہے، اب تم احسان کرو یا روک کے رکھو کوئی حساب نہیں۔

(ص:۳۹)

یہی نظارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلوا کر، اور ہم کلامی کا شرف دے کر، لاٹھی سا سانپ بنا کر، ہاتھ کو سورج کی طرح چمکا کر کروایا اور پھر فرمایا:

لِنُرِیَکَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْکُبْرٰی ☆

ترجمہ: تا کہ ہم تمہیں اپنی (قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ (طٰہ:۲۳)

اور یہی نظارہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مردہ پرندوں کو زندہ کر کے اور آگ کے ڈھیر کو ٹھنڈا اسلامتی والا بنا کر کروایا اور آخر میں فرمایا:

وَ کَذٰلِکَ نُرِیٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ☆

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی، تا کہ وہ پکا یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام:۷۶)

آیت کے آخری جملہ پر ایک بار پھر غور کیجیے! کہ یہ سب کچھ اسلئے ہو رہا تھا، اور قدرت کی نشانیاں اس لئے دکھائی جا رہی تھیں تا کہ ابراہیم علیہ السلام یقین کرنے والوں میں، یعنی انبیاء کرام علیہم السلام میں شامل ہو جائیں، یہ یقین ہے کیا؟ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت، جبروت اور طاقت کا ایسا لازوال یقین ہے جس کے بعد حالات کے آگے مایوس ہونے کا تو کوئی خیال بھی نہیں آ سکتا، جھکنے کی تو بات ہی کیا ہے؟ بلکہ پھر ساری دنیا اور دنیا کی دولت اور دنیا کی تمام چیزوں کی یہی حقیقت سامنے آتی ہے، جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی:

عن سهل بن سعد قال : قال رسول الله عليه وسلم لَوْ کَانَتُ الدُّنْیَا تَعْدِلُ

عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقٰی کَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ . (ترمذی)

ترجمہ: اگر دنیا کی ساری چیزوں کی قیمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی نافرمان کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا۔ (ترمذی)

اور جس وقت یہ نظارہ کرنے کی باری آئی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو اگلوں اور پچھلوں سب کے سردار نبیوں کے نبی اور رسولوں کے امام ہیں، پھر حضرت موسیٰؑ کا کوہ طور پر ہمکلام ہونا، حضرت سلیمانؑ کے تختِ سلیمانی کا ہواؤں کے دوش پر اڑنا، اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے لئے پرندوں کا زندہ ہونا وغیرہ سب منزلیں پیچھے رہ گئیں، پھر خانہ کعبہ سے لے کر مسجدِ اقصیٰ اور وہاں سے عرش تک، وہاں! وہاں پہنچے جہاں جہاں کائنات تھی، مقصد صرف کائنات کا نظارہ کرواکر خدائی طاقت کا احساس دلوانا تھا، جیسا کہ خود قرآن کریم میں یہ بات اس طرح بیان فرمائی:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَاالَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ☆

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں؛ ''تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں'' بیشک وہ ہر بات سننے والی اور ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔ (الاسراء:۱)

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا

(تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں) پر بار بار غور فرمایئے!

واقعہ معراج کی کچھ تفصیل

سب روایتوں کے مطابق قصہ کو الگ الگ بیان کرنے کے لئے ایک بڑی کتاب کی ضرورت ہے، یہاں صرف مشہور روایات کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔

حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر آرام فرمارہے تھے، ابھی نیند بھی گہری نہیں تھی کہ اچانک چھت پھاڑ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام اور کچھ فرشتے تشریف لے آئے، جنہوں نے پیغام معراج آپ تک پہنچایا کہ آپ کا رب آپ کو آسمانوں کی سیر کروانا چاہتا ہے، پھر وہاں سے خانہ کعبہ تشریف لے گئے، جہاں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی، پھر حضرت جبرئیل نے آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے قلبِ مبارک کو زمزم سے دھویا، اور سونے کا ایک طشت (تھال) جو حکمتوں سے بھرا ہوا تھا، اسے قلبِ مبارک میں پلٹ کر سینہ مبارک پھر ویسا ہی کر دیا۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک سواری پیش کی جو خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی تھی، بجلی کی طرح تیز رفتار تھی، ایک ایک قدم انتہاءِ نظر پر پڑتا تھا اسی لیے اس کو ''براق'' کہا جاتا ہے۔ (ابن ہشام: ۱/۴۳۹)

مشہور قول یہی ہے کہ حضرت جبرئیل اسی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، وہاں سے چل کر سب سے پہلے مدینہ منورہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو رکعت نفل پڑھوائے اور بتایا کہ یہ آپ کی ہجرت کی جگہ ہے، پھر طورِ سینا پر دو رکعت پڑھنے کے لیے کہا، اور بتایا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو اپنے رب کے ساتھ ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا تھا، پھر بیت اللحم میں دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے کہا، اور بتایا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اور ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے بھی دکھائے گئے۔

پھر مسجدِ اقصیٰ پہنچ کر سواری سے اترے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا، یہاں سارے انبیاء کرام علیہم السلام انتظار میں تھے کہ کب امام آئیں گے، اور نماز پڑھائیں گے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے امامت کا اشارہ کیا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں تمام انبیاء کرام نے نماز

پڑھی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کا پہلا بڑا نظارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیؑ کو قبر میں نماز پڑھتے بھی دکھا سکتے ہیں، اور پھر سب نبیوں کو مسجد اقصی میں مقتدی بنا کر جمع بھی کر سکتے ہیں، اور پھر الگ الگ آسمانوں پر، الگ الگ انبیاء کرام سے ملاقات بھی کرا سکتے ہیں، نماز کے بعد جنت سے ایک سیڑھی آ گئی جو مسجد اقصی سے آسمان تک لگی ہوئی تھی، اسی سیڑھی پر چڑھ کر یا براق پر بیٹھ کر کے مختلف روایتوں کے مطابق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے بھی آگے سدرۃ المنتہی پر اور اس سے آگے مقام قرب میں عرش تک پہنچ گئے، جہاں پہلے آسمان پر آدم علیہ السلام کے ساتھ، اور دوسرے آسمان پر حضرت عیسیؑ اور حضرت یحییٰؑ کے ساتھ اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ، اور چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ، اور پانچویں پر حضرت ہارونؑ اور چھٹے پر حضرت موسی علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملاقات فرمائی۔ جو بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اور سدرۃ المنتہی سے آگے عرش پر خالق کائنات کی بارگاہ میں حاضری کا شرف نصیب ہو گیا، پھر دوبارہ سدرۃ المنتہی پر پہونچے جہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا، اور یہیں پر اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب قدرت کا نظارہ فرمایا۔ اور قاب قوسین یعنی انتہائی قرب کا مقام بھی مل گیا، پھر مالک الملک نے اپنے بندے کی طرف وحی کی یعنی کہ ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا، جہاں تین بڑے تحفے عطا کیے گئے، ایک تو امت کی بھول چوک کی معافی! دوسرے سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کریمہ، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر واسطۂ جبرئیل عطاء ہوئیں، اور تیسرے پچاس نمازوں کا تحفہ، جو حضرت موسی علیہ السلام کے مشورہ پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بار بار حاضری وآہ وزاری کرنے سے کم ہوئیں اور پانچ رہ گئیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جنت اور جہنم کے بھی کچھ مناظر دکھائے گئے، جس میں امت کے نیک لوگ نیک اعمال کی جزا لیتے ہوئے، اور گناہ گار لوگ الگ الگ گناہوں پر گناہوں سے ملتی جلتی رنگ رنگ کی سزا سہتے ہوئے بھی دکھائے گئے، آخر میں جس طرح تشریف لے گئے تھے اسی طرح

واپس مسجدِ اقصیٰ تشریف لے آئے، اور وہاں سے اسی براق پر بیٹھ کر واپس مکہ مکرمہ پہنچ گئے، یہ بڑی حیران کن بات تھی، لیکن حبیب کبیر یا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح مکہ کے مشرکوں کے ایک مجمع میں یہ سارا قصہ بیان فرمادیا، جس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا، کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مشرکین میں سے بہت سارے لوگوں نے مسجدِ اقصیٰ دیکھی ہوئی تھی، وہ فوراً کھڑے ہوگئے، ہمیں مسجدِ اقصیٰ کی الگ الگ چیزوں کی تفصیل بتاؤ، پھر کسی نے کھڑکیاں، کسی نے دروازے، کسی نے دوسری چیزوں کے بارے میں سوالات شروع کردیے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے درمیان کے تمام پردے ہٹا کر مسجدِ اقصیٰ کو میرے سامنے کردیا، پھر وہ پوچھتے جارہے تھے اور میں دیکھ دیکھ کر صاف صاف جواب دے رہا تھا'' اس پر وہ ہکا بکا اور حیران وپریشان ہوگئے (بخاری شریف)

پھر ایک اور کھڑا ہوا، اس نے کہا: ''راستے کی کوئی بات بتایئے''! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا ایک قافلہ ہے جو تجارت کرکے شام سے واپس آرہا ہے، وہ تین دن میں مکہ میں داخل ہوجائیگا، اور قافلے کے آگے آگے ایک بھورے رنگ کا اونٹ ہے، جس پر بوریاں لدی ہوئی ہیں، اوران کا ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا تھا، پھر بعد میں مل گیا تھا، تین دن بعد یہ قافلہ مکہ میں داخل ہوا تو انہوں نے وہ ساری باتیں قافلہ والوں سے معلوم کیں جن کا انہوں نے اقرار کرلیا، اب مشرکین کے پاس کوئی سوال باقی نہیں رہا تھا، لیکن ولید بن مغیرہ بولا: ''مجھے تو لگتا ہے کہ یہ سب کچھ جادو ہے'' اس پر دوسروں نے بھی اس کی بات پر ہاں میں ہاں ملاکر بات ختم کردی اور حق سے پلہ جھاڑ لیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے یہ قصہ سنا کر کہا: ''اب تو تمہارے ساتھی اس اس طرح کے عجیب دعوے کرنے لگ گئے ہیں''!

انہوں نے جواب دیا: ''کیا واقعی یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے''؟ مشرکین نے کہا: ''ہاں! بالکل بیان فرمائی ہے''۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تب تو یہ بالکل سچ ہے'' اسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے انہیں ''صدیق'' کا لقب ملا، یعنی بہت سچ بولنے والا۔

بس یہی وہ قدرت کے مناظر ہیں جس سے ایمان کا وہ مقام مل جاتا ہے کہ اسکے بعد لچک پیدا ہوجانے، یا اپنی جگہ سے ہل جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ یہی مضمون قرآن کریم نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا☆

ترجمہ: اور اگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا، تو تم بھی ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ (بنی اسرائیل:۷۴)

مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی اجازت

اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے بندوں اور اپنے دین کی ضرور مدد فرماتا ہے، لیکن اس کا نظام اپنے خاص بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ جب تک دشمنوں کی طرف سے ظلم وستم کے سارے طریقے آزمائے نہیں جاتے، بلکہ مصیبتوں اور پریشانیوں کی ساری حدوں کو پار نہیں کیا جاتا، تب تک دشمنوں کو ڈھیل دی جاتی ہے، اور خدا تعالیٰ کی مدد کا دروازہ نہیں کھلتا، جیسے کہ خود قرآن پاک اس کا اعلان کررہا ہے:

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآئَھُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ☆

ترجمہ: (پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کی قوموں پر عذاب آنے میں کچھ دیر لگی) یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہوگئے، اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں تو ان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی (یعنی کافروں پر عذاب آ گیا) اور جن کو ہم چاہتے تھے انہیں بچالیا گیا، اور جو لوگ مجرم ہوتے ہیں ان سے ہمارے عذاب کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ (سورہ یوسف:۱۱۰)

نیز فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ☆

ترجمہ: (مسلمانو!) کیاتم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہوجاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے ان لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں، اور انہیں ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اٹھے کہ: ''اللہ کی مدد کب آئے گی؟'' یادرکھو! اللہ کی مدد بہت نزدیک ہے

(البقرہ:۲۱۴)

نبوت کے تیرھویں سال مکہ مکرمہ میں کچھ اسی طرح کے حالات پیدا ہو گئے تھے، جیسے ان دو آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں، تنہا اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لیے مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی تھی، اور طائف کے سفر کے بعد اب مشرکوں کی طرف سے بھی مایوسی ہوگئی تھی، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا دروازہ کھل جانے کا فیصلہ ہوگیا، اور مدینہ پاک کے لوگوں نے اپنے دروازے ان ایمان والے مظلوموں کے لیے کھول دیے، جس کی دعوت انہوں نے بیعتِ عقبہ ثانیہ میں دے دی تھی۔

ادھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے خواب میں ہجرت کی جگہ بتائی گئی، پھر معراج کی رات وہاں دو رکعت نماز پڑھوا کے بتایا گیا کہ یہ آپکی ہجرت کی جگہ ہے۔ آخر کار وحی کے ذریعہ ہجرت کی اجازت دیدی گئی۔

پھر ہجرت کی ترغیب میں قرآن پاک کی وہ آیات نازل ہوگئیں، جن میں اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر گھر بار، رشتے دار اور اپنا وطن چھوڑنے کی فضیلت بیان کی گئی، ادھر مکہ مکرمہ کے حالات کچھ ایسے ہوگئے تھے کہ ایمان والوں کو اپنا گھر، رشتے دار اور اپنا وطن چھوڑنے کا ذرا بھی دکھ نہیں تھا، بلکہ اس بات کی بہت خوشی تھی کہ مدینہ میں جا کے اپنے مالک کے دین پر عمل کریں گے، اور

اس کی خوب عبادت کریں گے۔

ہجرت کے راستے میں پریشانیاں اور رکاوٹیں

حضرت میاں محمد رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ:''

لسے دا کی زور محمد یا رونا یا نسنا

کہ کمزور کی کیا طاقت؟ یا تو روئے گا یا بھاگے گا،

لیکن وہاں کمزور ان دو بنیادی حقوق سے بھی محروم تھے، ان کمزوروں کو مکہ کے طاقت ور، نہ رونے کی اجازت دیتے تھے نہ بھاگنے کی! حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بیعت عقبہ ثانیہ سے کچھ ہی دن بعد اجازت دیدی تھی کہ جب بھی کسی کو کسی طرح موقع ملے، وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جائے، لیکن ہجرت بھی کوئی آسان کام نہیں تھا، مکہ کے مشرک سردار اس کو اپنے لیے ایک چیلنج سمجھتے تھے کہ مسلمان بھاگ کر دوسری جگہ جا کر آرام سے رہیں، انہیں جیسے ہی معلوم ہوا، انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ہر راستے سے ہجرت کرنے والوں کو روکنے کی کوشش کی، ہم یہاں بطورِ مثال صرف تین صحابہ کرام کے قصے لکھیں گے، جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہجرت کرنا کتنا مشکل تھا۔

۱۔حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں، جنہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر وہ غلط خبر ملنے کے بعد واپس مکہ آ گئے تھے، اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات میں شامل ہو کر ام المؤمنین بن گئیں، وہ خود بیان فرماتی ہیں کہ:'' ہم نے ہجرت کا ارادہ کیا، اونٹ تیار کیا، اس پر کجاوہ بھی باندھ دیا، بلکہ ہم دونوں اور ہمارا چھوٹا سا بیٹا حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ اونٹ پر بیٹھ بھی گئے، اتنے میں میرے مائیکے والوں کو خبر ہو گئی کہ یہ ہجرت کرنے لگے ہیں، انہوں نے ہمیں گھیر لیا، اونٹ سے نیچے اتار لیا، اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے:'' تجھے جہاں جانا ہے، جا! لیکن ہم اپنی بیٹی کو

دربدر پریشان نہیں ہونے دیں گے، اور میری بازو پکڑ کر مجھے الگ کرلیا، اتنے میں میرے سسرال والے بھی آ گئے، انہوں نے مائیکے والوں سے کہا: ''آپ اپنی بیٹی کو جہاں چاہو لے جاؤ، لیکن یہ سلمہ رضی اللہ عنہ تو ہمارے خاندان کا بچہ ہے، اس کو کہاں لے جا رہے ہو؟ اس طرح انہوں نے میرا بچہ مجھ سے چھین لیا! ہائے افسوس! اب میرے شوہر مدینہ میں اور بچہ سسرال والوں کے پاس اور میں اکیلی مکہ میں مائکہ والوں کے پاس، میں ہر روز صبح ہوتے ہی اس جگہ جاتی تھی جہاں ہم جدا ہو گئے تھے۔ اور بہت دیر تک وہاں بیٹھ کر رو دھو کر اپنا دل ہلکا کرتی تھی، اسی طرح پورا ایک سال گزر گیا، ایک سال کے بعد میرے چچیرے بھائی کو مجھ پر رحم آیا تو اس نے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے انہیں اس بات کا احساس دلوایا کہ اس عاجز پر آخر کب تک ظلم کرتے رہو گے؟ اس طرح میرے مائکہ والوں نے مجھے میرے شوہر کے پاس مدینہ جانے کی اجازت دے دی، ادھر سسرال والوں کو معلوم ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی نرم کر دیے، انہوں نے میرا بچہ سلمہ مجھے واپس کر دیا، لیکن میرے ساتھ مدینہ جانے کے لیے کوئی بھی تیار نہ ہوا، میں نے اپنے بچے سلمہؓ کے ساتھ اونٹ پر اکیلے ہی پانچ سو کلومیٹر کی مسافت کا یہ سفر طے کرنے کا ارادہ کرلیا، چنانچہ میں تنعیم نام کی ایک جگہ - جہاں آج مسجدِ عائشہؓ ہے - پہنچ بھی گئی، یہاں مجھے عثمان ابن طلحہ ملے، انہوں نے کہا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' میں نے جواب دیا: ''اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں'' انہوں نے کہا: ''ساتھ اور کون ہے؟'' میں نے کہا: ''ایک اللہ تعالیٰ اور دوسرا یہ بچہ'' انہیں مجھ پر رحم آیا، میرے اونٹ کی لگام پکڑ کر آگے آگے چل پڑے، حضرت عثمان ابن طلحہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد ابن ولیدؓ کے ساتھ مسلمان ہوئے، لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''خدا کی قسم! میں نے ان سے زیادہ شریف شخص کوئی نہیں دیکھا، وہ جہاں منزل آتی، اونٹ بٹھا کر ہمیں اترنے کا اشارہ کرتے، اور اونٹ لے کر دور چلے جاتے، اسی طرح آرام کے ساتھ ہم مدینہ منورہ پہنچے، قبا کے قریب کچھ خیمے لگے ہوئے تھے، ان کے لیے اشارہ کرنے لگے، آپ کے شوہر یہاں رہتے ہیں، اب آپ اللہ تعالیٰ

کے حوالے چلی جاؤ''، پھرہمیں چھوڑ کر وہ واپس مکہ چلے گئے، مجھے ایک سال کے بعد میرے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ملے۔(ابن ہشام: ۴۶۸/۱، البدایہ والنہایہ: ۱۶۹/۳)

یہاں خاص غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا نے تو اپنی آپ بیتی سنائی، لیکن سوچو! حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جو بہن بھائی، ماں، باپ سارے رشتہ دار اور اپنا پیارا وطن چھوڑ کر جارہے تھے، پھر جس وقت ان سے ان کا بچہ اور ان کی اہلیہ محترمہ چھین لی گئیں ہوں گی، ان کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ کیا بیتی ہوگی؟ انہوں نے یہ ایک سال مدینہ میں کیسے گزارا ہوگا؟ لیکن تاریخ میں ان کے دکھ اور غم کی کوئی بات مجھے ڈھونڈنے کے باوجود نہیں مل سکی؛ کیوں کہ ان دکھوں کے مقابلے میں ان کو آزادی سے اپنے مالک کی عبادت کرنے اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہنے کی خوشی اتنی تھی کہ اس کے مقابل کوئی غم غم ہی نہ تھا، افسوس! کبھی اس کا کچھ احساس لکھنے والے اس گنہگار کو اور ہمارے پڑھنے والوں کو بھی نصیب ہوجائے! آمین۔

۲:- حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا قصہ پیچھے گزرا ہے، انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا، لیکن جس وقت مشرکوں کو معلوم ہوا، انہوں نے ان کو گھیر لیا، آگے روایتیں کئی طرح کی ہیں، مشہور روایت یہ ہے کہ مشرکوں نے ان سے کہا کہ: ''آپ جس وقت مکہ آئے تھے، آپ کے پاس کچھ نہیں تھا، آپ نے مکہ آکر ہی سب کمائی کی ہے؛ لہذا ہم آپ کو یہ مال و دولت ساتھ لے کر نہیں جانے دیں گے، اس پر انہوں نے بدن سے لگے کپڑوں کو چھوڑ کر سب کچھ انہیں دے دیا، جس پر مشرکین نے ان کا راستہ چھوڑا، جس وقت وہ مدینہ منورہ پہنچے اور یہ سفر والی بات سنائی، تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صہیب نے بڑے نفع والی تجارت کی ہے''۔ سیرتِ ابن ہشام اور کچھ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ☆

ترجمہ: اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں، اور اللہ

تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (البقرہ:۲۰۷)

۳:-حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو اور صحابۂ کرام نے ہجرت کا ارادہ کیا تھا، ایک ہشام ابن عاصؓ اور دوسرے عیاش ابن ابی ربیعہ رضی اللہ عنھما: حضرت ہشامؓ کی کسی طرح مشرکوں کو خبر لگ گئی اور ان کو قید کرلیا گیا، جو کافی عرصہ تک قید میں رہے، حضرت عیاش ابن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے، لیکن یہ جیسے ہی مدینہ پہنچے تو وہاں سے ابوجہل اپنے بھائی حارث کو ساتھ لے کر مدینہ پاک پہنچ گیا، حضرت عیاش ابوجہل کے چچیرے بھائی تھے، اور ماں تینوں کی ایک تھی؛ اس لیے ماں شریک بھائی بھی تھے۔ ابوجہل نے خوب رو رو کر سنایا کہ: ''بھائی! تیرے آنے کے بعد والدہ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تیرا منہ نہ دیکھ لوں، تب تک میں نہ دھوپ سے ہٹ کر سائے میں جاؤں گی نہ سر دھوؤں گی''۔ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ ماں کی یہ باتیں سن کر والدہ کے لئے تڑپ گئے، اور ان کی قسم پوری کرنے لے لیے واپس مکہ کا ارادہ کرلیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''مجھے دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے، آپ ان کی باتوں میں نہ آیئے! ماں کو جس وقت جوئیں تنگ کریں گی، وہ خود سر دھوئیں گی، اور مکہ کی تپتی ہوئی دھوپ خود انہیں اندر جانے پر مجبور کرے گی، اور اگر تم نے جانا ہی ہے تو میری یہ اونٹنی لے جاؤ، آپ کو جہاں ان کی نیت میں کھوٹ لگے، اس پر بیٹھ کر واپس آنا، یہ آپ کے کام آئے گی۔

آخر وہ ابوجہل کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگئے کہ میں اپنی والدہ کی قسم پوری کرکے فورًا واپس آجاؤں گا، قریب ایک دن کی مدت تک وہ ان سے بہت میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے، پھر ایک جگہ پہنچ کر ابوجہل کہنے لگا: ''بھائی صاحب! میرا اونٹ تو بالکل ہی رہ گیا ہے، آپ مجھے اپنی اونٹنی پر بٹھادیں''۔ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کوئی بات نہیں آجاؤ!'' انہوں نے جیسے ہی اونٹی کو نیچے بٹھایا، وہ دونوں ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں جکڑ کر باندہ لیا، پھر اسی طرح باندھکر مکہ مکرمہ تک لے گئے، اور مکہ مکرمہ پہنچ کر بڑے فخر اور غرور سے کہنے لگے: ''بے وقوفوں، پاگلوں کو اسی طرح سزا دی جاتی ہے''۔ حضرت عیاشؓ ایک لمبے عرصہ تک ان کی قید میں رہے، حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں قیدان کمزوروں کے لیے بہت گریہ وزاری سے دعائیں کرتے تھے، ایک بار دعا کرتے ہوئے فرمایا: " **اللھم انج الولید ابن الولید وسلمة ابن ھشام وعیاش ابن ربیعة** ." اے خدا! ولید ابن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنھم کو مشرکوں کی قید سے نجات عطا فرما''۔ پھر اسی دعا کی برکت سے وہ کافی عرصے بعد قید سے چھوٹ کر مدینہ منورہ آنے میں کامیاب ہوئے۔ (ابن ہشام: ۱/۴۷۴)

ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ کی صورت حال

بس ان تین قصوں سے اندازہ کر لیجیے، ہجرت کرنا کتنا مشکل تھا۔ خیر! ہجرت کرنے والے ہجرت کرتے جا رہے تھے، مکہ خالی ہوتا جا رہا تھا، مکہ کے مشرک سردار اپنی اکڑ پر تو ڈٹے ہوئے تھے، لیکن مکہ کو اجڑتا دیکھ کر دل ان کے بھی خوش نہ تھے، ایک بار ابوجہل اور عتبہ نے کچھ گھر دیکھے، عتبہ نے بڑے دکھ اور درد سے کہا:

كُلُّ دَارٍ وَاِنْ طَالَتْ سَلامَتُهَا يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوْبُ

ترجمہ: ہر ایک گھر وہ چاہے کتنے ہی لمبے عرصے بہاروں میں رہے، آخر وہ ایک نہ ایک دن دکھوں اور غموں کا گھر بن ہی جاتا ہے۔

ہجرت کے اس قسم کے درد بھرے قصے اور بھی بہت ہیں، لیکن مجھ میں لکھنے کی ہمت نہیں، آج امت پھر ایک بار ساری دنیا میں کچھ ایسے ہی حالات سے جھٹکے کھا رہی ہے، لیکن فرق بس اتنا ہے کہ اُس وقت عتبہ، شیبہ اور ابوجہل اجڑے گھر دیکھ کر خوش نہیں ہوتے تھے، بلکہ وہ بھی روتے تھے، جب کہ آج کے ابوجہل ہمارے کھنڈرات پر بیٹھ کر شراب پیتے، اور ہماری بے بسی کا مزاق اڑاتے ہیں، اور اس وقت ام سلمہ رضی اللہ عنھا کو اپنی عزت کا کوئی خطرہ نہیں تھا، وہ پانچ سو کلومیٹر کی مسافت کا سفر اکیلے اونٹ پر بیٹھ کر طے کرنے کے لیے تیار ہوگئیں تھیں، جبکہ آج کے ابوجہل سب سے پہلے عزتوں پر ہی حملہ کرتے ہیں، وہ بیشک مشرک، کافر جاہل، منکر سب کچھ تھے، مگر عزتوں

کے بھوکے نہیں تھے، وہ ماں، بہن، بیٹیوں والے تھے، انسانیت سے ابھی گرے نہیں تھے، آج سب کچھ لٹ گیا ہے، دیکھو! انسانیت کہاں سے گر کر کہاں پہنچ گئی؟ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، اور عزتوں کے محافظ پیدا فرمائے! اللہ تعالیٰ اس دور میں بھی دشمنوں میں سے ہی عثمان ابن طلحہ کا کردار ادا کرنے والے پیدا فرمائے۔ آمین! یا رب العلمین!

حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

بیعتِ عقبہ ثانیہ جو ۱۲ ذی الحجہ ۱۳ھ نبوی میں ہوئی تھی، اس کے کچھ دن بعد ہی ہجرت شروع ہوگئی تھی، کوئی پونے تین مہینے میں اکثر ایمان والے ہجرت کر کے مدینہ جانے میں کامیاب ہوگئے، یہاں تک کہ صفر ۱۴ھ نبوی کے ختم تک مکہ پاک میں صرف حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اہلِ خانہ، نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ خانہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے، ان کے علاوہ بس وہ بچارے بے بس مسلمان رہ گئے تھے، جنہیں چھپ کر بھی بھاگنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا، یا وہ غریب تھے، جن کے پاس ہجرت کے لئے سامان نہیں تھا، ایسی حالت دیکھ کر مکہ کے مشرک دانت پیس رہے تھے کہ یہ تو ایک ایک کر کے بھاگ گئے ہیں، اور اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کرنے والے ہیں۔ مشرک سرداروں نے اس صورت حال پر مجمع جمع کر لیا، جو ان کے پنچائیت گھر یا پارلیمنٹ ہاؤس دارالندوہ میں بیٹھا۔

دارالندوہ میں مشرکین کا اجتماع اور قتل کی سازش

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکڑ دادا قصی ابن کلاب نے مکہ میں قومی مشورہ کے لئے ایک بڑا ہال بنوایا تھا، جس کو دارالندوہ کہا جاتا تھا۔ آج کی زبان میں اس کو اسمبلی ہال یا پارلیمنٹ ہاؤس یا پنچایت گھر، کچھ بھی کہہ لیجئے! آج ابوجہل اور اس کے ساتھی اسی دارالندوہ میں جمع ہو کر حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم اور تاج دارِ بطحا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنا رہے

تھے، روایات میں ان سرداروں کے نام بھی آئے ہیں جو ابوجہل کی سرداری میں ہر ایک قوم وقبیلہ سے آئے تھے۔ جس وقت سارے سردار آ گئے، اور ہال کا دروازہ بند کرنے ہی لگے تھے کہ دروازہ پر ابلیس لعین مکہ سے کافی دور نجد نام کی جگہ کا ایک بوڑھا شیخ بن کر آ کھڑا ہوا، اور اندر آنے کی اجازت طلب کرنے لگا، انجان معلوم ہو رہا تھا، اس لئے سب نے پوچھا: ''تو کون ہے؟'' کہنے لگا: ''میں نجد سے آیا ہوں! معلوم ہوا یہاں کوئی خاص مشورہ ہو رہا ہے، ہوسکتا ہے میں بھی کوئی اچھا مشورہ دے کر آپ کی مدد کرسکوں، اجازت ہو تو اندر آؤں؟'' لوگوں نے اس کو بھی اجازت دیدی، اور بات شروع ہوگئی، کسی نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو کہیں قید کر دیا جائے، نہ تبلیغ کرسکیں گے نہ انکا دین لوگوں تک پہنچے گا! اس بوڑھے نے کہا: ''یہ بات تو بالکل ہی غیر مناسب ہے، ان کے ماننے والوں کو معلوم ہوگا تو وہ سارے تم پر ٹوٹ پڑیں گے، اور ان کو چھڑا لیں گے''۔

ایک دوسرا بولا: ''ان کو اپنے ملک سے نکال دو، پردیس میں کیا کریں گے؟ وہ بوڑھا بولا: ''یہ تو بالکل ہی بری بات ہے، کیوں تمہیں ان کی میٹھی میٹھی باتیں یاد نہیں؟ اور جو کلام یہ پیش کرتے ہیں، اسکا دلوں پر اثر اور دلوں کو اپنی جانب کھینچ لینا تمہیں یاد نہیں ہے؟ یہ جہاں بھی جائیں گے اپنے شیریں اور رسیلے کلام سے لوگوں کو اپنا بنالیں گے، پھر وہ ان پر ایمان لے آئیں گے، اور آخر سارے مل کر تم پر حملہ کر دیں گے''۔ ابوجہل اٹھا اور بولا: ''ایسا کرتے ہیں کہ ہر ایک قوم اور قبیلہ میں سے ایک ایک شخص لیتے ہیں، پھر سارے مل کر ان پر یکبارگی حملہ کر دیں اور قصہ ہی ختم کر دیں، اس طرح متحدہ حملہ پر ان کا قبیلہ بنو ہاشم کسی ایک سے بدلہ بھی نہیں لے سکے گا''۔ اس پر اس بوڑھے نے کہا: ''واہ، واہ! واہ، واہ! یہ ہے اصل رائے''، پھر دوسرے حضرات نے بھی تالیاں بجائیں اور اسی پر فیصلہ ہو گیا۔

ابوجہل نے کہا: ''لیکن اس کی کاروائی آج ہی رات عمل میں آنی چاہیئے! اس پر بھی سب نے اتفاق کرلیا، آدمی بھی اسی وقت مقرر ہو گئے، اور بات بھی طے ہوگئی کہ اندھیرا ہوتے ہی سب ننگی تلواریں لے کر آ جائیں گے، پھر ساری رات ان کے گھر کا محاصرہ کر کے ان پر نظر رکھیں گے، اور

روشنی ہوتے ہی جس وقت وہ نماز کے لئے باہر نکلیں گے تو یکبارگی ان پر حملہ کر دیں گے۔

(ابن ہشام: ۵۲۹/۱، البدایہ والنہایہ: ۲۰۶/۳)

قرآن کریم نے ان کے اس مشورہ اور منصوبہ پر اس طرح تبصرہ کیا:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْيُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُاللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ☆

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب کافر لوگ منصوبہ بنا رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کر لیں، یا تمہیں قتل کر دیں، یا تمہیں (وطن) سے نکال دیں، وہ اپنے منصوبے بنا رہے تھے، اور اللہ اپنا منصوبہ بنا رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے''۔ (الانفال: ۳۰)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مشورہ اور راستے کی تیاری

ادھر دارالندوہ میں یہ صلاح مشورے ہو رہے تھے، ادھر عرش سے حضرت جبرئیلؑ وحی لے کر آ گئے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کا سارا مشورہ بتا دیا، اور ساتھ ہی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم بھی آ گیا۔ اور یہ حکم بھی کہ آج ہی رات آپ اپنا دولت خانہ چھوڑ دیں، اور اس کے ساتھ ساتھ مکہ سے نکلتے وقت اس دعا کی بھی تلقین کی گئی:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا☆

ترجمہ: اور اس طرح دعاء مانگو! یا اللہ! تو مجھے جہاں لے جائے عزت سے لے جا، اور جہاں سے نکالے عزت سے نکال! اور مجھے اپنے پاس سے مدد والا غلبہ نصیب فرما'' (اسراء: ۸۰)

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کی کڑکتی دھوپ کے وقت اپنے گھر سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: ''ابوبکر! مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے''، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بھی آپ کی

معیت کا شرف نصیب ہوگا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ضرور! کیوں نہیں؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خوشی میں رو پڑے، اور مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ خوشی میں بھی انسان کے آنسوؤں کی لڑیاں لگ جاتی ہیں''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے سے ہی اس کے لئے دو اونٹنیاں آٹھ ہزار درھم میں خرید رکھی تھیں، اور پچھلے چار مہینے سے ببول کے پتے کھلا کھلا کر پال رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ: ''حضرت یہ ایک اونٹنی میری طرف سے بطور ہدیہ قبول فرمالیجئے''۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں قیمت دیئے بغیر نہیں لوں گا''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''بہت اچھی بات! جیسا آپ چاہیں! (یعنی میرا سب کچھ آپ کے اشارہ پر قربان ہے)'' یاد رہے! حضر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ دین کی خاطر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر قربان کر دیا تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول بھی فرمالیا تھا، اور تعریف بھی فرمائی، بخاری شریف میں ہے ''ابوبکر صدیق نے اپنی جان اور مال کا مجھ پر جتنا احسان کیا، اتنا کوئی اور نہ کر سکا'' لیکن ہجرت کا سفر کیوں کہ خالص عبادت کا سفر تھا؛ اسلئے وہ سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سفر اپنے خرچ پر کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ساتھ ہی ایک راستہ بتانے والا بھی کرلیا، اور یہ بات بھی طے ہوگئی کہ رات کے وقت یہاں سے نکلیں گے، پہلے ثور نام کی ایک غار میں جانا ہے، جہاں تین دن بعد راستہ بتانے والا شخص عبداللہ ابن اریقط اونٹنیاں لے کر آجائے گا، اور تیسرے دن یہاں سے روانگی ہوگی۔

امانتوں کو ادا کرنے کی فکر

مکہ میں اس زمانہ میں آج کی طرح نہ تو حفاظتی گھر تھے، نہ کوئی بنک وغیرہ، لوگ اپنی قیمتی چیزیں حفاظت کے لئے کسی امانت دار نیک شخص کے پاس رکھ دیتے تھے، اور رحمتِ عالم صلی اللہ

علیہ وسلم سے اتنی دشمنی کے باوجود بھی اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رکھتے تھے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی الصادق الامین (بہت سچے بہت امانت دار) تھے باقی سارے مکہ میں کسی دوسرے پر چاہے وہ ان کے خاندان اور ان کی سوچ کا کوئی کافر مشرک ہی کیوں نہ ہو، بھروسہ نہ کرتے تھے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی امانتیں واپس کر دی تھیں، لیکن ابھی کچھ باقی بھی تھیں، جن کی ادائیگی کا کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگایا گیا، اور ان کو ہجرت کا راز بتا کر یہ حکم فرمایا کہ آپ میرے بستر پر سو جاؤ، اور دو تین دن میں امانتیں ادا کر کے مدینہ آ جانا، اور ساتھ ہی انہیں یہ تسلی بھی دے دی کہ آپ بے فکر رہیں، آپ کا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔

رحمتوں والے کے گھر کا گھیراؤ

سبحان اللہ! انسان بھی کتنا ناشکرا ہے، جو روشنی کا پیغام لے کر ساری دنیا کو روشن کرنے اور پیار و محبت، نیز رحمت بانٹنے آئے تھے، جو خود بھوکا رہ کر بھوکوں کو کھانا کھلانے آئے تھے، آج انہی کو قتل کرنے کے لئے ان کے گھر کا گھیراؤ کیا جا رہا تھا۔ بس اندھیرا ہوتے ہی طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق اندھیرے کے پجاری کوئی پندرہ سولہ مشرکوں نے تاج دارِ بطحا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھر کو گھیر لیا، جن میں ابوجہل، ابولہب، عقبہ ابن ابی معیط اور ابی ابن خلف جیسے بڑے بد بخت بھی تھے، یہ گھیراؤ کر کے چوکنا ہو کر کھڑے تھے کہ جیسے ہی یہ باہر نکلیں گے ان پر یک بارگی اندھا دھند حملہ کر دیں گے، یہ رات کے اندھیرے میں اندر بھی جا سکتے تھے لیکن ابھی انسان اخلاق اور کردار میں اتنا گرا نہیں تھا، جتنا آج گر چکا ہے، کہ اندھیری رات میں بہن بیٹیوں کے ہوتے ہوئے مخالف کے گھر میں گھس جانا، بلکہ بسا اوقات سب کے سامنے عزتوں پر حملہ کرنا، بہادری سمجھتے ہیں، ابوجہل اور اس کی پارٹی بیشک پکے کافر تھے، خدا اور رسولِ خدا کے دشمن تھے، لیکن اخلاق میں اتنے گرے ہوئے نہیں تھے، کہ رات کے اندھیرے میں ہی گھر کے اندر گھس جاتے، بلکہ انہوں نے باہر نکلنے کا انتظار کیا۔

خیر! آخر کار وہ گھڑی آ گئی جس میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک گھر سے آخری بار باہر نکلنا تھا، کچھ عجیب ہی نقشہ تھا، سورہ یٰس شریف کی شروع کی آیات ''فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ☆'' تک تلاوت فرما کر مٹی کی ایک مٹھی ان مشرکوں کے سر پر ڈال کر تشریف جارہے تھے، ادھر ابوجہل قہقہے لگا لگا کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا: ''سنو سنو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال ہے، اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے، تب تو تم عرب وعجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، اور مر کے تمہیں جنت ملے گی، اور اگر تم ان کے مخالف رہے، تو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھ قتل ہو جاؤ گے، اور مر کے جہنم میں چلے جاؤ گے''، اس کا مطلب تھا کہ آج تو ہم ہی نعوذ باللہ! ان کو شہید کر دیں گے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات سن کر فرمایا: ''سچ ہے میں یہی کہہ رہا ہوں، کہ یہ دنیا میں ہمارے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہوں گے، اور پھر بدر میں ایسا ہی ہوا۔

حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے سے گزر گئے، لیکن ان کو کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ صبح تک اسی انتظار میں کھڑے رہے، جس وقت روشنی پھیل گئی اور صبح کا اجالا ہو گیا، لیکن اندر سے کوئی باہر نہیں آیا، تو وہ دروازہ بجا کر اندر داخل ہوئے، جہاں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ آرام فرما رہے تھے، انہوں نے پوچھا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مجھے کچھ معلوم نہیں''، غصے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھسیٹ کر حرم پاک تک لے گئے، مگر تھوڑی دیر بعد ہی چھوڑ دیا، اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات لفظ بلفظ سچی ہوئی ''کہ کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا''۔

اپنے گھر سے غارِ ثور تک

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، جہاں وہ لمحہ لمحہ انتظار میں گزار رہے تھے، اور ان کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے راستے کے لئے کچھ توشہ تیار کر دیا تھا لیکن اس وقت جلدی میں برتن کو باندھنے کے

لئے کچھ نہ ملا، تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی کمر سے پٹکا کھول کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے، ایک سے پانی کے برتن کو باندھا دوسرے سے کھانے کے برتن کو باندھا۔ یہ پٹکا اس وقت کی عورتیں کپڑوں کے اوپر باندھتی تھیں، اور بہت شوق سے اس کو بن بن کے بناتی تھیں، اس لئے یہ بڑی قربانی تھی، اسی لئے ان کا نام ہی ذات النطاقتین (یعنی دو پٹکوں والی) پڑ گیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکل کر پہلے سے طے کردہ پہاڑ ثور کی طرف چل پڑے، جہاں وہ غار ہے، جس میں آرام کرنا تھا، یہ پہاڑ ہے تو مکہ سے بس کوئی سات کلومیٹر دور، لیکن بالکل سیدھی کھڑی پہاڑی ہے، ایسی پہاڑی کہ آج بنے ہوئے راستوں پر دن کے اجالے میں چلنا بھی مشکل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان جو اللہ تعالیٰ کے بعد ساری کائنات میں سب سے اونچی شان والے تھے، آج انہیں اس سیدھی کھڑی پہاڑی پر رات کے اندھیرے میں چڑھنا پڑ رہا تھا، حالانکہ کچھ پہلے ہی معراج کے لئے براق اور جنتی سیڑھی بھی آئی تھی، لیکن آج کچھ نہیں آ رہا تھا، تاکہ ان کے غلاموں کو معلوم ہو جائے کہ عشق اور وفا والی ایمانی منزلوں میں زندگی کو ایسے موڑ بھی دیکھنے پڑتے ہیں، اس وقت ان کے لئے یہی سنتِ نبوی خضرِ راہ اور زندگی کا سہارا ہو جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فداکاری میں عجیب وغریب حال تھا، کہ کبھی آگے چلتے تو کبھی پیچھے! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''ابوبکر! یہ کیا کر رہے ہو؟'' عرض کرتے: ''پیارے آقا! کبھی خیال آتا ہے کہ کوئی پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہ کر دے؛ اس لئے پیچھے ہو جاتا ہوں، اور کبھی خیال آتا ہے کہ کوئی چھپ کر نہ بیٹھا ہو؛ اس لئے آگے آ جاتا ہوں، کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں، کہیں کوئی آپ تک نہ پہنچ جائے، بلکہ روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ کبھی کبھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھے پر اٹھا لیتے، کہ کہیں کوئی نوکیلا پتھر آپ کے مبارک پاؤں کو زخمی نہ کر دے۔

اس طرح غارِ ثور تک پہنچ گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ذرا رکیے! میں آپ کے واسطے اندر سے صفائی کر لیتا ہوں، صفائی

کر کے اپنے کسی کپڑے کو پھاڑ کر غار کے سارے سراخ بند کر لئے، لیکن ایک سراخ باقی رہ گیا، اس پر اپنی ایڑی رکھ دی، پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر تشریف لانے کے لئے عرض کیا، اور اپنی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام کروانے لگے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی وقت مکڑی نے غار کے منہ پر گھنا جال بُن دیا، اور ایک کبوتری نے غار کے منہ پر لگے ہوئے ایک درخت پر گھونسلا بنا کر انڈے دے دئے۔ صبح کافروں نے پاگلوں کی طرح تلاش شروع کر دی، الگ الگ ٹولیاں بنا بنا کر سارے علاقے میں بکھر گئے، کوئی پہاڑ، کوئی غار، کوئی بستی، کوئی علاقہ، بلکہ کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں کوئی نہ کوئی ٹولی نہ پہنچی ہو، ایک جماعت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر بھی پہنچی جہاں ان کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ابوجہل نے پوچھا: ''تیرے والد کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ''مجھے کچھ معلوم نہیں، اس پر اس ظالم نے اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی بھی گر گئی۔

پھر یہی جماعت ڈھونڈتی ڈھونڈتی غار ثور تک پہنچ گئی، یہاں تک کہ غار کے قریب بالکل سامنے ہی آ کھڑے ہوئے، جن کو اندر سے دیکھا جا رہا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''حضرت وہ تو یہ پہنچ آئے ہیں، اگر ان میں سے کوئی اپنے پیروں کی طرف بھی دیکھے گا، وہ بھی ہمیں دیکھ لے گا، لیکن یہاں بھی لفظ وہ استعمال کیے کہ مجھے اپنی نہیں آپ کی فکر ہے، حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تسلی اور اطمینان سے فرمایا: ''ابوبکر! تیرا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے، یعنی اس کی مدد ہمارے ساتھ ہے، اور ساتھ ہی ''**لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا**''تو بالکل غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے'' فرمایا، مشرک اور قریب ہوئے تو ان میں سے ایک بولا: ''اگر کوئی غار کے اندر جاتا، تو پھر یہ جالا کیسے باقی رہتا؟ اور کبوتر کا گھونسلا کیسے باقی رہتا؟ یہاں کوئی نہیں گیا''، یہ کہہ کر دوسری طرف مڑ گئے نہیں نہیں! بل کہ اللہ نے ان کو دوسری طرف موڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے بعد میں یعنی ۹ھ ہجری میں ایمان والوں کو اپنا احسان یاد کرواتے ہوئے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ☆

ترجمہ: اگرتم نبیؐ کی مدد نہیں کرو گے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی اس وقت مدد کر چکا ہے، جب ان کو کافروں نے ایسے وقت مکہ سے نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے،، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: ''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے'' چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی، اوران کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور کافر لوگوں کا بول نیچا کر دکھایا، اور بول تو اللہ ہی کا بالا ہے، اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔ (التوبۃ: ۴۰)

غارِ ثور میں تین دن تک آرام فرمایا، جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روزانہ شام کے بعد حاضر ہوتے اور دن بھر مکہ میں کیا جو کچھ ہوتا اس کی خبر بھی دیتے تھے، ساتھ ہی کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھی پیش فرماتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام جوان کی بکریاں چراتے تھے، وہ بھی شام کے بعد حاضر ہوتے، ایک تو بکریوں کا دودھ پیش کرتے، دوسرے ریوڑ کے چلنے پھرنے سے آنے جانے والوں کے قدموں کے نشان بھی مٹ جاتے تھے، تاکہ کسی کو شک نہ ہو کہ یہاں کوئی آتا جاتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۰۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ قربان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فداکاری اور قربانی کی وہ مثالیں قائم کیں جو اولادِ آدم میں کسی نبی کے امتی کے وہم وخیال میں نہیں آسکتیں، ہجرت کے موقع پر گھر میں

جھاڑ و لگا کر سب کچھ ساتھ لے لیا، گھر میں اللہ کے کرم اور خزانۂ توکل کے سوا کچھ بھی نہ چھوڑا تھا، مگر بچوں کی تربیت ایسی فرمائی تھی کہ جانے کے بعد جب دادا ابوقحافہ نے بچوں سے کہا کہ: ''ابوبکر چلے گئے اور تمہارے لئے کچھ خرچ بھی چھوڑ کر نہ گئے''، حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ نے فوراً جواب دیا: ''داداجان! بہت کچھ چھوڑا ہے''، اور تجوری میں ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹھیکرے رکھ کر نابینا دادا کا ہاتھ پکڑ کر اس پر پھیر دیا کہ دیکھئے یہ کتنے سکے ہیں۔ چوں کہ وہ ٹھیکرے کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے اس لئے دادا نے سکے ہی سمجھ لئے اور کہا: ''یہ تو اس نے اچھا کیا ہے'' سبحان اللہ! یہ ہے قربانی! اور یہ ہے تربیت!

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پاک کے راستے میں

حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کو گھر سے نکلے تھے، جمعہ، ہفتہ، اتوار تین دن غار میں گزار کر پیر کے دن یعنی پہلی ربیع الاول ۱۴ھ نبوی میں یہاں سے نکلے اور آٹھویں دن پیر کو مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

مشہور روایت کے مطابق طے شدہ نظام کے مطابق ان دنوں اونٹنیاں عبداللہ ابن اریقط کے پاس تھیں، تیسرے دن وہ دونوں اونٹنیاں اور اپنے لئے ایک اونٹ لے کر غارِ ثور کے پاس پہنچ گیا، ایک اونٹنی پر حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور دوسری پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے بیٹھے، اصل راستہ چھوڑ کر عبداللہ ابن اریقط دوسرے راستے سے سمندر کے کنارے کنارے لے کر چلا، لیکن وہ کافی آگے آگے چل رہا تھا، اس کے بعد حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے پیچھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اگر کبھی کوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جاننے والا مل جاتا اور پوچھتا یہ آگے کون ہیں؟ وہ جواب دیتے: ''یہ وہ آدمی ہیں جو مجھے راستہ بتا رہے ہیں، وہ دنیا کا راستہ خیال کر کے چلا جاتا تھا، جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقصد آخرت کا راستہ تھا،

اس طرح یہ قافلہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوگیا۔

رب کے پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی یاد اور آسمانی تسلی

اس طرح مسافت طے کرتے کرتے **جُحفہ** نام کی ایک اونچی پہاڑی سے گذر ہوا، جو مکہ سے تقریباً ۸۴ کلومیٹر دور تھی، یہاں سمندر والا خفیہ راستہ عام راستہ سے آ کر مل جاتا تھا، اس کو دیکھ کر مکہ یاد آ گیا، آنسوؤں کی برسات لگ گئی، فرمایا: ''مکہ مجھے دنیا کی سب جگہوں سے زیادہ تو پیارا ہے، لیکن تیرے رہنے والوں نے مجھے ہجرت کرنے پر مجبور کردیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی کے لیے سورہ قصص کی یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ☆

ترجمہ: (اے پیغمبر!) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ دوبارہ تمہیں اس جگہ پر لاکر رہے گا، (جو تمہارے لئے) انسیت کی جگہ ہے۔ کہہ دو: ''میرا رب اس سے بھی واقف ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے، اور اس سے بھی جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہے''۔ (القصص: ۸۵)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ: ''اس میں حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ پاک واپس لائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراؤ نہیں۔ دراصل اسی سورت میں بڑی تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ بیان ہوا ہے، جس میں یہ بات بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک وقت میں فرعون ظالم سے بھاگ کر مدین چلے گئے تھے، لیکن صرف آٹھ یا دس سال میں پھر واپس مصر آ گئے تھے، اور آخر کار فرعون غرق ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سارے بنی اسرائیل کو اس کے ظلم سے نجات عطا فرمائی، یہ اشارہ تھا کہ یہاں بھی ایسا ہی ہونے والا ہے، اور اسی طرح ہوا بھی، بس آٹھ سال کے بعد حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فاتح اور شاہ مکہ بن کر، مکہ تشریف لے آئے، اور

ابوجہل جیسے فرعون تو جہنم کے گہرے گھڑے میں جا پہنچے ۔ ہاں ! جن کو کچھ شک وشبہ تھا، ان کی آنکھوں سے پردہ ہٹا اور ہدایت کی دولت نصیب ہوگئی۔

یہ تسلی بس صرف ایک موقع پر ہی نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس سے پہلے مکہ سے نکلتے وقت، جب غارِ ثور کی طرف جاتے ہوئے چڑھائی چڑھ رہے تھے، اس وقت بھی خانہ کعبہ اور مکہ شہر کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دکھی ہوئے اور کچھ ایسے ہی الفاظ اس موقع پر بھی زبانِ مبارک پر آ گئے، تو اس وقت سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیتیں نازل فرما کر تسلی دی گئی:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا☆

ترجمہ: بیشک حق آیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل ہے ہی مٹ جانے والی چیز''۔

(بنی اسرائیل:۸۱)

مکہ سے ہجرت کا یہ موقع ظاہری طور پر بڑی مایوسی کا سا ہے، بل کہ باہر سے دیکھنے والے تو اس منظر کو دیکھ کر یہ سمجھ رہے تھے کہ حق والے ہارتے اور بھاگتے جارہے ہیں، اسی کے جواب میں فرمایا: ''نہیں نہیں! حق گیا نہیں، بلکہ حق آ گیا ہے، اور باطل جیتا نہیں، بلکہ ہار گیا ہے، یہ بات اس وقت عام لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی، لیکن آگے چل کر لوگوں نے دیکھ لیا کہ عرب سے باطل کے مٹ جانے کا ذریعہ ہجرت ہی بن گئی۔ اللہ کرے آج کی یہ ساری دنیا میں مایوسی اور بے بسی حق کے دنیا میں عام ہونے کا ذریعہ بن جائے، وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ☆

ام معبد کے خیمے میں

مکہ مکرمہ سے کوئی ۱۳۰ کلومیٹر دور، اس راستے پر ایک غریب مسکین بوڑھی کا خیمہ آتا تھا، جو دل کی بہت مالدار تھی، اپنے خیمے کے سامنے بیٹھی رہتی تھی، اور وہاں سے آنے جانے والے ہر ایک کی اپنی حیثیت کے مطابق مہمان نوازی کرتی تھی، کسی کو پانی پلا دیتی تھی، کسی کو ستو دے دیتی تھی، لیکن آج اس مسکین بے چاری کا گھر بالکل ہی خالی تھا، حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمتوں اور

برکتوں والا یہ قافلہ بھی یہاں رکا،لیکن ام معبد کے پاس دینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا،مگر ہاں! پہلے دئے ہوئے کی برکت ضرور حاصل تھی، قافلہ والوں نے گوشت، کھجور جیسی کوئی چیز خریدنے کے لئے پوچھا،اس نے بڑی شرمندگی سے عرض کیا کہ:''میرے پاس کچھ بھی نہیں،اگر کچھ بھی ہوتا تو آپ کو کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی''اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک ایک کمزور سی بکری پر پڑی، جوایک کونہ میں کھڑی تھی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:''یہ بکری کیسی ہے؟''اس نے عرض کیا:''یہ اتنی کمزور ہے کہ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی،اسی لئے تو یہاں کھڑی ہے، جنگل میں چرنے نہیں جاسکی''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس کے تھنوں میں کچھ دودھ ہے؟''اس نے کہا:''اس میں دودھ کہاں؟''رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مجھے دوھنے کی اجازت ہے؟''اس نے عرض کیا:''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر اس میں دودھ ہے،تو آپ نکال لیجئے''،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر جیسے ہی مبارک ہاتھ تھنوں کو لگائے، وہ دودھ سے بھر گئے،ایک ایسا برتن جس سے آٹھ دس آدمی آرام سے پیٹ بھر سکیں، دودھ کا بھر کر سب سے پہلے ام معبد کو پلایا، پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا، جس وقت سارے سیر ہوگئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوش فرمایا۔ ام معبد حیران ہوکر دیکھ رہی تھیں، یہ کون مبارک شخص ہیں؟! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ برتن دوبارہ لیا، پھر دوھنا شروع کیا اور بھر کر ام معبد کو دے دیا ، اور آگے چل پڑے ، ام معبد نے یہ سارا قصہ جب شام کو ان کے شوہر ابومعبد واپس آئے تو ان کے سامنے بیان کیا،ابومعبد نے کہا:''لگتا ہے یہ وہی قریشی شخص ہیں جن کی مجھے تلاش ہے،آپ ذرا ان کا حلیہ تو بیان کریں''،اس پر ام معبد نے اپنے شوہر کے سامنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کروایا مگر انہوں نے حلیہ ایسے عجیب اور پیارے طریقہ سے بیان کیا کہ انسان یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان سے بیان کروایا ہے،ورنہ ایک نظر دیکھ کر دنیا کی کوئی بوڑھی بیان نہیں کرسکتی،وہ فرماتی ہیں:

ظاهر الوضاءة ابلج الوجه حسن الخلق، لم تعبه ثجلة ولم تذر به

صعلة وسيم قسيم فی عينه دعج وفی اشعاره وطف وفی صوته صحل وفی عنقه سطح احور، اكحل، ازجّ، اقرن، شديد سواد الشعر، اذا صمت علاه الوقار، وان تكلم علاه البهاء اجمل الناس وابهاهم من بعيد، واحسنه، واحلاه من قريب حلو المنطق، فصل، لا نزر ولاهذر، كأن منطقه خرزات نظم يتحدرن، ربعة، لاتقحمه، عين من قصر، ولاتشنوه، من طول، غصن بين غصنين فهو انضر الثلٰثة منظرا واحسنهم قدرا، له رفقاء يحفون به، اذا قال استمعوا لقوله، واذا امر، تبادروا الٰی امره، محفود، محشود، لا عابس ولامتغذ

(البدایہ والنہایہ:۳/۲۲۱)

ترجمہ: چمکتے رنگ والے، تابناک چوڑے چہرے والے، بلند و پیارے اخلاق والے، نہ پیٹ ذرا باہر نکلا ہوا جس سے خوبصورتی میں کمی آجائے، نہ مانگ کے بال گرے ہوئے، ہائے بہت ہی خوبصورت، بہت ہی پیارے، موٹی آنکھیں اور آنکھوں میں لال ڈورے، بھووں کے بال گھنے، آواز میں رعب وگرج مگر بہت میٹھی آواز، گردن اونچی اور لمبی، آنکھیں سرگیں اور خوبصورت، پلکیں گھنی خمدار خوبصورت، بال گہرے سیاہ اور گنگریالے، جب چپ ہوتے ہیں تو سکون ووقار اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، اور جب بات کرتے ہیں تو چاندنی چھا جاتی ہے، دور سے دیکھو تو سب سے زیادہ حسین وجمیل، اور نزدیک سے دیکھو تو زیادہ ہی پرکشش اور پیارے، شیریں کلام والے، صاف صاف گفتگو فرمانے والے، نہ ضرورت سے زائد بولنے والے، نہ مقصد سے کم بولنے والے، ان کا کلام ڈور میں پروئے ہوئے موتی، میانہ قد والے، نہ اتنے پست کہ نگاہ کو کھینچ نہ سکیں، نہ اتنے لمبے کہ نگاہوں کو نہ بھائیں۔ ایسے تروتازہ قامت والے گویا دو ہری شاخوں کے بیچ تیسری شاخ ہیں، بس لوگوں میں سب سے خوبصورت قد والے۔

ان کے ساتھی ان کو سدا گھیرے رکھتے ہیں، جس وقت وہ کوئی بات کرتے، تو ساتھی کان لگا کر سنتے اور اگر وہ کوئی حکم کرتے تو اس پر عمل کرنے کے لئے دوڑ پڑتے، بس اسی طرح ان کی خدمت کی جاتی ہے اور ان کی بات مانی جاتی ہے''۔

یہ صفات سننے کے بعد ابو معبد بولے: ''یہ یقیناً وہی قریشی ہیں، لہذا میں ضرور ان سے ملاقات کروں گا''۔

بعد میں دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے ایمان نصیب کر دیا، اور کچھ حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت ام معبدؓ تو اسی وقت ایمان لے آئیں تھیں، لیکن ان کے شوہر بعد میں مدینہ میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔ رضی اللہ عنہما۔

رب ہی جانے راستے میں اس طرح کے کتنے پیارے پیارے قصے پیش آئے، مگر ہائے افسوس! مضبوط سند کے ساتھ زیادہ کچھ محفوظ نہ رہ سکا، اس ایک قصے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بالکل سادھے چرواہوں اور ان پڑھوں کے دلوں میں اللہ کے پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے بعد کیسے ہل چل مچ جاتی تھی، حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ام معبد کو کوئی دین کی دعوت دی، نہ ابو معبد کو، بس ام معبدؓ نے اپنی آنکھوں سے دو چیزیں دیکھیں: ایک اللہ تعالی کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت، جس کو انہوں نے رجلا مبارکا (بابرکت شخص) کہہ کر بیان کیا۔ دوسرے پیارے کے پیارے خوبصورت چہرے کی زیارت، جس کا نقشہ کھینچتے ہوئے انہوں نے ایسا حلیہ بیان کیا کہ شوہر کو بھی ایمان نصیب ہو گیا سبحان اللہ!

(البدایہ والنہایہ: ۲۲۲/۳)

......☆......

ابوجہلی جماعت کا انعامی اعلان

اور سراقہ ابن مالک کی دوڑ

ادھر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں سب کے سردار، نبیوں کے امام حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان سے جا رہے تھے، جبکہ ادھر ابوجہل کی پارٹی کے لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے حال ہو چکے تھے، آخر تھک ہار کر انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر لائے گا، یا ان کو قتل کر دے گا، اس کو ایک سو اونٹوں کا انعام دیا جائے گا، اس انعام کی لالچ میں بڑے بڑے راستوں کے ماہر سورما میدان میں اتر آئے، لیکن بہت دوڑ بھاگ کرنے کے بعد بھی کچھ ہاتھ نہیں لگا۔

صرف سراقہ ابن مالک جن کو بعد میں ایمان نصیب ہوگیا، وہ خود اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ: ''میں خاندان میں مجمع لگا کر بیٹھا ہوا تھا، اچانک ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ''میں نے سمندر کے کنارے کچھ لوگوں کو جاتے دیکھا ہے، مجھے لگتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے اعلانِ انعام ہوا ہے، میں نے فوراً اس کو باتوں میں الجھا دیا؛ تاکہ کسی اور کا اس طرف خیال نہ جائے، میں نے اس شخص سے کہا: ''وہ نہیں ہو سکتے، پھر اپنے گھر کی پچھلی طرف سے نکلا تاکہ کوئی اور نہ دوڑ پڑے، پھر اپنا تیر و ترکش سنبھالا اور اپنا تیز رفتار گھوڑا دوڑاتا ہوا سمندر کے کنارے پہنچ گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا: ''یہ ضرور کوئی ہماری تلاش میں ہے''، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی اطمینان سے فرمایا: ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا '' گھبراؤ نہیں! اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت کی دعا فرمائی، جس سے سراقہ ابن مالک کا گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا، حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: '' میں سمجھ گیا، یہ دعا کا نتیجہ ہے''، میں نے عرض کیا: '' آپ میرے لئے دعا فرما دیجیے! میں وعدہ

کرتا ہوں، اس راستے پر جو بھی آتا ہوا مل جائے گا میں اس کو واپس لے جاؤں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، تو گھوڑا کھڑا ہو گیا''، سراقہ کے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان تھا، وہ تحفہ میں پیش کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا، بس دوسری بار وعدہ لیا کہ ہمارے بارے میں کسی کو خبر نہیں کرنی، اور ساتھ ہی یہ پیش گوئی بھی فرمائی کہ ''سراقہ! تیرا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تو ایرانی بادشاہ کسریٰ کے کنگن پہنے گا؟'' یہ پیشین گوئی اسی طرح پوری ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران فتح ہوا، کسریٰ کے کنگن بھی غنیمت میں آئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے پہنا کر وہ پیشین گوئی پوری فرمادی۔

سراقہ ابن مالک رضی اللہ عنہ واپس مڑے اور راستہ میں جو کوئی بھی ملا اس کو مطمئن کر کے واپس کر دیا کہ اس راستے کو میں دور تک دیکھ آیا ہوں، ادھر کوئی نہیں ہے۔

کچھ روایات میں حضرت سراقہ ابن مالک رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی آیا ہے، انہوں نے ایک جماعت کو لے کر پیچھا کیا، لیکن اللہ نے سب کو ایمان نصیب کر دیا۔

جگ جہاں کے پیارے قبا کی بستی میں

مدینہ کے لوگ اندازہ لگا لگا کر کہ، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اب آئے، اب آئے کہہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے رہے تھے۔ صبح گھروں سے نکل کر اس پہاڑی پر بیٹھ جاتے، جہاں مدینہ کے لوگ آنے والے مہمانوں کو لینے آتے تھے یا جانے والے کو الوداع کرنے جاتے تھے، شام تک ٹک ٹکی باندھے بے صبری سے بلکہ راستے میں پلکیں بچھا بچھا کر اس محسن کے انتظار میں تڑپتے رہتے تھے، اور شام کے وقت بڑی مایوسی سے واپس گھر کی جانب چلے جاتے تھے، انتظار کا یہ مقام مدینہ منورہ سے کوئی پانچ کلومیٹر دور قبا نام کی ایک بستی کے قریب تھا جہاں انصار کے کئی قبیلے آباد

تھے، اور ہجرت کر کے آنے والے کچھ صحابہ کرام بھی یہاں ہی قیام پذیر تھے۔ مدینہ سے پانچ کلومیٹر دور روزانہ استقبال کے لئے آنا اور پھر شام کو انتظار کر کے واپس جانا، اس سے مدینہ والوں کے شوق اور تڑپ کا احساس کیا جا سکتا ہے۔

جس دن کا انتظار تھا وہ دن بھی آ گیا

خیر! انتظار کرتے کرتے وہ دن بھی آ گیا جس میں ان کی قسمت کا تارہ چمکنا تھا، ادھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک قافلہ سفر طے کرتے کرتے آٹھویں دن یعنی ۸ ربیع الاول پیر کے دن قریب آ پہنچا، لیکن مدینہ والے آج بھی انتظار کر کر کے اپنے گھروں کا رخ کر چکے تھے، لیکن ابھی لوٹے ہی تھے کہ ایک یہودی کی نظر پڑ گئی، وہ زور زور سے آواز دے کر کہنے لگا: ''او قبیلہ خزرج کے لوگو! او بنی قیلہ والو! تمہاری قسمت کا تارہ چمک گیا، وہ آ گئے جن کے انتظار میں تم پلکیں بچھائے ہوئے تھے''، سب نے مل کر زور سے نعرہ تکبیر، اللہ اکبر کی صدا بلند کی کہ رسول اللہ ﷺ آ گئے، جس سے قبا میں بنی عوف کی بستی گونج گئی، ایک ایک شخص سے ایسے ملاقات کر رہا تھا، جیسے آج اسے اپنی زندگی کا سب کچھ مل گیا ہو۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک ایک شخص سے ایسے ہی مل رہے تھے، جیسے یہی وہ خاص بندہ ہو جس سے ملنا تھا، قافلہ بستی کے اندر اس جگہ پہنچا، جہاں قباء کے بڑے قبیلے بنی عوف کے سردار حضرت کلثوم ابن ہدم رضی اللہ عنہ کی دعوت پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام کے لئے ان کے گھر تشریف فرما ہو گئے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قریب ہی ایک دوسرے خوش نصیب کے گھر تشریف لے گئے، قبا والے خوشی میں فخر کے ساتھ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، اور ملاقات کرنے والے لائن لگا لگا کر ملاقات کے لیے حاضر ہو رہے تھے۔

ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین دن مکہ میں رہ کر ساری امانتیں ادا کر کے اسی دن شام تک قبا میں پہنچ گئے، اور وہ بھی حضرت کلثوم ابن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ٹھہر گئے (ابن ہشام ۱/۴۹۲ ۵، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۲۵)

قباء میں دنیا کی پہلی مسجد

قباء میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تین دن تک رہا، جس میں دین کی دعوت اور دین کی تعلیم کے علاوہ سب سے بڑا کام یہ ہوا کہ دوسرے دن ہی ایک مسجد کی بنیاد رکھی گئی، جس کو قرآن کریم نے ''تقوی والی مسجد'' کہا، اس کی تعمیر کا بھی عجیب منظر تھا، سب سے پہلا پتھر خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، پھر سارے صحابہ کرام دوڑ پڑے، کسی نے گارا تیار کیا، اور کوئی پتھر ڈھونے لگا اور کسی نے دیوار بنانے کا کام کیا، جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابۂ کرام کے ساتھ شریک کار ہو گئے، صحابہ کرام نے عرض بھی کیا کہ: ''ہم آپ پر قربان جائیں، ہم خود کام کر رہے ہیں، آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں''۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ مطالبہ قبول نہ فرما کر بھاری بھاری پتھر اٹھاتے جا رہے تھے، اور کئی بار تو بڑا پتھر اٹھاتے ہوئے اس کو پیٹ مبارک سے لگا کر کندھے مبارک پر چڑھاتے تھے۔

اس مسجد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سنیچر کے دن کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر مسجدِ قباء تشریف لے جاتے تھے۔ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے تھے''۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی اپنے گھر سے وضو کر کے مسجدِ قباء تشریف لے جائے، اور دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کو ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے''۔

(ابن ماجہ)

اسی مسجد کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

لَـمَسْـجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ☆

ترجمہ: وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں قیام فرمائیں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بھی خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے (التوبہ:۱۰۸)

دنیا کا پہلا جمعہ

قباء میں تین دن قیام فرما کر جمعہ والے دن ۱۲ ربیع الاول کو اصل مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ قباء سے تھوڑا دور بنی سالم کا محلّہ آتا ہے، یہاں نماز ظہر کا وقت ہو گیا اور یہیں جمعہ کا حکم بھی آ گیا، اور دنیا میں پہلی جمعہ کی نماز بھی یہیں ایک میدان میں پڑھی گئی، جہاں آج مسجدِ جمعہ ہے، اور جمعہ کی دو رکعت کے ساتھ ساتھ تقوی اور پرہیز گاری کے موضوع پر دو عظیم الشان خطبے ارشاد فرمائے گئے جو آج بھی حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ بعض حضرات کی تحقیق ہے کہ جمعہ کی ابتدا تو اس سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں ہو چکی تھی البتہ آپ ﷺ یہاں پہلا جمعہ پڑھا۔ واللہ اعلم

مدینہ پاک میں تشریف آوری کا منظر

نماز سے فارغ ہو کر یہ مبارک قافلہ اس طرح مدینہ منورہ کی طرف چلا کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں ہتھیار باندھے، انصار کی جماعت خوشی میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی بلند کر رہی تھی، اور بیچ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم باری تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے جا رہے تھے، خوشی کی وجہ سے لوگوں کے پیر زمین پر نہیں لگ رہے تھے، مدینہ قریب آیا، تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کی لگام بالکل ڈھیلی فرما دی، آگے جس کا بھی مکان آتا وہی عاجزی اور پیار سے عرض کرتا: ''حضرت میرے گھر تشریف لے چلئے!'' ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوتی تھی کہ دوسرا کہتا: ''حضرت وہ سامنے میرا غریب خانہ ہے، خدارا! آج کی رات ہمارے یہاں قیام فرمالیجئے!'' اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ایک ہی جواب دیتے جا رہے تھے: یہ مسئلہ میرے ہاتھ میں نہیں، بل کہ ہم

سب کے مالک کے ہاتھ میں ہے، اس نے اس اونٹنی کو حکم دے دیا ہے، اب یہ جہاں جا کر رکے گی وہی ہماری منزل ہوگی، "**دعوها فانها مامورة**" اس کو چھوڑ دو کیوں کہ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے" قافلہ چلتا جا رہا تھا، اور لوگوں کی نظریں راستے پر ٹکی ہوئی تھیں کہ آج یہ مقام اور مرتبہ کس کو نصیب ہوگا!

ادھر مدینہ منورہ کی عورتیں اپنے گھروں کی چھت پر چڑھ کر اس کا نظارہ کر رہی تھیں، اور مدینہ پاک کی بچیوں کو رب ہی جانے ترانہ اور یہ سنگیت کس نے سکھایا تھا جو اس موقع پر ان کے ہونٹوں کی زینت بن گیا، جس کی لذت آج بھی باقی ہے، وہ ترانہ اور سنگیت یہ ہے:

طلع البدر علينا	**من ثنيات الوداع**
وجب الشكر علينا	**مادعى لله داع**
أيها المبعوث فينا	**جئت باالأمر المطاع**

ترجمہ: ثنیۃ الوداع کی گھاٹی سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے، اور جب تک اللہ کی طرف ہمیں کوئی بلانے والا بلاتا رہے گا ہم پر شکر واجب ہے۔ اے ہمارے درمیان مبعوث ہونے والی ذات! آپ جو دین لے کر آئے ہیں وہ ہمارے سر آنکھوں پر ہے"۔

اور جب قافلہ بنی نجار کے اس محلّہ میں پہنچا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کا ننہال تھا، یہاں کی بچیوں نے وہ ترانہ پڑھ کر استقبال کیا، جس کا ایک شعر یہ ہے:

نحن جوار من بنى النجار	**ياحبذا محمد من جار**

ترجمہ: ہم بنو نجار کی پڑوس والیاں ہیں، کیا ہی خوب بات ہے! کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے ہی اونٹنی کی لگام ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی، اور اپنی طرف سے اس کو کسی جانب کا اشارہ بھی نہیں فرماتے تھے، کہ اچانک جہاں آج مسجدِ نبوی کا دروازہ ہے، اونٹنی وہاں آ کر بیٹھ گئی، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے نہیں اترے، تھوڑی دیر بعد وہ پھر

کھڑی ہوگئی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے صحن میں بیٹھ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں اتر گئے، اور اونٹنی پھر مسجدِ نبوی والی جگہ جا کر بیٹھ گئی، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

مقدر اپنے بھی گر ایوب سے ہوتے
آقا ہمارے بھی مہمان ہوتے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی یہیں تشریف لانے کا چاہ رہا تھا؛ کیوں کہ یہ دادا عبد المطلب کے ننہال کا گھرانہ تھا، لیکن اس میں کسی کو کسی پر ترجیح دینے کا شکوہ ہوسکتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ اپنے ذمہ لے لیا، اور اونٹنی کو مامور فرمایا۔

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دومنزلہ تھا، انھوں نے بالائی حصہ پیش کیا تھا، لیکن آپ ﷺ نے ملاقات کرنے والوں کی سہولت کے لئے نیچے کا حصہ پسند فرمایا، مگر ادب واحترام کے جزبات سے ان کا دل بہت پریشان تھا، ایک دن ان کا پانی والا برتن ٹوٹ گیا، جس کا پانی حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ نے اس لحاف سے خشک کیا جس کے سوا گھر میں اوڑھنے کے لئے کوئی کپڑا نہ تھا کہ کوئی قطرہ نیچے ٹپک کر آپ ﷺ کی تکلیف کا باعث نہ بنے، آخر انھوں نے خود ہی عرض کیا کہ: ہمارے ایمانی جزبات اور ادب واحترام کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ بالائی منزل میں تشریف رکھیں، اس درخواست پر آپ ﷺ دوسری منزل میں تشریف لے گئے۔

(ابن ہشام، البدایہ والنہایہ: ۱۹۹/۳)

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ۳۰ دن تک تشریف فرمارہے، اور جس وقت مسجدِ نبوی کے اردگرد کچے مبارک حجرے بن گئے، پھر وہاں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ گھر سے کھانا بنا کر لے جاتے تھے، اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کھا کر جو بچتا وہ واپس فرمادیتے، تو حضرت ابوایوب اور ان کی اہلیہ ام ایوب یہی کھانا کھاتے، اور دیکھتے جہاں مبارک انگلیوں کے نشان لگے ہوتے وہیں سے وہ بھی کھاتے، ایک دن نشان نظر نہ آئے تو دونوں گھبرا گئے کہ آج کچھ

کھائے بغیر واپس فرما دیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں فرشتوں سے باتیں کرتا ہوں؛ اس لئے پیاز اور لہسن نہیں کھاتا، اور آپ نے اس میں پیاز (اور بعض روایت کے مطابق لہسن) ڈالا ہوا تھا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد ہم نے پیاز کھانا ہی چھوڑ دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۲۹/۳)

مسجدِ نبوی کی تعمیر

مدینہ منورہ پہنچکر سب سے پہلے جو کام کیا گیا وہ ایک بڑی مسجد بنانے کا تھا، اس کے لئے اس جگہ کے بارے میں سوچا گیا جو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے تھی، اور جہاں پہلے جا کر اونٹنی بیٹھی تھی، یہ جگہ شہر کے درمیان میں بھی تھی، اور کھلی بھی تھی، یہ جگہ حضرت سہل اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہما دو یتیم بچوں کی تھی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چاچا کو جن کی تربیت میں وہ تھے طلب فرما کر فرمایا: آپ یہ جگہ مسجد کے لئے ہمیں بیچ دیں! ان دونوں یتیم بچوں نے اور ان کے چچا اور ان کے سارے خاندان نے درخواست کی کہ ہم یہ جگہ صرف رضائے الٰہی کے لئے فی سبیل اللہ دیں گے، اس کی قیمت کچھ نہیں لیں گے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لینے سے انکار فرما دیا، اور قیمت دے کر لینے کی بات طے ہوگئی، کیوں کہ ایک تو یہ بچے یتیم و نابالغ تھے، دوسرے اس طرح یتیموں کی زمین دین کے نام پر دبانے کا رواج پڑ سکتا تھا۔

اکثر روایات کے مطابق اس کی قیمت دس دینار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا فرمائی، اور کچھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ادا فرمائی اور کچھ نے حضرت اسعد ابن زرارہؓ کا ادا کرنا بیان کیا ہے۔ مسجد کا نقشہ کچھ اس طرح بنایا گیا کہ لمبائی تقریبا ۷۰/ستر ہاتھ اور چوڑائی ۶۰/ساٹھ ہاتھ رکھی گئی، پھر ۷ھ میں غزوہ خیبر کے بعد تنگ ہونے کی وجہ سے بڑھا کر ۱۰۰/سو ہاتھ لمبی اور ۱۰۰/ہاتھ چوڑی کر دی گئی، دوسری تعمیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے، اور زمین کو کشادہ کرنے کا

صرفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے برداشت فرمایا۔

تعمیرِ مسجد نبوی کا منظر

مسجد کی تعمیر کا بڑا ہی عجیب منظر تھا، جس پر آج کے دیندار لوگوں کو غور کرنے کی بہت ضرورت ہے، ہر ایک شخص کو وہی کام دیا گیا جو اس کو کرنا آتا تھا، کوئی کچی اینٹیں بنا رہا تھا، تو کوئی گارا تیار کر رہا تھا اور کوئی ضرورت کے پتھر سیدھے کر رہا تھا، اور اینٹ ڈھونے، پتھر لانے اور مستریوں کی مدد کرنے میں سبھی شریک تھے جبکہ تاجدارِ حرم، حبیب کبریا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اینٹیں اور پتھر اٹھا اٹھا لا رہے تھے، صحابہ کرام عرض کرتے ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہم آپ کی طرف سے اٹھائیں گے، مگر آپ ﷺ شوق میں دوڑتے جاتے تھے، کبھی کوئی گزارش کر کے ایک کام آپ سے لے لیتا تو آپ دوسرا کام لے لیتے، اور ساتھ ساتھ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

هَذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالُ خَيْبَرَ　　هَذَا اَبَرُّ رَبَّنَا وَاَطْهَرُ

یہ مزدوری خیبر کی مزدوری نہیں، یہ تو ہمارے مقدس ومطہر رب کی مزدوری ہے۔

اور کبھی یوں گویا ہوتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَةِ　　فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

خدایا! حقیقی ثواب تو بس آخرت کا ثواب ہے، اے اللہ! تو انصار ومہاجرین پر رحم فرما۔

صحابہ کرام بھی رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ آخر میں آواز جوڑ کر ذکر کا جواب دے رہے تھے، اور کبھی کبھی یہ رجز یہ اشعار پڑھتے:

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ　　لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

اگر ہم بیٹھ جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کام کرتے رہیں، تو ہمارا یہ کام بہت ہی برا کام ہوگا۔

دیواریں آدمی کے سر سے کچھ اونچیں ہوئیں تو ان پر کھجور کی کڑی اور شہتیر ڈال کر اوپر کھجور کی ڈالیوں اور پتوں کی چھال ڈال دی گئی جس پر مٹی نہیں تھی، جس کی وجہ سے بارش کا پانی بھی ٹپکتا

تھا، نیچے کنکریاں بچھا کر فرش سا بنا دیا گیا۔

سبحان اللہ! یہ تھی یتیم مکہ کی سادی مسجد، جس کو مسجد نبوی کہا جاتا ہے، جو مسجدِ حرام اور مسجد بیت المقدس کے بعد دنیا کی سب سے مقدس مسجد ہے۔ اس میں آج کا نقش ونگار کچھ نہیں تھا، کچی اینٹوں کی دیوار کنکریوں کا فرش اور کھجور کے پتوں کی چھت تھی۔

مسجد کے تین دروازے رکھے گئے، جس میں ایک دروازہ خاص اس جگہ تھا جہاں آج محراب ہے، کیوں کہ اس وقت قبلہ مسجدِ اقصی کی طرف تھا، پھر جس وقت ۱۶ر مہینے بعد قبلہ خانہ کعبہ کی طرف ہوگیا تو دروازہ دوسری جانب کر دیا گیا۔

صفّہ کا چبوترہ

حی علی الفلاح کی جانب مسجد کے پچھلے کونے میں ایک چبوترہ بنایا گیا، جس پر سائے کا انتظام بھی کیا گیا، یہ چبوترہ ان صحابہ کرام کے لئے بنایا گیا جن کا نہ کوئی گھر تھا نہ در، نہ بیوی بچے تھے، یہ دور دراز اپنے اپنے علاقوں سے دین سیکھنے کے لئے بھاگ کر آئے تھے، جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے، تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرتے، نیز ان کی تعلیم لئے پرانے صحابہ میں سے بھی کسی کسی کو مقرر کیا جاتا۔ یہ حضرات کبھی کبھی جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے، اور بیچ کر اپنا گزارہ کیا کرتے، اور کبھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ صدقہ آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارا انہی کو پیش فرما دیتے اور اگر کچھ ہدیہ تحفہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نوش فرما لیتے تھے۔ کبھی صحابہ کرام میں ایک ایک دو دو کو تقسیم کر کے ان کی مہمان نوازی کا فرض پورا کیا جاتا۔ اور کبھی وسعت والے صحابہ کرام ان حضرات کی دعوت بھی فرما دیتے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تو کبھی کبھی ۸۰ر (اسی) ۸۰ر (اسی) آدمیوں کی دعوت فرماتے؛ لیکن اس کے باوجود ان کی غربت کا یہ حال تھا کہ کچھ حضرات کے پاس بدن چھپانے کے لئے دو چادریں بھی نہ تھیں، ایک ہی چادر میں گزارہ کرتے تھے، کئی بار بھوک کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر

جاتے تو لوگ سمجھتے کہ مرگی وغیرہ کا دورہ پڑ گیا ہے۔

یہ ایسے حضرات تھے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ دین کی خاطر قربان کر دیا تھا، جب بھی دین کے کسی کام کا حکم ہوتا اس کی طرف دوڑ پڑتے، بئر معونہ کے قصے میں جو ۷۰ رصحابہ کرام دین کی دعوت اور تعلیم کے لئے بھیجے گئے تھے پھر وہاں کے لوگوں نے دھوکہ دیکر ان کو شہید کر دیا تھا، ان میں زیادہ حضرات یہ صفّہ والے تھے۔

ازاوجِ مطہرات کے حجرے

مسجد کے کام سے فارغ ہوتے ہی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے لئے مکانوں کا کام لگوایا، اس وقت آپ کے نکاح میں ہونے کا شرف صرف حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھما کو حاصل تھا؛ اس لیےحی الفلاح کی جانب مسجد کے بالکل ساتھ ہی دو مکان بنائے گئے، مکان کیا تھے؟ بس کوئی چھ سات ہاتھ چوڑا اور دس ہاتھ لمبا کچی اینٹوں کا حجرہ تھا، جن پر وہی کھجور کی چھالوں اور پتوں کا چھت اور دروازہ پر کواڑ کی جگہ ٹاٹ کی بوری، کمبل وغیرہ کا پردہ تھا، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان میں چراغ بھی کم ہی جلتا تھا، اور کسی عربی شاعر نے بہت ہی خوب کہا کہ جہاں ''سراج منیر'' صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے، وہاں دنیا کے سراج یعنی چراغ کی ضرورت بھی کیا تھی!

ازواجِ مطہّرات کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک کے زمانے میں یہ پاک حجرے گرا کر مسجدِ نبوی میں شامل کر لیے گئے، سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے؛ کیوں کہ اس میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہیں، اور جس وقت ان پاک حجرات کے گرانے کا فیصلہ ہو گیا اس وقت میدان میں آہ وبکا اور چیخ وپکار کا شور وغل دیکھنے کے لائق تھا۔ پچھلے زخم تازہ ہو گئے، لیکن کرتے بھی کیا، یہ بھی مجبوری تھی، ایک بزرگ سہل بن حنیفؒ فرماتے تھے، افسوس! اگر یہ حجرے اسی طرح باقی رہنے دیے جاتے تو لوگ دیکھتے کہ جن کے ہاتھ میں سارے خزانوں کی

کنجیاں تھیں، وہ کیسے کیسے جھونپڑوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔

اسی درمیان رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ جا کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت امِ کلثومؓ اور زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنھا کو بھی مدینہ لے کر آگئے، جب کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ میں تھیں، اور حضرت زینب رضی اللہ عنھا کو ان کے شوہر نے آنے نہیں دیا، وہ غزوہ بدر تک مکہ میں ہی رہیں، بعد میں ان کے شوہر حضرت ابوالعاصؓ بھی مسلمان ہوکر مدینہ تشریف لے آئے۔

ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ بھیج دیا تھا، وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو لے کر آگئے، جن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اور اس دوران رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سے اپنے حجرے میں تشریف لے آئے۔

مدینہ پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت اسعد بن زرارہؓ وغیرہ انصاری صحابہ کرام رہتے تھے، جو دودھ، سالن وغیرہ کا تحفہ پیش کرنے میں کبھی کمی نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے اپنی کچھ جائداد ہدیہ میں پیش کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زوردار فرمائش پر قبول تو فرمالی، مگر اپنی دای حضرت امِ ایمنؓ کو دے دی۔

انصار اور مہاجرین کا بھائی چارہ

دنیا میں دیسی اور پردیسی، مقامی اور باہر کے لوگوں کا جھگڑا کوئی نئ بات نہیں ہے، بلکہ صدیوں سے چلی آرہی جہالت ہے، اور آج تو دنیا کا کوی کنارہ کوی کونہ اس جھگڑے سے خالی

نہیں، ہر جگہ مقامی رہنے والے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم یہاں کے تنکا تنکا کے مالک تھے، یہ باہر سے لوگ آئے انہوں نے ہماری روزی روٹی پر قبضہ کرلیا، ہمارا کاروبار ہم سے چھین لیا، جب کہ باہر سے آکر رہنے والے یہ سوچتے ہیں کہ ان کو زندگی کا ڈھنگ ہی نہیں آتا تھا، بھوکے مر رہے تھے، ہم نے آکر کاروبار کیا، اپنی قابلیت سے معیشت کی کمر سیدھی کی، تب ان مقامی لوگوں کو بھی روٹی مل گئی۔ خیر! اب تو ساری دنیا میں یہ حال ہے کہ جو لوگ وہاں پانچ پانچ سو سال پرانے رہ رہے ہیں دوسرے لوگ صرف اس لئے ان کے دشمن ہیں کہ ہم ان سے پچاس سال پہلے سے یہاں رہ رہے تھے۔ پھر اس نام پر انسانیت کا کس طرح قتل عام ہوتا ہے؟ کس طرح انسان کو ذلیل وخوار کر کے بے وطن کیا جاتا ہے؟ اس کو تو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن چودہ سو سال پہلے کی مدینہ کی تاریخ پر بھی اک نظر ڈالیے! ایک دوسرا ہی نقشہ نظر آئے گا، کوئی مکہ سے، کوئی حبشہ سے، کوی روم سے اور کوئی ایران سے آتا ہے لیکن مدینہ کے انصاری اس کو اس طرح بھائی بنا لیتے ہیں جیسے دو جڑواں بھائی!

حضرت رحمتِ عالم ﷺ جس وقت مدینہ منورہ میں تشریف لائے اس وقت سوچ اور عقیدے کے اعتبار سے یہاں تین قومیں تھیں: ایک یہودی جو کہنے میں تو اہل کتاب تھے لیکن حقیقت میں سب کچھ جانتے پہچانتے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر کفر پر ڈٹے ہوئے تھے، حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کچھ معاہدوں کی رسی میں باندھ دیئے تھے۔ دوسرے وہ مشرک جو مدینہ کے اندر کم؛ لیکن مدینہ کے آس پاس زیادہ رہتے تھے، دین ان کو بھی سمجھ آ گیا تھا، لیکن دنیا کے مفاد کے پیچھے کفر چھوڑنے کو تیار نہیں تھے یہی آگے چل کر منافق بنے، تیسرے وہ خوش نصیب تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ایمان تو نصیب کر دیا تھا؛ لیکن ان کی قوموں، قبیلوں اور خاندانوں میں چلنے والی لڑائیوں کا دھوواں اب بھی فضا پر منڈلا رہا تھا۔ ان میں ابھی خاندان کی ضد، فخر اور تکبر کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں، دوسری طرف وہ مخلص اور سچے مومن تھے جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، وہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بالکل خالی ہاتھ مدینہ منورہ پہنچے تھے، اس

لئے وہ دلا سے اور دلجوئی کے محتاج بھی تھے، ماں باپ، بھائی، بہن، بچوں کی جگہ کسی دل بہلانے والے کی ضرورت بھی تھی اور سر چھپانے کے لئے کسی چھت کے حاجتمند بھی تھے۔

بھائی چارے کی بنیاد دین پر، نہ نسل پر نہ قوم پر

یہ بیان کردہ ساری پریشانیاں تھیں، لیکن اصل مسئلہ کچھ اور ہی تھا، وہ یہ کہ آج تک بھائی چارہ، آپسی جوڑ ااور اخوت کی بنیاد دو چیزوں پر تھی: ایک ملک، دوسرے قوم، اور خاص عرب میں صرف قوم اور خاندان پر تھی، پھر وہ بنیاد بھی ذاتوں اور چھوٹی چھوٹی شاخوں کی بنیاد پر ٹوٹتی پھوٹتی رہتی تھی، اور کچھ علاقوں میں بھائی چارے کی بنیاد صرف ملک اور علاقے پر تھی، پر وہ بھی الگ الگ علاقوں کے نام پر صبح وشام ٹوٹتی پھوٹتی بلکہ نیست ونابود ہوتی رہتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ بنیاد ہی اتفاق کے بجائے جھگڑے اور اختلاف کا باعث تھی، کیوں کہ ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ تب تک اتفاق ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ دونوں ایک نہ ہو جائیں، اور دو قوموں کا ایک ہونا ناممکن ہے۔

اس طرح دو ملکوں کا بھی اتحاد اور اتفاق تبھی ہو سکتا ہے، جب دونوں ملک ایک ہو جائیں؛ لیکن جن لوگوں کے بڑے بننے اور اونچے ہونے کی بنیاد ہی عہدوں اور کرسیوں پر ہو وہ کب چاہیں گے، کہ دو ملک ایک ہو جائیں، چاہے ہماری کرسیاں اور ہمارے عہدے بھی چلے جائیں! بالکل نہیں؛ بلکہ ایسے بڑے لوگ تو ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے رہیں گے، تا کہ زیادہ ملک ہوں تو زیادہ بادشاہ بنیں؟ اس کی زندہ مثال آج کے نام کے اسلامی اور عرب ممالک ہیں، دیکھو بڑے لوگ انہیں کیسے تقسیم در تقسیم کرنے جا رہے ہیں، تا کہ ہمیں اونچے اونچے عہدے ملتے رہیں، پھر انسانوں میں اکڑنے، بڑا بننے، فخر کرنے بلکہ تکبر کرنے کے لئے یہ دو ہی چیزیں باقی رہ گئیں تھیں، کوئی کہتا میں بڑا ہوں؛ اسلئے کہ میں تمیمی ہوں، کوئی کہتا میرے سے اونچا کوئی ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ میں قریشی ہوں؛ بلکہ خاندان اور برادری کے نام پر جو تقسیم ہمارے ملک میں ہوئی ہے، وہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا! اللہ اکبر!

اسی طرح کوئی کہہ رہا تھا: میں سب سے بڑا ہوں، کیوں کہ میں دنیا کی بڑی طاقت ایران کا رہنے والا ہوں، تو کوئی کہہ رہا تھا: نہیں! نہیں! میں رومی ہوں جو دنیا کی سپر پاور ہے، لہٰذا میرے جیسے کوئی ہو ہی نہیں سکتا! ایسے ماحول میں سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ اسلامی اور مسلمانی معاشرہ کی بنیاد کس چیز پر رکھی جائے گی؟ سبحان اللہ! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی حکم کے مطابق اس کی بنیاد صرف اور صرف اسلام پر اور دین پر رکھی، یہ صرف زبانی کہنے کی بات نہیں تھی؛ بلکہ عقل دھنگ تھی، شیطان حیران و پریشان تھا، پانچ سو کلومیٹر دور سے آنے والے حضرات با قاعدہ طور پر ایک ایک کر کے مدنی انصاری صحابہ کرام کے بھائی بنائے جا رہے تھے، بلکہ ایک ہی دن میں ۴۵؍مہاجرین حضرت انسؓ کے گھر میں ۴۵؍انصار کے بھائی بنا دیے گیے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت خالد بن زیدؓ کے، حضرت عمرؓ حضرت عتبان بن مالکؓ کے، اور حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت اوس ابن ثابتؓ رضی اللہ عنھم کے بھائی بنائے گئے۔ (البدایہ والنہایہ:۲۵۵/۳) اس طرح ہر مہاجر ایک ایک انصاری کا بھائی بن گیا، حرص، لالچ، حسد، ضد اپنا سر پیٹ رہی تھی، جس وقت بھائی چارا کے جواب میں انصار صحابہ کرام نے اپنا دروازہ کھولدیا اور کہا: آیئے! آدھا مکان آپ کا اور آدھا مکان میرا اسی طرح آدھا باغ میرا اور آدھا باغ آپ کا، آدھا کھیت میرا اور آدھا آپ کا، اس سے بھی آگے بڑھ کر کچھ حضرات نے کہا آپ کو بیوی بچوں کی یاد ستا رہی ہوگی یہ میرا بچہ اپنا سمجھ لیجیے، اس سے دل بہلایئے! اور کچھ تو اس سے بھی آگے نکل گئے، انہوں نے کہا: آپ کی بیوی مکہ میں رہ گئی ہے، میرے نکاح میں دو بیویاں ہیں، میں ایک کو طلاق دیتا ہوں عدت پوری ہونے پر آپ نکاح کر لیجیے، سبحان اللہ!

لیکن ہجرت کرنے والے نے اپنے بھائی کا احسان مان کر، اس کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا: بھائی مجھے صرف سر چھپانے کی جگہ دیدیجیے، باقی سب کچھ آپ کو مبارک! باغ کھیت، یہ کام تو ہمیں آتا ہی نہیں، مجھے بس بازار کا راستہ دکھا دیجیے! میں کچھ تجارت وغیرہ کر کے اپنا گزارہ کرلوں گا۔ (البدایہ والنہایہ:۲۵۶/۳)

شروع شروع میں تو یہ ایسے بھائی بنتے تھے کہ ایک دوسرے کی وراثت اور جائداد کے حصہ دار بھی بن جاتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْآ اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ ☆

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور انہوں نے اللہ کے راستے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو جگہ دی اور مدد کی، یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ (سورہ انفال: ۷۲)

بعد میں وراثت والی حصہ داری تو ختم کر دی گئی، جیسا کہ حکم ہوا:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ☆

ترجمہ: اور وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ملکر جہاد کرتے رہے، وہ بھی تمہاری ہی جماعت میں سے ہیں، اور رشتیدار اللہ کی کتاب کے مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے۔

(انفال: ۷۵)

اور رشتہ داروں کو وراثت میں ملنے والا حصہ تفصیل سے سورہ نساء میں بیان فرما دیا، لیکن بھائی چارے کی بنیاد پھر بھی دین اور اسلام پر ہی رہی، فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ☆

ترجمہ: یقیناً سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں؛ لہذا تم اپنے بھائیوں میں صلاح کروا دو اور اللہ سے ڈرتے رہو! تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (حجرات: ۱۰)

یعنی مشرق کا ایمان والا مغرب کے ایمان والے کا بھائی ہے، چاہے خاندان، علاقہ، قوم، ملک، زبان کچھ بھی ہو، اور بڑے چھوٹے کی بنیاد تو صرف تقوی اور پرہیز گاری پر رکھ دی گئی، جس

کا اصل علم مر کر ہی ہوگا۔ یہاں کوئی کسی کو نہیں کہہ سکتا تو چھوٹا متقی ہے اور میں بڑا متقی ہوں؛ کیوں کہ تقوی کا نتیجہ مر کر ہی نکلے گا۔ سبحان اللہ! اس کے لئے اعلان کیا گیا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَا للّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ☆

ترجمہ: اولوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہارے کمبے اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، خوب خبر رکھنے والا ہے۔ (حجرات:۱۳)

یہ وہ نبوی طریقہ اور یہ وہ خدائی منصوبہ تھا، جس سے صدیوں کی جہالت کی کمر ٹوٹ گئی، انصار کے الگ الگ قبیلوں کمبوں اور قوموں میں صدیوں سے لگی ہوئی لڑائیوں کی کمر ہی نہیں ٹوٹی بلکہ لڑائیوں کی وجہ سے ان کے درمیان ضد، نفرت اور تعصب کی جو گہری کھائیاں کھد گئیں تھیں، وہ پٹ گئیں۔ خدا کی قسم! یہ کہنے کی بات نہیں بالکل سچی حقیقت ہے، آج تقریباً ساڑھے چودہ سو سال گزر چکے ہیں، لیکن آج تک کسی نے اوس اور خزرج کو آپس میں جنگ کرتے نہیں دیکھا، حالانکہ شماس ابن قیس جیسے کتنے بدبخت یہودی پیدا ہوئے، اور ان کو لڑوانے کی ناکام کوشش کرتے رہے، سبحان اللہ! ہم کہہ سکتے ہیں: پھر فخر اور ناز کے لئے نہ کوئی قریشی رہا، اور نہ کوئی تمیمی رہا، جس کا آخری حج کے موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں اعلان فرما دیا۔

اس بھائی چارے کا اصل مقصد یہی تھا، صرف بے گھروں کو گھر دلانا مقصد نہیں تھا، اسی کے نتیجہ میں حضرت بلالؓ جیسے غلام مؤذن اور حضرت حسن بصریؒ جیسے غلام امام بن گئے، اور رابعہ بصریہ جیسی ساری دنیا کے لئے مثال اور نمونہ بن گئیں جو پہلے باندی تھیں، اسی لئے مکی صحابہ کرام کے درمیان مکہ پاک میں بھی ایک بھائی چارا کروایا گیا تھا، اس پر بھی غور کر لیجیے، اس میں بڑے اونچے خاندان کے مالدار صحابہ کرام کی بھائی بندی کچھ غلام صحابہ کرام سے کروائی گئی تھی، مثال

کے طور پر دیکھو! حضرت عبیدہ ابن حارثؓ جیسے بڑے مالدار کا بھائی حضرت بلال حبشیؓ کو بنادیا گیا۔ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو حضرت سالم کا بھائی بنایا گیا جو کہ آزاد کردہ غلام تھے۔

میں نے یہ مضمون کچھ لمبا ہی کر دیا؛ کیوں کہ آج امت کو پھر اسی خاندان، قوم، قبیلے اور دیس پردیس اور علاقہ وغیرہ کے چنگل میں پھنسایا اور جہات کی اسی دلدل میں دھکیلا جا رہا ہے، اقبال نے اسی کے متعلق تڑپ کر کہا تھا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو اس کا پیراہن ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یعنی اس سوچ پر جو قمیص فٹ آتی ہے، وہ مذہب کے کفن سے تیار ہوتی ہے۔

کمزوروں پر رحم کرنے کا تاکیدی حکم

سارے ایمان والے تقوی کی بنیاد پر بھائی بھائی بنا دیے گئے، چھوٹے بڑے ہونے کا معیار تقوی پر رکھا گیا، یہی اس معاشرہ کا مدار بن گیا کہ اس ترازو میں اپنے آپ کو تولو پھر بات کرو، اتنا ہی نہیں ہر ایک بڑے کو چھوٹے پر ترس کرنے اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کرنے کا ایسا شوق دلوایا گیا کہ امیر غریب کو دے کر احسان نہیں جتلاتا تھا بلکہ اس کا احسان مانتا تھا کہ اس نے میرا ہدیہ قبول کرلیا ہے، پڑوسیوں، مسافروں اور ضرورت مندوں سے اچھا برتاؤ کرنے کا ایسا تاکیدی حکم دیا گیا کہ یہی برتاؤ اس کے اخلاق مند ہونے اور بداخلاق ہونے کی علامت بن گیا، قرآن پاک میں تو جگہ جگہ یہ حکم ہے ہی؛ یہاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرمان پڑھتے چلیے:

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’لوگو! (جہنم کی) آگ سے بچو! چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کر کے ہو، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اچھی بات کر کے ہی سہی!‘‘ (بخاری شریف)

اور فرمایا: ’’صدقہ گناہوں کو ایسے ختم کرتا ہے جیسے پانی آگ کو‘‘ (ترمذی)

اور فرمایا: جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے ہرے کپڑے

پہنائے گا، اور جو کسی مسلمان کو کھانا کھلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا کھانا کھلائے گا، اور جو کسی مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا مہر لگا ہوا شربت پلائے گا'' (ترمذی)

اور فرمایا: ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا'' (ابوداؤ)

اور فرمایا: 'وہ شخص کبھی مسلمان نہیں ہوسکتا جو خود پیٹ بھر کے کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ (مشکوۃ)

اور فرمایا: وہ شخص کبھی جنت میں نہیں جاسکتا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے''۔ (مسلم)

اور فرمایا: آپس میں ضد اور بیر نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کی طرف پیٹھ نہ موڑو، اللہ تعالیٰ کے بندے بن کے رہو، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ اس طرح چھوڑے رکھے کہ اس سے بات نہ کرے'' (بخاری)

نظر اپنی محنت پر دوسروں کی روٹی پر نہیں

دوسروں پر خرچ کرنے اور صدقہ کرنے کے اس تاکیدی حکم سے یہ الٹا نتیجہ نکل سکتا تھا کہ مسلمانوں میں ایک تعداد بیکاروں، بے روزگاروں اور مفت خوروں کی پیدا ہوجاتی، جو دوسروں کی محنت پر نظر ٹکائے بیٹھے رہتے! پھر یہ طبقہ دوسروں کے لئے بوجھ اور مصیبت بن جاتا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرف بھی پورا دھیان تھا، اس لئے صدقہ کے اس تاکیدی حکم کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھوں کی حلال کمائی کا بھی تاکیدی حکم دیا گیا، دوسرے پر بوجھ بننے سے منع کیا گیا، اور مانگ کر گزارا کرنے کی تو بہت ہی نفرت دلوں میں پیدا کی گئی کچھ ایک ارشاد ایسے بھی پڑھتے چلیں؛ تاکہ اندازہ ہوسکے کہ اعتدال کیسے برقرار رکھا گیا۔

فرمایا: ''جو مانگ کر گزارا کرے گا اور بغیر سخت مجبوری کے مانگے گا، وہ قیامت کے دربارگاہ خداوندی میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے منہ پر کھال نہیں ہوگی''۔ (ترمذی)

اورفرمایا: جو اپنے اہل وعیال کے لئے دوڑ دھوپ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں (جہاد کرنے والا) شمار ہوگا''۔ (طبرانی)

اورفرمایا: جو اپنی عزت بچانے کے لئے دنیا طلب کرے اور کسبِ حلال کے لئے محنت کرے وہ شہیدوں کے درجہ میں ہے''۔ (طبرانی)

اورفرمایا: ''جو چالیس دن تک حلال کمائی کرکے حلال روزی کھاتا رہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے دریا چلا دیتے ہیں۔ (ابونعیم)

اس کا نتیجہ بھی دستہ دستی نکلا، انصاری صحابہ کرام کی اتنی بڑی قربانی اور پیش کش پر مہاجر صحابہ کرام میں سے بہت سارے صحابہ کرام نے ان کا احسان مان کر اور انہیں مرحبا مرحبا کہہ کر معذرت کردی، اور اپنا مزدوری یا تجارت وغیرہ کا کام شروع کرلیا!

حضرت سعد ابن ربیع انصاریؓ نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمٰن ابن عوف کو اپنی ہر چیز میں برابر کا حصہ دار بنا کر جب یہ عرض کیا: بھائی صاحب! یہ سب کچھ آپ کا ہے''، عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا: ''یہ سب کچھ آپ کو مبارک ہو آپ بس مجھے بازار کا راستہ بتا دیجیے، حضرت سعدؓ نے ان کو بنوقینقاع کے بازار کا راستہ دکھایا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کچھ دودھ مکھن اور پنیر خرید کر اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے بیچنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطاء فرمائی، کچھ دن میں ہی ایسے حالات بن گئے کہ انہوں نے نکاح کرلیا، پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کا کاروبار اتنا بڑھ گیا کہ سات سات سو اونٹوں پر ان کا مال لادا جاتا تھا۔ اور اس کا صحیح اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف ۹ سال بعد غزوہ تبوک میں چندہ کے لئے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے دوسواوقیہ یعنی کوئی ۹ کلو چاندی دی تھی، اور کچھ حضرات آٹھ سو درہم لکھتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے صحابہ کرام: حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ وغیرہ نے بھی تجارت کے لئے بڑی بڑی دکانیں کھول لی تھیں، اور کچھ دنوں بعد وہ انصار سے بھی زیادہ مالدار ہوگئے تھے۔ اور کچھ مہاجرین جنہوں نے انصاری صحابہ کرام کی ضد پر ان سے کھجوروں کے باغ کا

ہدیہ قبول کرلیا تھا، انہوں نے بھی فتحِ خیبر وغیرہ کے بعد جس وقت مہاجر صحابہ کرام کے حالات اچھے ہوگئے، وہ ہدیہ واپس کردیا، لیکن انصاری صحابہ کرام کی مہاجر صحابہ کرام کے لئے کیا تڑپ تھی؟ اس کا اندازہ اس سے کیجیے! کہ جس وقت بحرین کی فتح پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلاکر فرمایا: ''میں یہاں کی زمین اور ساری چیزیں انصار میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں، انصار رو پڑے کہ پہلے ہمارے مہاجرین بھائیوں کو بھی اتنی ہی دی جائے تب ہم منظور کریں گے۔ سبحان اللہ! مدینہ پاک کے انصار کی اس قربانی کی مثال دنیا قیامت تک پیش نہیں کرسکتی؛ یہ باتیں مہاجر صحابہ کرام نے سنیں تو عرض کیا: یارسول اللہ ہمارا سابقہ کس قوم سے ہوا ہے! پھر انصار کے احسانات کا تذکرہ کیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کے لئے دعا کرو دعا کا احسان مال کے احسان سے بڑا ہوا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۲۸/۳)

اذان کی ابتداء

مسجد نبوی تعمیر ہوگئی، اور دلوں کی صفائی کا جو اصل کام تھا وہ بھی شروع ہوگیا، با قاعدہ جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگ گئی، لیکن ابھی لوگون کو وقت پر بلانے کا کوئی با قاعدہ انتظام نہیں ہوسکا تھا؛ اس لیے جماعت کے بعد جو جب پہنچتا اپنی نماز پڑھ لیتا تھا لیکن یہ بات اسلام کے مزاج اورا س کی روح کے خلاف تھی اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت اتحاد اور اجتماعیت کی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے بہت فکر مند تھے، اس لئے صحابہ کرام سے صلاح ومشورہ فرمایا، کسی نے کہا آگ جلادی جائے، کسی نے کہا گھنٹی بجادی جائے وغیرہ وغیرہ؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشورے پسند نہیں فرمائے؛ کیوں کہ ان میں دوسری قوموں کی مشابہت کی بو آرہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''نماز کے وقت ایک شخص محلّہ محلّہ ''الصلاۃ جامعۃ'' کہتے ہوئے نماز کا اعلان کردے، آخر اسی پر فیصلہ ہوگیا۔

رات اللہ تعالی کی طرف سے حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبدربہؓ کو خواب میں فرشتہ نے

اذان کا یہ طریقہ دکھایا جو آج تک امت میں چلا آ رہا ہے، انہوں نے صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری خواب سنائی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشیؓ کو حکم دیا؛ کیوں کہ ان کی آواز بہت بلند تھی، کہ آپؓ حضرت عبداللہؓ جس طرح بتائیں اسی طرح زور زور سے اذان دو، انہوں نے اذان دی، لوگ توحید والے اس بلاوے اور نداء سے بہت متاثر ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ طریقہ اتنا پسند آیا کہ اب قیامت تک ہر مسجد سے دن میں پانچ بار یہ توحیدی اعلان اور بلاوا سنائی دیتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ:۲۶۱/۳)

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ مدینہ پاک میں تین بڑی قومیں تھیں، جن میں ایک بڑی تعداد ان یہودیوں کی تھی جو الگ الگ وقتوں میں اپنے اپنے علاقوں سے مصیبتوں اور پریشانیوں کے مارے ہوئے جان بچانے کے لیے یہاں آئے تھے، لیکن اب انہیں یہاں زمانہ گزر گیا تھا، جس سے ان کی زبان بھی بالکل عربی ہوگئی تھی، نیز ان کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام بھی بالکل عربوں جیسے ہو گئے تھے۔ یہ کہنے کے لئے تو اہل کتاب (کتاب والے) شمار ہوتے تھے، لیکن اب ان کے پاس بچا کچھ نہ تھا، دوسروں کو سچے دین کی دعوت دینے کا تو خیال اور تصور بھی نہیں تھا، خود بھی دین پر عمل کرنے کی عام لوگوں میں کچھ تڑپ نہیں تھی، بس بڑوں سے سنی سنائی کچھ کہانیاں تھیں جن پر ان کا گزارا ہو رہا تھا، کہ ہمارے بڑے بہت اونچی شان والے تھے، ہم کچھ بھی کریں وہ ہمیں عذاب سے بچالیں گے، ان کے عالم بھی موقعہ بموقع ضرورت پڑنے پر لوگوں سے رشوت لے کر تورات کے حکم بدلتے اور اپنی دوزخ بھرتے رہتے تھے۔ ورنہ یہ اپنی کتاب پڑھ پڑھ کر پکے یقین سے جانتے تھے کہ آخری نبی آنے ہی والے ہیں جو مکہ میں پیدا ہوں گے پھر ہجرت کر کے یہیں مدینہ پاک (یثرب) میں آئیں گے۔ اور کئی بار اپنے دشمنوں کو دھمکی بھی دیتے تھے کہ آج تم لوگ جتنا کر سکتے ہو ظلم کر لو، لیکن جب آخری نبی آئیں گے ہم ان کے ساتھ مل کر تمہارا

مقابلہ کریں گے،آیتِ ذیل میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ☆

ترجمہ:اور جس وقت ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کتاب آئی جو اس کتاب (تورات) کی تصدیق کرتی ہے، جوان کے پاس ہے، (ان کا طرزعمل دیکھو) باوجود دیکہ وہ خودشروع میں کافروں (یعنی بت پرستوں) کے خلاف اللہ سے فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے، لیکن جب وہ چیزان کے پاس آ گئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا،تواس کا انکار کر بیٹھے، پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر''۔ (البقرۃ:۸۹)

مدینہ منورہ کے انصاری صحابہ کرام نے ان ہی سے یہ باتیں سنی ہوئیں تھیں تب ہی انہوں نے بیعت کرنے اور ایمان قبول کرنے میں دیر نہیں کی، بلکہ ''عقبہ اولی'' میں انہوں نے یہ بات بیان بھی کی تھی کہ جلدی کرو، کہیں یہودی آگے نہ ہو جائیں۔لیکن صدیوں سے رشوت اور سود کی عادت، اور بڑے بڑے گناہوں کی لت نیز یہودیوں کی ضد ایسی تھی کہ ان سے یہی امید تھی کہ وہ حق کو جانتے پہچانتے ماننے سے انکار کر دیں گے، چنانچہ آگے چل کر لوگوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا، یہودیوں نے مانا کہ یہ دین سچا ہے،اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن کے لئے ہم تڑپ رہے تھے، لیکن ہم اس لئے ایمان نہیں لا سکتے کہ یہ ہمارے خاندان میں کیوں نہیں آئے، پھر کچھ ایک خوش نصیبوں کو چھوڑ کر سب دین اسلام کے دشمن ہی رہے،اس لئے ان کے ساتھ معاہدہ ہونا اور معاہدہ کی رسی سے ان کو باندھنا بہت ہی ضروری تھا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر سب سے پہلے یہودیوں سے معاہدہ کیا، معاہدہ کی کچھ خاص خاص باتیں یہ ہیں:

۱-مدینہ کے آس پاس کے نیز مدینہ کے اندر کے یہودی اور مسلمان سب مل کر ایک ہی جماعت شمار ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر عمل کریں گے۔۲-اور

یہودی اپنے خرچہ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچہ کے ذمہ دار ہوں گے۔ ۳- اگر کبھی باہر سے کسی فریق پر حملہ ہوگا تو سب مل کر مقابلہ کریں گے۔ ۴- مظلوموں کی سب مدد کریں گے۔ ۵- جب تک جنگ رہے گی سب مل کر اس کا خرچہ برداشت کریں گے۔ ۶- مکہ کے قریشیوں کو کوئی مدینہ میں پناہ نہیں دے گا، اور یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کو پناہ دینے اور فائدہ اٹھانے کے لئے کام نہیں آئے گا۔ (ابن ہشام: ۱/۵۰۷)

اسی طرح کی کوئی بارہ باتوں پر معاہدہ ہوا، یہ وعدہ اور یہ معاہدہ تو ہو گیا؛ لیکن یہودیوں کو ان کی پرانی وعدہ خلافی کی عادت نے اس پر قائم نہیں رہنے دیا؛ چنانچہ مسلمان تو وعدہ پر قائم ودائم رہے ،لیکن یہودیوں کو جیسے موقع ملتا رہا، وعدہ خلافی کرنے میں انہوں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، سچ کہا کسی کہنے والے نے:

لگیاں عادتاں نہ جان اینویں پہانویں بال سفید سرا ہوون

کہ جبل گردد جبلت نہ گردد

سب سے پہلے ان کے خاندان بنو قینقاع نے وعدہ توڑا کہ ایک ایماوالی خاتون کی عزت پر حملہ کیا تو وہ مدینہ منورہ سے جلاوطن کیے گئے، پھر ان کے دوسرے بڑے خاندان بنونضیر نے وعدہ خلافی کی کہ آپ ﷺ پر قاتلانہ حملہ کی کوشش کی تو وہ بھی مدینہ سے نکالے گئے، آخر میں ان کے آخری بڑے خاندان بنوقریظہ نے غداری کی کہ غزوۂ خندق میں مشرکین مکہ کا ساتھ دیا، جس پر ان میں سے بہت سے لوگ ان ہی کے فیصلے پر قتل کیے گئے، اس طرح مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین ان ناپاکوں سے خالی ہوگئی۔

بدنصیبوں میں قسمتوں والے

قرآن کریم کا یہ ایک بڑا کمال ہے کہ وہ سب لوگوں کو اور کسی بھی قوم اور قبیلہ کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکتا؛ بلکہ ان کے اچھے لوگوں کو بروں سے الگ کرتا ہے، یہودیوں کی بے شمار خرابیاں

بیان کرنے کے بعد قرآن کریم نے اعلان کیا: لَيْسُوْا سَوَاءً '' سارے اہل کتاب برابر نہیں، (آل عمران:۱۱۳) بلکہ مزید فرمایا:

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِا لْمُتَّقِيْنَ ☆

ترجمہ: اور یہ لوگ جو بھی نیکی کرتے ہیں، اس کی بے قدری کبھی نہیں کی جاسکتی، اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ (آل عمران(۱۱۵)

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ☆

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، جبکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہوں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، تو وہ لوگ ہی (درحقیقت) اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کرتے ہیں تو ایسے لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (بقرہ:۱۲۱)

ایک اور مقام پر ان کی اخلاقی خرابیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ اگر کبھی تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو گے، وہ کبھی تمہیں وہ دینار واپس نہیں کریں گے، لیکن اس سے پہلے فرمایا: کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کو سونے کا ایک ڈھیر بھی امانت دو گے، وہ اس کو بھی واپس کردیں گے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِيْ الْاُمِّيِّين سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ☆

ترجمہ: اہل کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس دولت کا ایک ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس کردیں گے، اور انہی میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر ایک دینار کی امانت بھی ان کے پاس رکھواؤ تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، الا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو، ان کا یہ طرزِ عمل اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ: ''امیوں (یعنی غیر

یہودی عربوں) کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی''، اور اس طرح وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں۔ (آل عمران: ۷۵)

میں سمجھتا ہوں اسی کا نتیجہ ہے کہ جہاں یہودیوں نے غداری کرنے اور وعدہ خلافی کرنے میں حدیں پار کردیں، وہاں ایک بڑی تعداد کو ایمان بھی نصیب ہوا۔ جو بدنصیب تھے وہ مدینہ منورہ میں اسلامی تعلیم پہنچتے ہی حالات پر نظر رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے، اور اس نئی تحریک کو اپنی سرداری کے لئے موت سمجھتے تھے، یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کو پہچان بھی لیا، لیکن قسم کھائی کہ ہم نے اس دین کی مخالفت کرنی ہے، اس کے لئے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کا بیان کردہ ایک ہی قصہ نمونہ کے لئے کافی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: ''جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر قباء تشریف لائے، اور بنو عمرو بن عوف کے قبیلہ میں قیام فرمایا، اس وقت صبح سویرے میرے والد حی ابن اخطب اور میرے چچا یاسر ابن اخطب ملاقات کے لے گئے، اور سارے دن خدمت میں رہ کر شام کو تھکے ہارے گھر پہنچے!

میں نے اپنے چچا یاسر ابن اخطب سے سنا وہ میرے والد حیّ سے کہہ رہے تھے: ''کیوں؟ کیا یہ وہی نبی نہیں ہیں؟ والد صاحب نے کہا: خدا کی قسم وہی ہیں، چچا بولے: آپ ان کو صحیح صحیح پہچان رہے ہو نا؟ والد صاحب نے جواب دیا: بالکل ٹھیک ٹھیک پہچان رہا ہوں! چچا نے پوچھا: اب آپ کے دل میں ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یعنی ایمان لاؤ گے یا انکار کرو گے؟ والد صاحب نے جواب دیا: خدا کی قسم میرے دل میں ان کے لئے دشمنی ہی دشمنی ہے، جب تک جیوں گا ان کی مخالفت کروں گا۔ (فتح الباری: ۲۱۳/۷)

اس طرح اور بھی کئی یہودی عالم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوتے رہے، لیکن ضد، حسد اور نفرت کی وجہ سے ایمان سے محروم ہی رہے، اس کا اندازہ بہت بڑے یہودی عالم حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کے ایک قصے سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام کی قسمت جاگی

حضرت عبداللہ ابن سلامؓ یہودیوں میں بہت اونچے مرتبہ کے عالم تھے، بہت سچے اور نیک شخص تھے، جس وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے محلّہ میں حضرت ابوایوبؓ کے گھر تشریف فرما تھے، یہ خدمت میں حاضر ہوئے، اور کچھ ایسے سوال کیے، جن کا جواب نبیؑ کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا تھا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بات کا جواب دیا، وہ اسی وقت وہیں پر مسلمان ہوگئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یہودی بڑی بہتان لگانے والی ضدی قوم ہے، آپ ﷺ ان کو یہیں بلا لیجیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص بھیج کر بڑے بڑے یہودی عالم بلا لیے، اور حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کو گھر کے اندر چھپا کر ان سے پوچھا: بتاؤ عبداللہ ابن سلام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ بولے: رب کعبہ کی قسم وہ ہم میں سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں، وہ ہمارے سب سے اچھے سردار اور سب سے اچھے سردار کے بیٹے ہیں، ہم سب میں بہت نیک اور بہت اچھے اور بہت نیک باپ کے بیٹے ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا بتاؤ! اگر عبداللہ ابن سلام مسلمان ہوجائیں، تو تمہارا کیا خیال ہوگا؟ انہوں نے دو یا تین بار کہا: خدا ان کو اس سے بچائے، وہ کبھی مسلمان نہیں ہوسکتے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن سلامؓ اندر سے باہر تشریف لائے اور آتے ہی کلمہ شہادت پڑھکر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ بس یہ بات سنتے ہی یہودی شور مچانے لگ گئے کہ یہ ہم میں سے سب سے برا اور سب سے برے آدمی کا بیٹا ہے، اس پر عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا: ''او یہودیو! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو سچا دین لے کر آئے ہیں، یہودیوں نے کہا: آپ بالکل جھوٹ بول رہے ہو''۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۱۴/۳، بخاری)

اس سے یہودیوں کا ضدی ہونا سمجھا جاسکتا ہے! حضرت عبداللہ ابن سلامؓ فرماتے ہیں: وہ

پہلی بات جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی وہ یہ ہے، لوگو! کھانا کھلاؤ، ''سلام'' کو عام کرو، رشتہ داری کو جوڑو، رات اس وقت نماز پڑھو جس وقت لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ گے۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ ابن سلامؓ سے ملتا جلتا قصہ حضرت میمون بن یامینؓ کا بھی ہے، یہ یہودیوں کے بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے امیر بھی تھے، اللہ تعالی نے ان کو بھی اسلام کی دولت عطا فرمائی، لیکن یہودی ان کے بھی دشمن ہو گئے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی بھی قسمت جاگی

حضرت سلمان فارسیؓ اصل میں ایران کی ایک بستی ''جیٔ'' کے رہنے والے تھے، بہت لمبی عمر عطاء ہوئی تھی، بعض حضرات نے تو ساڑھے تین سو سال لکھی ہے اور کم از کم ڈھائی سو سال پر تو سب کا اتفاق ہے۔ یہ مجوسی (یعنی آگ کے بچاری) قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ والد صاحب اپنے گاؤں کے سردار اور مذہبی پیشوا تھے، ایک دن انہوں نے نصارٰی کے لوگوں کو عبادت کرتے دیکھا، ان ہی کے ساتھ ہو گئے، باپ نے ناراض ہو کر پیروں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں، لیکن یہ کسی طرح بھاگ کر ایک شامی قافلہ کے ساتھ شام پہنچ گئے جہاں ایک عیسائی عالم کے ساتھ گرجا میں رہنے لگ گئے، لیکن وہ اچھا شخص نہیں تھا، لوگوں کو صدقہ خیرات کا حکم دیتا تھا، لیکن خود بہت لالچی کنجوس تھا، یہاں تک کہ اس کے پاس اشرفیوں کے سات گھڑے جمع ہو گئے تھے۔ اس کی وفات پر حضرت سلمان فارسیؓ نے اس کا یہ راز لوگوں کے سامنے کھول دیا، جس پر لوگوں نے اس کے خاندان کے کسی شخص کے بجائے ایک دوسرے نیک شخص کو اس کی جگہ بٹھایا، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں وہ بہت نیک اور اچھا شخص تھا، پھر اس عالم کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق موصل کے ایک عالم، عابد زاہد کے پاس چلے گئے، پھر اس کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق نصیبین کے ایک عالم کے پاس اور اس کی وفات پر عموریہ شہر کے ایک عالم کے پاس چلے

گئے۔

اور جب اس کی وفات کا وقت بھی قریب آ لگا تو انہوں نے اس کو اپنا پورا قصہ سنایا اور آگے کا مشورہ طلب کیا، اس عالم نے ان سے کہا اب میری نظر میں کوئی بھی ایسا عالم نہیں ہے جس کے پاس میں آپ کو بھیجوں، اب تو آخری پیغمبر کے آنے کا وقت بالکل قریب ہے، وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں گے، عرب میں پیدا ہوں گے، ایک وقت کے بعد ہجرت کر کے کھجوروں کے باغوں والے علاقے میں جائیں گے، وہ صدقہ کا مال نہیں کھائیں گے، ہاں! ہدیہ ضرور قبول کریں گے، ان کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی یعنی کبوتری کے انڈے کے برابر گوشت اوپر اٹھا ہوا الگ قسم کا ہوگا، یہی مہر نبوت ہے۔

فرماتے ہیں: ''اس وقت میرے پاس کچھ گائیں اور بکریاں تھیں، میں نے ایک قافلہ کو جو مدینے جا رہا تھا، کہا کہ:'' آپ میری یہ گائیں اور بکریاں سب لے لو لیکن مجھے اپنے ساتھ مدینہ لے چلو۔ وادی قریٰ پہنچ کر یہ لوگ غدار ہو گئے، اور انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ یہ غلام ہے، اس طرح انہوں نے مجھے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا، میں نے یہاں کھجوروں کے باغ دیکھے تو مجھے خیال آیا کہ شائد یہی وہ جگہ ہے جہاں آخری پیغمبر آئیں گے، ابھی مجھے اس بارے میں شک ہی تھا کہ میرے مالک نے مجھے مدینہ کے بنوقریظہ کے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا، بلکہ بخاری شریف میں ہے کہ ''اس طرح میں کوئی دس بار بکا''۔ فرماتے ہیں: ''مدینہ پہنچ کر مجھے دیکھتے ہی یقین آ گیا کہ یہی وہ جگہ ہے، بس یہاں اب میں پل پل گن رہا تھا کہ کب آخری نبی تشریف لائیں گے، اسی درمیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں بعثت ہوگئی، لیکن مجھے کچھ معلوم ہی نہ ہوسکا۔

آخر جس دن رحمتِ عالم ﷺ ہجرت فرما کر قباء تشریف لائے تو: ''میرے آقا کو ایک یہودی نے بتایا کہ اس طرح عرب کے لوگ قباء میں ایک پردیسی کے اردگرد جمع ہو گئے ہیں، مجھے یہ سن کر ایسی کپکپی لگ گئی کہ درخت سے نیچے اترنا مشکل ہو گیا، میں کسی طرح نیچے اترا میں نے اس یہودی

سے پوچھا: ''وہ پردیسی شخص کیسے ہیں؟ ان کی شکل وشباہت کیسی ہے؟ اس پر میرے مالک نے مجھے زوردار تھپڑ مار کر کہا: تجھے اس سے کیا مطلب! تو اپنا کام کر! شام کو جس وقت میں کاموں سے ذرا فارغ ہوا تو اپنے پاس کھجور وغیرہ جو کچھ تھا لے کر حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بڑی ضرورت ہے؛ اس لیے میں صدقہ کی یہ کھجور لے کر آیا ہوں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں صدقہ نہیں کھاتا اور ساتھیوں سے فرمایا: ''آپ لے لو''، میں نے کہا: ''یہ پہلی نشانی تو پکی ہے''۔ کچھ دنوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آ گئے میں نے پھر کچھ کھجوریں پیش کیں، اور عرض کیا یہ میری طرف سے ہدیہ اور تحفہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تناول فرمائیں اور ساتھیوں کو بھی کھانے کے لئے دیں، میں نے اپنے دل میں کہا: ''یہ دوسری نشانی بھی پکی ہوگئی''۔

پھر کچھ دنوں بعد میں حاضر ہوا، اس وقت ایک جنازہ سے واپس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے، میں پہلے آ کر بیٹھ گیا، پھر اٹھ کر پیچھے آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے اور مہر نبوت دکھانے کے لیے چادر مبارک اٹھالی، میں نے نبوت کی مہر دیکھی، بوسہ دیا، پھر رونے لگ گیا، حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آگے آؤ! میں نے آگے آ کر سارا قصہ سنایا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ایمان نصیب فرمادیا''۔ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، میں پھر اپنے مالک کی خدمت میں لگ گیا، اسی لیے میں نہ غزوہ بدر میں شریک ہوسکا، نہ احد میں! ایک بار مجھ پر ترس فرما کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان! تم اپنے آقا کے ساتھ مکاتبت کا معاملہ کرلو کہ آپ اس کو کچھ دے کر چھوٹ جاؤ!'' حضرت سلمانؓ نے اس منحوس یہودی سے مکاتبت کی بات کی، تو اس نے غصہ میں جواب دیا کہ چالیس اوقیہ سونا، اور کھجوروں کے تین سو پودے جس وقت وہ اتنے بڑے ہو جائیں کہ پھل دینے لگ جائیں تو اس وقت میں تجھے آزاد کردوں گا، حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معاملہ طے کرلو''، میں نے معاملہ طے کرلیا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم کھجوروں کے پودوں سے سلمانؓ کی مدد کرو!

پھر کسی نے دس، کسی نے پندرہ، اور کسی نے بیس پودوں کے ذریعہ میری مدد کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان! گھڑے کھودو! جس وقت گھڑے تیار ہو گئے، رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے سارے پودے لگائے، اور برکت کی دعا بھی فرمائی، اللہ تعالیٰ کی شان سارے پودے لگ کر ہرے ہو گئے اور ایک سال کے اندر پھلنے پھولنے بھی لگ گئے۔ اس طرح پودوں کا قرضہ ادا ہو گیا، لیکن سونے کا کیا کروں؟ اسی پریشانی میں تھا کہ ایک دن ایک مومن بندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ سونا لے کر آیا جو تقریباً ایک انڈے کے برابر تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ مسکین مکاتب کہاں ہے''؟ مجھے بلایا گیا، میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے وہ سونا مجھے دے کر فرمایا: ''اپنا قرض ادا کر لو! میں نے عرض کیا: یہ تھوڑا سا سونا ہے، اس سے کہاں قرض ادا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ! اللہ تعالیٰ اس سے تمہارا قرض ادا کروا دیں گے''۔ میں نے سونا تولا وہ پورا چالیس اوقیہ نکلا، میں نے وہ دے کر آزادی حاصل کی اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوا، اور اس کے بعد سارے غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ (ابن ہشام: ۲۳۸/۱ تا ۲۴۵)

یاد رہے! حضرت سلمان فارسیؓ کا مسلمان ہونا بھی یہودیوں کے لیے ایک بڑی نشانی تھی؛ کیوں کہ وہ عیسائیت اور یہودیت دونوں مذہبوں کے ماہر تھے۔

مدینہ پاک پر حملے کی دھمکی

مکہ کے مشرک سردار ایمان والوں کے چلے جانے کے بعد بھی خوش نہیں تھے، کمزور اور بے بس مسلمان تو انہوں نے مکہ میں قیدی بنائے ہوئے تھے ہی، جن کو ہجرت بھی نہیں کرنے دیتے تھے، اس سے بھی آگے بڑھ کر مظلوم مسلمانوں کا مدینہ میں ایک ساتھ جمع ہونا اور آرام سے رہنا بھی انہیں برداشت نہیں ہو رہا تھا، صبح وشام یہی منصوبے، یہی مشورے ہوتے رہتے کہ مسلمانوں کو مدینہ سے کیسے باہر نکالا جائے، اس کے لئے وہ جتنی کوشش کر سکتے تھے کر رہے تھے، بس دو قصے

یہاں بات سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

(۱) پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ مدینہ میں مسلمان اور یہودیوں کے علاوہ ایک طبقہ ابھی بھی مشرکیں کا موجود تھا، جن کا سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا، دراصل بات یہ ہوئی کہ مدینہ کے لوگ لڑائیوں سے تنگ آ چکے تھے، اسلام کی روشنی سے کچھ دیر پہلے ہی آپسی اتحاد کے لئے محنت چل پڑی تھی، عبداللہ ابن ابی کھاتے پیتے گھر کا آدمی تھا، چالاک وہوشیار بھی بہت تھا، اس وجہ سے مدینہ منورہ کے سارے مشرک لوگ اس بات پر متفق ہونے ہی والے تھے کہ مدینہ منورہ کے لوگوں کا ایک ہی سردار ایک ہی بادشاہ بن جائے، اس وقت اکثر لوگوں کی نظر اس پر لگی ہوئی تھی، چونکہ یہ جنگِ بعاث میں غیر جانب دار تھا، اس کے دل میں بھی خوشیاں انگڑائیاں لے رہی تھیں کہ اب میں بادشاہ بنوں گا، بلکہ اس کے لئے تاج بھی تیار ہو چکا تھا لیکن جیسے ہی اسلام کا سورج روشن ہوا تو یہ سب ٹمٹماتے چراغ بجھ گئے، اکثر لوگ تو ایمان ہی لے آئے، مگر وہ لوگ جن کو اس کے بادشاہ بننے پر اپنے وزیر وغیرہ بننے کے آثار لگ رہے تھے، وہ اسی عبداللہ ابن ابی کے ساتھ چپکے رہے کہ ابھی بھی شائد کچھ ہاتھ آ جائے، یہ بات مکہ کے مشرک سرداروں سے بھی پوشیدہ نہیں تھی، انہوں ے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ ابن ابی کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ تم نے ہمارے دشمنوں کو اپنے شہر میں پناہ دے رکھی ہے، اب یا تو تم خود ہی ان کو وہاں سے نکال دو، ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کر دیں گے، پھر تمہارے بوڑھے اور جوان قتل ہوں گے، اور جو بچ جائیں گے، ان کو قید کیا جائے گا، اور تمہاری عورتوں کو باندیاں بنایا جائے گا۔ عبداللہ ابن ابی نے اپنے ساتھیوں کو یہ خط دکھایا اور کمزور لوگوں کو ڈرا ڈرا کر یہ مشورہ بھی دینے لگا کہ ان کو یہاں سے نکال دو۔

کچھ لوگ صلاح مشورہ کے لئے جمع بھی ہو گئے، انصار کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس بد بخت کا دماغ ٹھیک کرنے کا ارادہ کر لیا حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا لگا، تو آپ دوڑے ہوئے اس مجمع میں پہنچے، اور فرمایا: ''لوگو! تمہیں کیا ہو گیا؟ تم دشمن کے بغیر خود ہی جھگڑا کر کے مرنے لگے ہو؟ اس پر لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے، اور یہ بات آئی گئی ہو گئی۔

(۲) کرز بن جابر فہری مکہ کے سرداروں میں ایک بڑا سردار تھا، (جو بعد میں ایمان لے آئے تھے) اس نے مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے مدینہ پاک کی ایک چراگاہ پر حملہ کر دیا، جہاں سے کافی اونٹ اور بکریاں لوٹ کر لے گیا، اس کے لوٹنے کے طریقہ سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ ابوجہل اور اس کے پیروکاروں کے مشورہ سے ہو رہا تھا، کہ دیکھیں مسلمان اس کے جواب میں کیا کرتے ہیں؛ کیوں کہ اونٹوں کی لوٹ مار کرنا مکہ کے لوگوں کا کام نہیں تھا۔

مسجد حرام کے دروازے مسلمانوں کے لئے بند

ہجرت کے کچھ دن بعد حضرت سعد بن معاذؓ نے عمرہ کا ارادہ کیا، مکہ میں امیہ ابن خلف ان کا حلیف اور واقف تھا، وہ تجارت کے لئے جب بھی آتا تھا ان کے پاس ہی قیام کرتا تھا، یہ بھی جب مکہ جاتے اسی کے پاس رہتے تھے، اس بار بھی اسی کے پاس رہے، حضرت سعدؓ نے اس سے کہا: مجھے بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے ایسے وقت لے چل جب وہاں بھیڑ نہ ہو، وہ ان کو دوپہر کے وقت لے گیا، یہ طواف کرنے لگے، اچانک ہی آگے سے ابوجہل آ رہا تھا، اس نے امیہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا یہ سعد ہیں، اس پر وہ کہنے لگا کہ: ''اگر تو امیہ کے ساتھ نہ ہوتا تو تو نہ ایسے اطمینان سے طواف کرتا، اور نہ یہاں سے واپس جاتا! پھر امیہ پر غصہ ہونے لگا کہ تو ایسے بے دین کو پناہ دیتا ہے؟ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ نے باآواز بلند کہا: ''سن! خدا کی قسم اگر تو مجھے طواف سے روکے گا، تو میں تجھے مدینہ سے شام کے راستے پر روکوں گا''، امیہ ابن خلف گھبرا کر کہنے لگا: سعد! تم ابوالحکم (ابوجہل) سے اپنی آواز اونچی نہ کرو! یہ اس علاقے کا سردار ہے۔

حضرت سعد نے ڈانٹ کر جواب دیا، امیہ رہنے دے، زیادہ باتیں نہ کر! میں نے تو تیرے بارہ میں بھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تو بھی صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں قتل ہوگا، امیہ یہ بات سن کر بہت ڈر گیا، گھر جا کر اہل خانہ سے کہنے لگا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوئی''۔

مسجد حرام کے دروازے کیسے مسلمانوں کے لئے بند کردیے گئے، اس کا ٹھیک پتا تو صلح حدیبیہ والے واقعہ سے ہوتا ہے، جب مشرکین نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور چودہ سو صحابہ کرام کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اسی کو قرآن پاک نے کہا:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْا اَوْلِيَآءَهٗ اِنْ اَوْلِيَاۗؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ☆

ترجمہ: اور بھلا ان میں کیا خوبی ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے جبکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے متولی نہیں ہیں۔ متقی لوگوں کے سوا کسی قسم کے لوگ اس کے متولی نہیں ہو سکتے؛ لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے''۔

ظالموں کا مقابلہ کرنے کی اجازت

مشرک یہ سب کچھ کر رہے تھے، مکہ مکرمہ میں انہوں نے جو اُدّھم مچایا ہوا تھا، وہ بھی آپ نے پڑھا، یہاں تک کہ مسلمان وطن سے بے وطن کیے جن کا پردیس میں بھی اطمینان سے رہنا ان کو برداشت نہیں تھا۔ دوسری طرف مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ کوئی تم کو ستائے، زخم لگائے، زخموں میں نمک بھرے، گلیوں میں گھسیٹے، آگ کے انگاروں پر تپائے، بلکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر گند ڈالے، بے رحمی اور بے حیائی سے حضرت سمیہؓ جیسی مظلوم عورتوں کو قتل کرے، تم نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھانا، بلکہ صبر کے کند ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ جس پر قرآن کریم نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْآ اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ☆

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے (مکی زندگی میں) کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور نماز قائم کرتے رہو، اور زکوۃ دیتے رہو''۔ (النساء:۷۷)

ایمان والوں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ اس پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ

دنیا اس کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتی ۔لیکن جس وقت ان ظالموں نے مدینہ منورہ آجانے کے بعد بھی مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑا اندھیرے کے اندھے پجاریوں نے مکروفریب اور سازشوں کے تانے بانے ملانے شروع کردیے، تاکہ یہ چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ ہی جائے ، اور دنیا میں اندھیرے کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے، اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹ جائے ، اس وقت مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو بھی اجازت دے دی کہ اب تم بھی ظالموں کے دانت توڑ سکتے ہو؛ کیوں کہ تم پر بہت ہی ظلم ہو چکا ہے، اسی موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۞الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۞

ترجمہ: جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پورے طور پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اس بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ (الحج:۳۹، ۴۰)

یعنی بس اتنی سی بات پر انہیں گھروں سے نکال دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کیوں کہتے ہو؟ سبحان اللہ! یہ کوئی غلطی ہے! یہ کوئی گناہ اور جرم ہے؟ اور وہ مظلوم بچارا جو پہلے ہی کمزور ہے، مصیبتوں میں دبا ہوا ہے، وہ کیسے ظالم کا مقابلہ کرے گا، جواب دیا وہ اکیلا نہیں، اس کے ساتھ اس کا رب ہے، اور وہ اس کی مدد کرنے کی طاقت رکھتا ہے، جنگ کی اس اجازت پر کسی کے دل میں آسکتا تھا کہ یہ تو امن اور سلامتی والا دین ہے، یہ تو مہر ومحبت والا مذہب ہے، یہ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے، جو سب کے لئے رحمت بن کر آئے تھے، جنہوں نے آج تک گالیوں کے بدلے دعائیں دی تھیں، جنہوں نے طائف میں پتھروں کی برسات برسانے والوں کے لئے ہدایت کی دعا کی تھی! پھر اس دین میں جنگ کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: کہ مظلوم اگر ہمیشہ ظلم سہتا رہے، اور ظالم کو کچھ کہنے کی بھی اجازت نہ ہو، تب تو دنیا

میں بدمعاشوں اور گنڈوں کا راج ہوجائے گا، پھر تو شریف اور عزت دار لوگوں کو زمین میں کھڑا بھی نہیں ہونے دیا جائے گا؛ بل کہ پھر تو مذہبی شریف لوگوں کو ہی نہیں؛ بلکہ مذہبی جگہوں کو بھی شیطان کے پجاری تہس نہس کر کے ان کا نام ونشان مٹا دیں گے، چاہے وہ جگہ کسی بھی مذہب کی ہی کیوں نہ ہو، اور دنیا میں ایک ہنگامہ برپا ہوجائے گا، فرمایا:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ☆

ترجمہ: اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا تو خانقاہیں، اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں کہ جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کردی جاتی، اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا بڑا اقتدار والا ہے۔ (الحج:۴۰)

اور اگر ظالموں کے بجائے اللہ تعالیٰ کے خاص نیک بندوں کے پاس دنیا کا نظام آئے گا، انہیں حکومت مل جائے گی، وہ کیا کریں گے، ان کے خاص خاص کاموں کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ☆

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکاۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔

مطلب یہ کہ، یہ اجازتِ جنگ دنیا کی جنگوں کی طرح نہیں، نہ یہ قوم، قبیلہ، برادری اور خاندان کا نام اونچا کرنے کے لئے ہے، اور نہ دنیا دار بادشاہوں کی طرح ملک بڑھانے اور

دولت سمیٹنے کے لئے ہے، یہ تو دنیا کو ظالموں کے ظلم اور قہر سے نجات دلا کر امن وامان قائم کرنے کی ایک خدائی ترتیب ہے۔

پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر انسان کے لئے نمونہ بن کر آئے ہیں، ہر ایک کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں، اور ظالم بھی دنیا میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے ساتھ جنگ بھی ناگزیر ہے، تو مظلوم جنگ کرنے والوں کا بھی حق ہے کہ ان کو اپنے دفاع میں جنگ کے طریقے اور مقاصد سمجھائے جائیں، پھر انسان کے اصل اخلاق کا پتا بھی صلح سے زیادہ جنگ میں لگتا ہے، جنگ جیتنے والے ہارنے والوں کے ساتھ، اور قید کرنے والے قید ہونے والوں کے ساتھ اور مظلوم ظالموں کو شکست دے کر ان کی بستیوں کے ساتھ، کیا سلوک کرتے ہیں؟ یہی انسانی اخلاق کے ظاہر ہونے کے مواقع ہیں! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو اس کی اجازت اسی لیے ملی تا کہ دنیا اس موقع پر بھی ان کے اخلاق دیکھ سکے؟ اور وہ دنیا کے لئے نمونہ بنیں۔ فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَا نَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ☆

ترجمہ: حقیقت یہ کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یومِ آخرت سے امید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

(الاحزاب:۲۱)

اور وہ یقیناً عالم کے لئے نمونہ بنے! لوگوں نے ایک نیا نظارہ دیکھا، جنگ کے میدان میں بھی بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور مذہبی لوگوں کو پناہ ملتی دیکھی، قیدیوں پر رحم وکرم ہوتے دیکھا، بل کہ قید کرنے والے زمین پر اور قید ہونے والوں کو چار پائیوں اور پلنگوں پر سوتے دیکھا، قید کرنے والے بھوکے رہ کر قید ہونے والوں کو پیٹ بھر کے کھلاتے دیکھا، آپ بھی غزوہ بدر میں اس کا نظارہ کریں گے، یہی وہ اخلاق تھے، جن کی وجہ سے یقینی طور پر جنگ کے بعد جتنے لوگ ایمان

لائے، اتنے پہلے کبھی نہیں لائے تھے۔قرآنِ کریم نے ان کے کردار کی یوں منظر کشی کی ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْناً وَّيَتِيْماً وَّاَسِيْرًا ☆اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لاَ نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلاَ شُكُوْرًا ☆

اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر، مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ''ہم تو تمہیں صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کھلاتے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔ (الدھر:۸،۹)

مشرک سرداروں کی سازشوں پر نظر اور ان کی تاک

جنگ کی یہ اجازت ملتے ہی رحمتِ عالم ﷺ نے مکہ کے مشرک سرداروں کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ ساری تدابیر اور طریقے اختیار کرنے شروع کر دیے جو ایسے موقع پر دنیا کا کوئی بہت بڑا دانشمند سپہ سالارِ اعظم اور فوج کا بڑے سے بڑا جرنیل اختیار کر سکتا ہے، یا ایسے موقع پر ایسے موقع کے لئے جو کام کسی انسان کے دماغ میں آ سکتے ہیں! نہیں، نہیں! انسان کیا! اور اس کے تجربے کیا! رحمتِ عالم ﷺ نے وہ کام کیے جو ساری دنیا کے دماغ میں آ ہی نہیں سکتے! سب سے پہلے جاسوسی کا نظام مضبوط کیا گیا، حالانکہ یہ سب کچھ وحی کے ذریعہ بھی بتایا جا سکتا تھا، اور بتایا بھی جا رہا تھا؛ لیکن اصل تو امت کو سکھانا تھا، چنانچہ جن جن راستوں سے قریشی سردار گزر کر تجارت کرتے تھے، یا جن راستوں سے آ کر حملہ کر سکتے تھے، سب راستوں پر صحابہ کرام کو بٹھایا گیا، جو لمحہ لمحہ کی خبر لاتے تھے۔

کرز بن جابر فہری کے حملہ کے علاوہ کوئی ایسا حملہ نہیں جس کی خبر پہلے نہ مل گئی ہو اور رہی بات کرز بن جابر فہری کی! تو اس میں خدائی حکمت تھی۔ دشمن کی چالوں اور سازشوں پر نظر رکھنے کے لے ہی ہجرت سے سات مہینہ بعد رمضان المبارک ۱ھ میں حضور اکرم ﷺ نے ۳۰؍ مہاجروں کا ایک قافلہ حضرت حمزہؓ کی سرداری میں سیف البحر نام کی جگہ کی طرف بھیجا، ادھر شام

سے آتے ابوجہل کا تین سو افراد پر مشتمل قافلہ گزر رہا تھا، حضرت حمزہؓ نے اس کو روکنے کی کوشش کی؛ لیکن مجدی بن عمرو نام کے اس علاقہ کے ایک سردار نے بیچ بچاؤ کر کے دونوں کو ٹکرانے سے بچالیا اور حضرت حمزہؓ واپس تشریف لے آئے، اس کو سریہ ''سیف البحر'' کہا جاتا ہے

(البدایہ والنہایہ:۳/۲۷۲)

یاد رہے! سریہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود شامل نہ ہوں، اور غزوہ اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس میں رحمتِ عالم ﷺ خود شریک ہوں۔

اسی طرح ہجرت سے آٹھویں مہینے حضرت عبیدہ ابن حارثؓ کو تقریباً ساٹھ مہاجرین کا ایک قافلہ دے کر رابغ کی طرف بھیجا گیا، وہاں سے بھی قریشیوں کا دوسو افراد پر مشتمل ایک قافلہ گزر رہا تھا؛ لیکن یہاں بھی جنگ کی نوبت نہیں آئی، صرف حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے ایک تیر چلایا اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام میں پہلا تیر ہے، یہاں دو مسلمان حضرت مقداد ابن عمرؓ اور عتبہ ابن غزوانؓ جو قریشی قافلہ کے ساتھ اسی لئے تھے کہ جہاں موقع ملا تو بھاگ کر مسلمانوں میں شامل ہوجائیں گے، یہ دونوں حضرات یہاں موقع ملتے ہی بھاگ کر مسلمانوں کے قافلے میں شامل ہوگئے۔ (البدایہ والنہایہ:۳/۲۶۳)

پھر ۱ھ ذی قعدہ کے مہینے میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو تقریباً ۲۰ یا ۸/ مہاجرین کے ساتھ جحفہ کی طرف روانہ فرمایا، یہاں سے بھی ایک قریشی قافلہ گزرنے والا تھا لیکن وہ پہلے ہی نکل گیا اور حضرت سعدؓ بغیر لڑائی کے ہی واپس آگئے۔ (ابن ہشام:۱/۵۹۳)

پھر ۲ھ/صفر کے مہینے میں خود رحمتِ عالم ﷺ ساٹھ (۶۰) صحابہ کرام کا ایک قافلہ لے کر ابواء تک تشریف لے گئے، یہاں سے بھی قریشی قافلہ پہلے ہی گزر گیا تھا؛ اس لیے یہاں بھی کوئی لڑائی جھگڑے کی بات پیش نہیں آئی، البتہ اس علاقے کے قبیلہ بنی حمزہ کے سردار مخشی بن عمرو کے ساتھ صلاح کا معاہدہ ہوگیا، یہ پہلا غزوہ تھا اور اسکو غزوہ ''ابواء'' کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ربیع الاول ۲ھ میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ مکی مشرکوں کا ایک قافلہ بواط نام کی

جگہ سے گزرنے والا ہے، آپ ﷺ نے دوسو صحابہ کرامؓ کی جماعت لے کر اس کا پیچھا کیا، لیکن یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے پہلے ہی یہاں سے گزر گیا، اور آپ ﷺ صحابہ کرام کو لے کر خیریت سے واپس تشریف لے آئے۔

جمادی الاولیٰ ۲ھ میں رحمتِ عالم ﷺ نے ینبع کے قریب عُشیرہ نام کی جگہ کے بارے میں سنا کہ وہاں سے ایک اور قافلہ گزر رہا ہے، آپ ﷺ نے اس کا راستہ روکنے کے لئے دوسو صحابہ کرام کی جماعت لے کر اس علاقہ کا ارادہ فرمایا، لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ قافلہ تو کئی دن پہلے ہی یہاں سے گزر گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کچھ دن قیام فرما کر اس علاقہ کے مشہور قبیلہ بنی مدلج کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔

اسی مہینہ کے آخر میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ کی ایک چراگاہ پر حملہ کر کے کئی سارے اونٹ اور بکریاں لوٹ لیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بنا کر اس کا پیچھا کیا اور بدر نام کی جگہ کے قریب سفوان تک اس کے پیچھے تشریف لے گئے، مگر وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن کچھ سال بعد ہی کرز بن جابر فہریؓ کو ایمان نصیب ہو گیا اور توبہ کر کے اونچے مرتبہ کے صحابی بن گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

ان غزوات وسرایا میں کسی جنگ کی نوبت نہیں آئی، اس کی ظاہری وجہ یہ لگتی ہے کہ ان کا اصل مقصد تھا ہی ڈرانا، دھمکانا اور راستوں پر نظر رکھنا، نیز اپنے وجود کا احساس دلانا، لڑائی اصل مقصد نہیں تھا اور اسی میں خیر تھی۔

سریہ عبداللہ ابن جحش

جنگ کوئی بچوں کا کھیل نہیں، جنگ آخر جنگ ہے، جہاں نعشوں کے ڈھیر لگتے ہیں، جہاں جسم کے ٹکڑے بلکہ چیتھڑے ہوا میں بکھر جاتے ہیں، جہاں خون کے دریا بہہ پڑتے ہیں؛ اس

لیے ان گزشتہ مہموں کو اس کے لئے ٹریننگ اور مشق بھی کہا جا سکتا ہے، کہ دل و دماغ اللہ تعالیٰ کے عشق میں رحمتِ عالم ﷺ کے حکم پر جسم و جان قربان کرنے کے لے تیار ہو جائیں۔ اسی کی ایک مثال حضرت عبد اللہؓ کا سریہ بھی تھا۔ ان کو گیارہ مہاجرین کا امیر بنا کر مکہ کے راستہ پر روانہ فرمایا اور ایک خط دے کر فرمایا: ''دو دن تک چلتے رہو، اور دو دن کے بعد یہ خط کھول کر دیکھنا اس میں جو لکھا ہو اس پر عمل کرنا''۔ دو دن بعد انہوں نے وہ خط پڑھا، اس میں لکھا ہوا تھا کہ تم مکہ اور طائف کے راستہ پر نخلہ نام کی جگہ میں چھپ کر بیٹھ جاؤ، اور قریشیوں کے حالات کی خبر ہمیں دیتے رہو۔ حضرت عبد اللہ ابن جحشؓ نے ساتھیوں کو خط سنایا، سب عمل کے لئے تیار ہو گئے اور نخلہ جا کر بیٹھ گئے، صرف حضرت سعدؓ اور حضرت عتبہ رضی اللہ عنہما جن کا اونٹ گم ہو گیا تھا اور یہ اس کو ڈھونڈنے نکلے تھے، پھر یہ خود بھی گم ہو گئے اور بعد میں مدینہ منورہ ہی آ گئے۔

ادھر نخلہ میں عجیب معاملہ پیش آ گیا، مکی قریشیوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا، حضرت عبد اللہ ابن جحشؓ اور ان کے ساتھیوں نے جب دشمن کو بالکل سامنے دیکھا، تو انہیں برداشت نہیں ہوا، چنانچہ انہوں نے ایک تیر مارا جو قافلہ کے سردار عمرو بن عبد اللہ حضرمی کو لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، دوسرے دو آدمی انہوں نے باندھ لئے، اور ایک آدمی سامان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ظاہری طور پر یہ بڑی کامیابی تھی، لیکن اس میں دو غلطیاں ہو گئیں: ایک تو حضور اکرم ﷺ نے صرف نظر رکھنے کے لئے فرمایا تھا، بغیر اجازت کے لڑائی کر لی، دوسرے سال میں جو چار مہینے حرمت والے سمجھے جاتے تھے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہی ان مہینوں میں جنگ کرنی بری بات سمجھی جاتی تھی آج حرمت والے مہینے رجب کی ۳۰ تاریخ تھی جب کہ صحابہ کرام نے خیال کیا تھا کہ شعبان کا چاند نظر آ گیا ہے۔ اور آج شعبان کی پہلی تاریخ ہے، اس طرح حرمت والے مہینے میں لڑائی ہو گئی۔ (ابنِ ہشام: ۱۸۲/۲)

یہ حضرات غنیمت لے کر مدینہ منورہ پہنچے، لیکن آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، ادھر مکہ کے مشرک سرداروں کے دلوں میں ایک آگ بھڑک اٹھی، اور ہر طرف خون کا بدلہ خون سے لینے

کے نعرے لگنے شروع ہوگئے۔مرنے والے عمرو ابن عبداللہ حضرمی کے بھائی نے اپنی حمایت کے لئے گھر گھر جا کر مظلومیت کی دوھائی دی، جس کے جواب میں مشرکین نے ایک تو اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوششیں شروع کردیں کہ دیکھو! یہ اسلام ہے جس کو کہتے تھے یہ سلامتی والا دین ہے! اور یہ مسلمان ہیں جن کو لوگ امن پسند سمجھتے تھے! انہوں نے تو آج حرمت والے مہینے کا بھی کوئی خیال نہیں کیا، یہ تو قاتل ہیں! اس کے جواب میں قرآن کریم نے انہیں مکی زندگی یاد کروائی کہ تم نے اسی حرم میں اور ان ہی حرمت والے مہینوں میں مسلمانوں کے ساتھ کیا، کیا! وہ کرتوت تم بھول گئے؟ اور تم نے مسلمانوں کی بھول سے ہونے والی غلطی پر آسمان سر پر اٹھالیا۔ قرآن کریم میں ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ☆

ترجمہ: لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی روش اختیار کرنا، مسجدِ حرام پر بندش لگانا، اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین چیز ہے۔ اور یہ کافر برابر تم لوگوں سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کریں۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے اور کافر ہونے ہی کی حالت میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ (البقرہ:۲۱۷)

دوسرے مدینہ پاک پر حملہ کرنے کے منصوبے بنانے لگ گئے، شاعروں نے شاعری سے اور لیڈروں نے تقریروں کے زور پر آگ لگانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ آخر یہ مشورہ ہوا کہ سارے لوگ مرد و عورت سب ایک تجارتی قافلہ تیار کریں جس میں ہر شخص کچھ نہ کچھ سرمایہ لگائے، پھر اصل رقم تو واپس کر دی جائے گی لیکن نفع میں سے ایک حصہ صرف مسلمانوں سے مقابلہ کرنے اور انہیں دنیا سے مٹانے کے لئے رکھا جائے گا، یہ قافلہ تیار ہو گیا، جس میں بہت بڑا سرمایہ لگایا گیا جس کا تخمینہ بعض حضرات نے پچاس ہزار دینار کیا ہے، لیکن اس کی رکھوالی اور حفاظت کے لئے صرف چالیس لوگ مقرر ہوئے، جن کا سردار ابوسفیان کو بنایا گیا۔

معرکہ بدر اور حق و باطل کے فیصلہ کا دن

حضرت رحمتِ عالم ﷺ بھی قریش کی ان شرارتوں سے بے خبر نہیں تھے، لمحہ لمحہ اُن کی ایک ایک بات پر نظر رکھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے پہلے تو شام کی طرف جاتے ہوئے ہی اس قافلہ کو روکنے کی کوشش کی، لیکن قافلہ بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے قافلہ کی جاسوسی کے لئے مسلسل آدمی چھوڑ دئے، رمضان کا مہینہ لگتے ہی ۲ھ میں معلوم ہوا کہ قافلہ اب شام سے واپس آ رہا ہے، جس کے پاس منوں سونے کی مالیت سے زیادہ کا مال ہے، جب کہ حفاظت کے لئے صرف چالیس آدمی ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر مشورہ فرمایا کہ یہ قریش کا سوداگری قافلہ ہے جو مال و دولت سے لدا ہوا ہے، آپ حضرات اس کی طرف نکلیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ غنیمت میں یہ سب کچھ تمہیں عطا فرما دیں، آپ ﷺ نے اس راستہ میں نکلنے کا شوق تو دلوایا، لیکن نکلنا فرض نہیں فرمایا، اپنے اپنے حالات کے مطابق تقریباً ۳۱۳ رجان و مال قربان کرنے والے سچے عاشق تیار ہو گئے؛ لیکن چوں کہ کسی بڑی جنگ کا مسئلہ نہیں تھا؛ اس لیے باضابطہ جنگی تیاری نہیں ہوئی، تلوار، برچھا، کلہاڑی وغیرہ جو چیز جس کے ہاتھ لگی، لے کر تیار ہو گیا۔

۱۲/رمضان المبارک ۲ھ میں حضرت رحمتِ عالم ﷺ ان سچے وفاداروں کو لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، ادھر ابوسفیان بھی جہاں دیدہ آدمی تھا، وہ بھی حالات سے بے خبر نہیں تھا، اس کو پورا احساس تھا کہ مسلمان جن کے خلاف یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے ضرور ہمارا پیچھا کریں گے، شام سے نکلتے ہی اس نے ٹوہ لگانی شروع کر دی، راستہ میں اس کو معلوم ہوا کہ مسلمان کوئی بڑی جماعت لے کر ہم پر حملہ کرنے والے ہیں، اس نے فوراً ضمضم غفاری نام کے ایک آدمی کو مزدوری دے کر مکہ میں یہ خبر پہنچانے کے لیے تیار کیا۔

ضمضم غفاری اونٹنی دوڑاتا، دوڑاتا عربی رواج کے مطابق مکہ میں ایسے داخل ہوا کہ اونٹنی کے ناک، کان کٹے ہوئے تھے، اپنے کپڑے پھاڑے ہوئے تھے اور کجاوہ الٹا کر کے اونٹنی کی پشت پر رکھا ہوا تھا، اس نے داخل ہوتے ہی زوردار آواز لگائی: ہائے! ہائے! برباد ہو گئے! قافلہ لُٹ گیا! مدینہ والوں نے حملہ کر دیا! اپنے قافلے کو بچانے کے لئے دوڑو! ہائے قافلہ! ہائے قافلہ! ہائے قافلہ!

اس کا اثر وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا، مکہ میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی؛ بل کہ شاعروں اور لیڈروں نے جو آگ پہلے ہی لگائی ہوئی تھی وہ اور بھڑک گئی۔ لگ بھگ بارہ تیرہ سو جنگی ماہر نوجوان ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تیار ہو گئے، ابولہب کے علاوہ کوئی بڑا سردار پیچھے نہیں رہا، جو خود نہ جا سکا، اس نے اپنی جگہ پیسے دے کر دوسرے شخص کو بھیجا، ابولہب نے اپنی جگہ عاص ابن ہشام کو اپنے قرضہ کے بدلے میں بھیجا، لشکر کے پاس سامان جنگ کی بھی کچھ کمی نہیں تھی، ایک سو گھوڑے تھے، اور اونٹوں کا تو حساب ہی نہیں تھا، یہ مکہ سے جوش میں، اکڑتے ہوئے، تکبر سے نعرے لگاتے ہوئے اور بینڈ باجے بجاتے ہوئے اس طرح نکلے جیسے آج مسلمانوں کا نام ہی مٹا دیں گے، قرآن کریم نے ان کے اس تکبر اور گھمنڈ کو اس طرح بیان فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ☆

ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے، اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے، اور اللہ لوگوں کے سارے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لیا ہوا ہے۔ (الانفال: ۴۷)

دوسری طرف حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کا یہ حال تھا کہ صرف حضرت زبیر ابن عوامؓ اور حضرت مقداد ابن اسودؓ کے پاس دو گھوڑے تھے، باقی ستر اونٹ تھے، ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہو رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد غنویؓ کے پاس ایک ہی اونٹ تھا، جس پر باری باری سفر فرمایا جارہا تھا، ساتھی عرض کرتے رہے: ''حضرت آپ ﷺ بیٹھے رہیے ہم آپ کی جگہ پیدل چل لیں گے'' آپ ﷺ فرماتے: نہیں، نہیں! نہ آپ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں، نہ مجھے آپ سے کم ثواب کی ضرورت ہے، (مسند احمد) سبحان اللہ! یہ ہیں دو جہاں کے بادشاہ، اور یہ ہے ان کی اخلاقی تعلیم!

صفراء نامی جگہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بسبس بن عمروؓ اور حضرت عدی ابن ابور غباءؓ ابوسفیان کے قافلے کی جاسوسی کے لئے بھیجے، وادی ذفران پہنچ کر پتا چلا کہ مکہ سے ایک بہت بڑی فوج مقابلہ کے لئے نکل پڑی ہے۔ (ابنِ ہشام: ۱۸۶/۲ تا ۱۹۶)

صحابہ کرام سے مشورہ

یہ ایک خطرناک مسئلہ تھا؛ کیوں کہ مدینہ سے نکلتے وقت اتنی بڑی فوج کے ساتھ جنگ کا نہ خیال تھا نہ ارادہ! اور نہ ہی تیاری تھی؛ لیکن اب پیچھے ہٹنا بھی ممکن نہیں تھا، اس لیے پیارے آقا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا، سارے حالات کے بارے میں آگاہ فرمایا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسفیان کے قافلے یا مکی لشکر میں سے ایک پر فتح کی خوشخبری دی ہے، اب تم اپنا مشورہ دو ہم کیا کریں! اس پر سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور زوردار تقریر فرمائی کہ آپ آگے بڑھیے ہم آپ کے ساتھ ہیں! پھر حضرت عمرؓ

اٹھے انہوں نے بھی اسی طرح زبردست تقریر اور تائید فرمائی، پھر حضرت مقداد ابن اسودؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کچھ ایسی تاریخی باتیں کہیں جو تاریخ کے کانوں میں ہمیشہ گونجتی رہیں گی، انہوں نے فرمایا: ''یارسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا: تو بھی اور تیرا خدا بھی جا کر جنگ کرو، ہم یہیں بیٹھے رہیں گے! نہیں! ہم کہتے ہیں آپ بھی چلیں اور آپ کا خدا بھی چلے (یعنی مدد خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو) ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے ہر طرف رہ کر جنگ کریں گے، خدا کی قسم! ہم آپ کے حکم پر سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے، ہم آپ کے حکم پر آپ کے ساتھ برک غماد نام کے چشمہ تک لڑتے بھڑتے پہنچ جائیں گے''۔ حضور اکرم ﷺ یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئے۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: لوگو! مجھے مشورہ دو! بات اصل یہ تھی کہ یہ تینوں صحابہ مہاجر تھے، جب کہ لشکر میں زیادہ تعداد انصار کی تھی اور جنگ کا زیادہ بوجھ ان ہی پر پڑنا تھا؛ اسی لئے ان کے جواب کا انتظار تھا، انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ اس بات کو تاڑ گئے، فورا کھڑے ہوگئے اور عرض کرنے لگے: ''یارسول اللہ (ﷺ)! شائد یہ مشورہ ہم سے لیا جارہا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بالکل آپ سے ہی مشورہ لیا جارہا ہے! حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا: ''ہم آپ پر ایمان لائے، اور آپ جو سچا دین لے کر آئے، ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ہم نے آپ کی فرماں برداری پر عہد کیا! اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا ہے، آپ اگر ہمیں لے کر اس سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے، تب بھی ہم میں سے کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا، ہم لڑائی میں مستعد رہنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے ضرور ایسی باتیں دکھائیں گے جن سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔ ایک روایت میں یہ بات بھی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: ''بیعتِ عقبہ ثانیہ'' کے مطابق شاید آپ یہ سمجھے ہیں کہ انصار کی ذمہ داری صرف مدینہ کے اندر مدد کرنے کی ہے، نہیں! نہیں! خدا کی قسم! آپ جس کے ساتھ چاہیں تعلق جوڑیں! اور جس کے ساتھ چاہیں تعلق توڑیں!

ہم آپ کے ساتھ ہیں! آپ ہمارے مال میں سے جو کچھ لیں گے، وہ ہمیں اس سے زیادہ اچھا لگے گا جو آپ چھوڑیں گے۔

حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ خوشی سے چمکنے دمکنے لگ گیا۔(ابن ہشام:۲/۱۹۴) اس مشورہ کے بعد اسلامی لشکر مدینہ منورہ سے ۱۵۰ کلومیٹر دور بدر نام کے میدان کی طرف چل پڑا؛ کیوں کہ یہی وہ میدان تھا جو شام سے مکہ جانے والے راستے پر مدینہ سے قریب تھا، یہیں پر قافلے کو روکنے کا خیال تھا، اور یہیں پر قریشی لشکر نے پہنچنا تھا، یہ جگہ مکہ مکرمہ سے تقریباً ۳۴۳ رکلومیٹر اور مدینہ منورہ سے ۱۵۰ رکلومیٹر دور پڑتی ہے، ادھر ابوسفیان کا قافلہ پڑاؤ کرتا کرتا بدر کے میدان میں پہنچ گیا، یہاں پہنچ کر اس نے قافلہ پیچھے چھوڑا اور خود چھان بین کرنے بدر کے کنویں پر آیا، یہاں مجدی بن عمرو نام کا ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، اس سے پوچھا کوئی اجنبی شخص تو یہاں نہیں آیا؟ اس نے کہا: ''اور کوئی نہیں، دو اونٹ سوار آئے تھے، انہوں نے یہاں سے پانی بھرا اور چل پڑے! ابوسفیان اونٹ کے بیٹھنے والی جگہ آیا، اونٹ کی ایک مینگنی توڑ کر دیکھی، اس میں کھجور کی گٹھلیاں تھیں، وہ دیکھتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے اور کہنے لگا: یہ تو مدینہ کی گٹھلیاں ہیں، اس کا مطلب ہمارا پیچھا کیا جارہا ہے، واپس بھاگا! اور قافلہ واپس موڑ کر سمندر کے کنارے خفیہ راستے پر لگا دیا۔

بات اصل یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے جاسوس حضرت بسبسؓ اور حضرت عدیؓ خبر لگاتے لگاتے یہاں آئے تھے، ادھر انہوں نے دو عورتوں کو جھگڑتے دیکھا، ایک دوسری سے اپنا قرضہ مانگ رہی تھی، دوسری نے کہا: تنگ نہ کرو! دو دن میں یہاں قریشی قافلہ شام سے پہنچنے والا ہے، اس کی مزدوری کر کے تیرا قرضہ دے دوں گی، اس طرح انہیں اس قافلے کی آمد کا پتہ تو چلا مگر ان کے اونٹ کی مینگنی سے ابوسفیان کو بھی اس کی خبر ہوگئی۔ یوں ابوسفیان کا قافلہ بچ گیا، اور اس نے اس کی خبر فوراً ابوجہل کو کر دی کہ ہم بچ گئے ہیں! اب آپ واپس مکہ چلے جائیں! ابوجہل اس وقت قافلہ لے کر جحفہ پہنچ چکا تھا، اس کو ساتھیوں نے بھی واپسی کا مشورہ دیا؛ بلکہ بنو زہراء کا سردار اخنس

ابن شریق اپنے تین سو آدمی لے کر واپس ہو گیا کہ ہم اپنا سامان بچانے آئے تھے، اور وہ بچ چکا ہے، اب جنگ کس لئے؟

لیکن ابوجہل طیش میں آ گیا اور کہنے لگا: نہیں! نہیں! ہم بدر کے میدان تک جائیں گے، جہاں اونٹ ذبح کریں گے، کنجریاں ناچیں گی، گائیں گی، اور ہم دنیا والوں کو اپنی بہادری دکھائیں گے، اس پر دوسرے سردار بھی تیار ہو گئے، اور ۱۵/رمضان المبارک تک بدر کے میدان میں پہنچ کر اچھی جگہ پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔

ادھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ۱۶/رمضان المبارک ۲ھ کو بدر کے میدان کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

شیطان کی تھپکی

راستہ میں ایک جگہ قریشی فوجوں کو مکہ مدینہ کے راستے میں رہنے والے کچھ قبائل - بنوبکر، بنومدلج وغیرہ - کا خطرہ لگا، کہ کہیں وہ پیچھے سے حملہ نہ کر دیں؛ کیوں کہ ان سے لڑائی چل رہی تھی وہ اسی سوچ میں تھے کہ اچانک ابلیس لعین یہاں کے سردار سراقہ ابن جعشم مدلجی کی شکل میں ابوجہل کے پاس آیا اور تھپکی دے کر کہنے لگا: ''یار! وہ ہمارے گھر کا مسئلہ ہے، آج تو ساری قوم اور برادری کا معاملہ ہے، میں اور میری قوم آپ کے ساتھ ہیں! ابوجہل خوشی سے پھول گیا، جس وقت دونوں لشکر آمنے سامنے آئے، اور شیطان نے فرشتے آتے دیکھے، نضر ابن حارث اور ابوجہل سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا اور کہنے لگا: ''مجھے جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ تم کو نظر نہیں آ رہا ہے!''
اسی بات کی طرف سورہ انفال میں اشارہ ہے:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّا سِ وَاِنِّيْ جَا رٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَ تِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ☆

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب شیطان نے ان (کافروں) کو یہ سجھایا کہ ان کے اعمال بڑے خوشنما ہیں، اور یہ کہا تھا کہ: ''آج انسانوں میں کوئی نہیں ہے جو تم پر غالب آسکے، اور میں تمہارا محافظ ہوں''۔ پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹا، اور کہنے لگا: ''میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، مجھے جو کچھ نظر آرہا ہے، وہ تمہیں نظر نہیں آرہا ہے، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (الانفال:۴۸)

خدائی تبصرہ اور واقعے کے کچھ راز

یہ سارا واقعہ رازوں کا ایک سمندر ہے، سب کچھ بیان کرنے کی گنجائش نہیں، لیکن یہاں رک کر چند باتیں سمجھنا بہت ضروری ہے۔ قرآن کریم میں ان رازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوری سورت انفال نازل فرمائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے کہ لڑائی قافلہ سے نہیں ہوگی، بلکہ ابوجہل کی بڑی فوج سے ہوگی، جو ہتھیاروں میں ڈوبی ہوئی ہے، لیکن یہ بات پہلے نہیں بتائی جاتی ہے، اس لئے صحابہ کرامؓ ابوسفیان کے قافلہ کے ساتھ لڑائی کے لئے بالکل خالی ہاتھ نکل پڑتے ہیں، نہ تعداد بڑھانے کی سوچتے ہیں، نہ ہتھیاروں پر ہی غور کرتے ہیں، اسی لئے جب اچانک ہی ابوجہل کے لشکر سے لڑائی کرنے کی بات آتی ہے، تو ان میں سے کچھ لوگوں کو یہ ایک بجلی سی گرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور ایسا لگ رہا ہے جیسے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے، اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض بھی کرتے ہیں کہ حضرت! اس کے لئے کچھ تیاری بھی ہونی ضروری ہے! قرآن کریم اس کی اس طرح منظر کشی کرتا ہے:

كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ☆يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ☆

ترجمہ: یہ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے تمہارے رب نے تمہیں اپنے گھر سے حق کی خاطر نکالا،

جبکہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو یہ بات ناپسند تھی؛ وہ تم سے حق کے معاملے میں اس کے واضح ہوجانے کے باوجود اس طرح بحث کررہے تھے جیسے ان کو موت کی طرف ہنکا کرلے جایا جارہا ہو، اور وہ (اسے) آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں (الانفال:۵،۶)

اس پر دلوں میں ایک بات آتی ہے کہ آخر یہ مسئلہ ہے کیا؟ کہ ایک طرف مشرکین مکہ کو اچھی طرح مکمل تیاری کرنے کا موقع دیا گیا، ان کی تعداد بھی ایک ہزار سے زائد! دوسری طرف ایمان والوں کی تعداد بس تین سو تیرہ رکھی جاتی ہے، حالانکہ اگر ان کو پہلے سے معلوم ہوتا تو وہ بھی اپنی تعداد بڑھا سکتے تھے، ساتھ ہی ہتھیاروں پر بھی غور کرسکتے تھے؟ خدایا یہ راز کیا ہے؟؟

ادھر رحمتِ عالمﷺ کو خواب کے ذریعہ بتایا گیا کہ آپ کو ابوسفیان کے قافلہ، یا ابوجہل کے لشکر پر، دونوں میں سے ایک پر ضرور فتح نصیب ہوگی، اس پر انسانی فطرت کی کمزوری سامنے آتی ہے کہ ہر شخص کے دل میں یہی آرزو اور تمنا ہے کہ افسوس کبھی ابوسفیان کا قافلہ ہی مل جاتا تو بے کانٹے کی مچھلی کی طرح نگل جاتے، ابوجہل کی اس زبردست فوج سے کون مقابلہ کرے گا؟ سبحان اللہ! اس کے جواب میں فرمایا: کہ بیشک تم یہی آرزو کرتے ہو، لیکن اس سے نتیجہ کیا نکلے گا؟ زیادہ سے زیادہ لوگ یہی تو کہیں گے کہ مکہ والے جنگ کی تیاری کررہے تھے، لیکن مسلمانوں کو موقع پر پتہ چل گیا، تو انہوں نے سامانِ جنگ ہی چھین لیا، لیکن جب ایک طرف پوری تیاری، تعداد بھی کئی گنا زیادہ، دوسری طرف بغیر تیاری کے خالی ہاتھ کھڑے کچھ معصوم چہرے! لیکن آخرکار یہی معصوم غالب آتے ہیں، باطل کو اپنی طاقت کچھ بھی کام نہیں آتی، اس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ عرب میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں باطل کی کمر ٹوٹ جاتی ہے، اس کی جڑیں کٹ جاتی ہیں، اور باطل پرست یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ یہ حق پر ہیں، تبھی تو غالب آئے ہیں، اور ہم باطل پر ہیں تب ہی سب کچھ ہونے کے باوجود ہماری قسمت میں شکست آتی ہے۔

پڑھیے قرآنِ کریم کیا کہہ رہا ہے:

وَاِذْيَعِدُ كُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ

تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُاللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَالْكٰفِرِيْنَ ☆ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ☆

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے، اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔ تا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے، چاہے مجرم لوگوں کو یہ بات کتنی نا گوار ہو۔

(الانفال:۷-۸)

اس بات کو کچھ آگے اور واضح کر کے بیان کیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ تم دونوں فریق بدر کے میدان میں جمع ہو گئے، ورنہ اگر پہلے صلاح مشورہ کر کے ایک میدان اور ایک دن جنگ کے لئے متعین کر لیتے تو ضرور وقت سے آگے پیچھے ہو جاتے اور مقابلہ نہ ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ یہ مقابلہ چاہتا تھا تبھی ہر ایک فریق کو کھینچ کر ایک وقت میں لے آیا، بلکہ جنگ سے پہلے ہر ایک کو دوسرے کی تعداد کم دکھائی تا کہ دونوں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں، اور مشرک ڈر کر بھاگ نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے یہ سب کچھ کر رہا تھا، تا کہ کسی نہ کسی طرح یہ جنگ ہو ہی جائے؛ کیوں کہ ابوجہل جیسے بہت سے شیطان کے پجاری ابھی بھی سادہ لوح عوام کو شک میں ڈال رہے تھے، کہ ہمارا شرک والا مذہب ہی سچا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد اسی کے ساتھ ہے۔ تبھی تو مسلمان مکہ مکرمہ کو جس میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے چھوڑ کر بھاگے ہیں، اور ہم کو یہاں حرم کا متولی بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فتح نصیب فرما کر اس راز سے پردہ ہٹانا تھا، تا کہ اب قیامت تک جو شرک کی موت مرے وہ سمجھ لے کہ میں باطل پر مرنے والا ہوں! اور جو ایمان کی زندگی جئے وہ اس یقین کے ساتھ زندہ رہے کہ میں ہی سچے دین پر قائم ہوں۔

پڑھیے اللہ تعالیٰ کے کلام کو اور غور کیجیے!

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ☆اِذْيُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلاً وَلَوْ اَرٰكَهُمْ كَثِيْرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ☆

ترجمہ:اور اگر تم پہلے سے (لڑائی کا) وقت آپس میں طے کرتے تو وقت طے کرنے میں تمہارے درمیان ضرور اختلاف ہوجاتا،لیکن یہ واقعہ(کہ پہلے سے طے کئے بغیر لشکر ٹکرائے) اس لیے ہوا کہ جو کام ہوکر رہنا تھا،اللہ اسے پورا کر دکھائے ،تا کہ جسے برباد ہونا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر برباد ہو،اور جسے زندہ رہنا ہو وہ واضح دلیل دیکھ کر زندہ رہے،اور اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور ہر بات جاننے والا ہے ؛اور اے (پیغمبر!)وہ وقت یاد کرو جب اللہ خواب میں تمہیں ان (دشمنوں) کی تعداد کم دکھا رہا تھا ، اور اگر تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو (اے مسلمانو!)تم ہمت ہار جاتے ، اور تمہارے درمیان اس معاملہ میں اختلاف پیدا ہوجاتا،لیکن اللہ نے تمہیں (اس سے بچالیا)یقیناً وہ سینوں میں چھپی باتیں خوب جانتا ہے (الانفال:۴۲،۴۳)

جنگ کا میدان اور حق و باطل کا فیصلہ

مشرکینِ مکہ بدر کے میدان کے قریب پہنچ گئے تھے ،لیکن ان میں سمجھ بوجھ رکھنے والے حضرات اس خواہ مخوا کی بے مقصد جنگ سے خوش نہیں تھے ،مگر خاندان کے گٹھ جوڑ سے علاحدہ ہونے کی ہمت بھی نہیں رکھتے تھے ۔ ہائے رے خاندان ! ہائے رے قوم ! ہائے رے برادری! حکیم ابن حزام (جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے)وہ بھی اس جنگ سے بالکل خوش نہیں تھے ، انہوں نے عتبہ سے کہا: ہم کس کے ساتھ جنگ کررہے ہیں؟ اگر ہم جیت بھی گئے تب بھی اپنے ہی بھائیوں کا گلا کاٹیں گے؟ انہی کا خون کریں گے؟ کیا یہ اچھی بات ہے؟ انہوں نے عتبہ سے کہا:اگر آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کے لئے ہمیشہ نیک نامی کمانے کا دن ہوسکتا ہے،اس نے کہا وہ کیسے؟ حکیم نے کہا:''قریش کا جتنا بھی غصہ ہے وہ صرف عمرو ابن عبداللہ حضرمی کے قتل پر

ہے، آپ چاہیں تو عمرو ابن عبداللہ حضرمی کی دیت دے کر اس لڑائی کو ختم کر سکتے ہیں''۔ عتبہ نے کہا: ''میں تو مان گیا، لیکن مسئلہ حنظلیہ کے بیٹے ابوجہل کا ہے، آپ اس کو منانے کی کوشش کریں، حکیم ابن حزام ابوجہل کے پاس گیا، اس کو عتبہ کا پیغام دیا، ابوجہل سنتے ہی بڑبڑانے لگا، اور کہنے لگا: ''عتبہ کے بیٹے ابوحدیفہؓ مسلمانوں کے لشکر میں ہیں، یہ اسی کو بچانے کی سوچ رہا ہے، بزدلی کے کچھ طعنے بھی دیے، اس پر عتبہ طیش میں آ گیا، اس کو بہت غصہ آیا، اس نے کہا: ''یہ جنگ میں پتہ چلے گا مردانگی کس کو کہتے ہیں''۔ (ابنِ ہشام: ۲/۲۰۱)

اس پر ابوجہل نے گزشتہ سال حضرت عبداللہ ابن جحشؓ کے ہاتھوں نخلہ میں قتل ہونے والے عمرو ابن عبداللہ حضرمی کے بھائی عامر کو بھڑکا دیا کہ دیکھو! عتبہ تیرے بھائی کا بدلہ نہیں لینے دے رہا ہے، اس پر عامر اپنے کپڑے پھاڑ کر بالکل ننگا ہو کر چلانے لگا ''وَاعَمْرَاهُ، وَاعَمْرَاهُ'' ہائے رے عمرو، ہائے رے عمرو، پھر کیا تھا! ساری فوج میں جوش آ گیا، اور سبھی ہتھیار باندھ کر میدان میں آ گئے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میدان کے اس کنارے پر ایک جگہ خیمہ لگانے کا ارادہ فرما رہے تھے، کہ حضرت خباب ابن منذرؓ جو اس علاقہ کے ماہر تھے ان کے مشورہ پر کچھ آگے یعنی قریشی لشکر کے نزدیک ہی خیمہ زن ہو گئے! پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خود لشکر کا جائزہ فرمایا، ادھر صحابہ کرام نے ان کے پانی بھرنے والے دو غلام پکڑ لیے، جن سے لشکر کی پوری پوری جانکاری ہو گئی۔ پھر صحابہ کرام نے حضرت سعد بن معاذؓ کے مشورہ پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک اونچی جگہ پر ایک خیمہ بنایا تا کہ وہاں سے حالات پر نظر رکھ سکیں، یہ خیمہ اسی جگہ پر تھا جہاں آج مسجدِ عریش ہے یہ ۱۶/اور ۱۷/ رمضان المبارک کے درمیان کی رات کی بات ہے۔ اسی رات اللہ تعالیٰ کے کرم سے بارش برسی جو صحابہ کرام کے لئے رحمت اور مشرکین کے لئے مصیبت بن گئی۔ کافروں والا علاقہ چکنی مٹی کا تھا، جس سے اس میں دلدل اور پھسلن ہو گئی، جبکہ صحابہ کرام والا علاقہ ریتیلا تھا، بارش سے ریت اچھی طرح جم گئی، ساتھ ہی صحابہ کرام نے نہانے،

دھونے اور وضو وغیرہ کے لئے پانی جمع کر کے چھوٹے چھوٹے حوض بنالئے جس کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ کسی کسی کے دل میں شیطان یہ وسوسہ ڈال رہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہوتی تو مشرکین کے پاس میدان کی اچھی جگہ نہ ہوتی اس سے یہ وسوسہ بھی دور ہوگیا، موسم ٹھنڈا ہوگیا، اور صحابہ کرام کو یہاں اچھی طرح نیند آئی، جس سے راستہ کی تھکاوٹ بھی دور ہوگئی، قرآن کریم نے اس نعمت کو اس طرح بیان کیا ہے:

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ☆

ترجمہ: یاد کرو جب تم سے گھبراہٹ دور کرنے کے لئے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کررہا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تا کہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دور کرے، تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے، اور اس کے ذریعے (تمہارے) پاؤں اچھی طرح جمائے۔ (الانفال:۱۱)

اس رات سارے لوگ آرام سے سوگئے، بس ایک رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس عریش (جھونپڑے) میں کھڑے اتنی عاجزی اور گریہ زاری سے دعا فرمارہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اس تڑپ اور عاجزی پر ترس آرہا تھا، یہ امت کے لئے تعلیم تھی کہ اپنی وسعت کے مطابق محنت کر کے پھر نتیجہ کے لئے اپنے رب کے در پر دامن پھیلا کے بیٹھ جاؤ!

جنگ کی ابتدا اور لاشوں کا ڈھیر

رحمتِ عالم ﷺ نے خود ایمان والوں کی صفیں ٹھیک فرمائیں، ایک ایک شخص کو لائین میں سیدھا کھڑا کیا، ادھر ابوجہل نے بھی اپنی صفیں ٹھیک کیں، دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوگئیں، اسی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ ☆

ترجمہ:تمہارے لئے ان دو گروہوں (کے واقعے) میں بڑی نشانی ہے جو ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے، ان میں سے ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑ رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ تھا۔ (آلِ عمران:۱۳)

مشرکین کے لشکر میں سے سب سے پہلے عتبہ میدان میں آیا کیوں کہ اس کو ابوجہل نے نامردگی کا طعنہ دیا تھا، اس کے ساتھ اس کا بھائی اور بیٹا بھی نکلا، یہ تینوں لوگ دونوں لشکروں کے درمیان میں آکر للکارنے لگے، ادھر سے تین انصاری صحابی نکلے، لیکن انہوں نے کہا: نہیں، نہیں! ہمارے مقابلے کے! یعنی مہاجرین کو مقابلہ کے لئے بھیجو۔ اس پر رحمتِ عالم ﷺ نے حضرت حمزہ ؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ ابن حارث کو میدان میں آنے کا حکم فرمایا، حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے تو اپنے اپنے مدِّ مقابل کا کام پہلی بار میں ہی تمام کر دیا، لیکن حضرت عبیدہؓ کی ٹانگ پنڈلی میں سے کٹ گئی، پھر حضرت علیؓ نے ان کے مقابل کا بھی کام کر دیا، اور ساتھ ہی ان کو اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ سے مٹی صاف کر کے ان کا سر اپنی مبارک گود میں رکھ لیا۔ حضرت عبیدہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پرانی بات یاد کروائی کہ کسی موقع پر آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی شان میں ایک لمبا قصیدہ لکھا تھا جس میں یہ شعر بھی تھا:

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ   وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

یعنی ہم آپ کو قریشیوں کے حوالے نہیں کریں گے، چاہے آپ کے اردگرد ہماری لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں، اور ہم آپ کی حفاظت میں اپنے بچے اور بیویوں کو بھی بھول جائیں گے۔

حضرت عبیدہؓ نے عرض کیا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو مان لیتے کہ اس شعر کا مستحق میں ہوں! وہ نہیں! یعنی وہ تو کہہ کر چلے گئے، میں نے کر کے دکھا دیا۔ (ابنِ ہشام:۲/۲۰۳)

اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی، لیکن ایمان کا عجیب امتحان تھا، صحابہ کرام میں سے کوئی اپنے بھائی کے مقابلے میں تھا تو کوئی اپنے باپ کے سامنے، اور کوئی اپنے سگے ماموں کی

گردن اڑا رہا تھا، یعنی دین کے مقابلے میں رشتہ داری کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

ادھر رحمتِ عالم ﷺ اس خیمہ میں اتنی عاجزی اور گریہ زاری سے دعا فرما رہے تھے کہ کبھی قیام میں تو کبھی رکوع میں اور کبھی سجدہ میں دعا فرما رہے تھے، اور کبھی باہر آ کر جنگ کا جائزہ لیتے تھے، دعا میں ایسے ڈوب جاتے کہ کندھے مبارک سے چادر گر جاتی، ابوبکر صدیقؓ اس کو پھر کندھوں پر رکھتے، آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ترس آ گیا، تو عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اب بس کیجیے! آپ نے بہت عاجزی کر دی، رب ضرور حق کو غالب فرمائے گا۔ اس کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس خیمہ سے خوشی خوشی باہر تشریف لائے، اس وقت زرہ پہنی ہوئی تھی اور زبانِ مبارک پر سورہ قمر کی یہ آیت تھی:

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ☆

ترجمہ: عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی، اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ (القمر: ۴۵) (بخاری: ۲/۲/۸۷)

آسمان سے فرشتے اتر آئے

پھر کیا تھا عرش ہل گیا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان سے فرشتے اتر آئے، پہلے ایک ہزار، پھر تین ہزار اور پھر وعدہ کیا گیا کہ اگر کافروں کی کہیں اور سے مدد آئے گی تو پانچ ہزار فرشتے اتر آئیں گے، فرشتوں کو حکمِ خداوندی ملا:

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ بَنَانٍ ☆

ترجمہ: (یاد کرو) وہ وقت جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعہ حکم دے رہا تھا کہ: "میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مؤمنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کر دوں گا، پھر تم گردنوں کے اوپر وار کرو، اور ان کی انگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ"۔ (سورۂ انفال: ۱۲)

رحمتِ عالمﷺ نے ایک ریت کی مٹھی اٹھائی، اور ''شَاهَتِ الْوُجُوْهُ '' پڑھتے ہوئے وہ مٹھی کافروں کے منہ پر پھینک دی، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی ایک بھی نہیں بچا کہ اس کی آنکھ، منہ اور ناک میں وہ نہ پہنچی ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کی منظر کشی یوں فرمائی:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِىَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ☆

ترجمہ: چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں) کو قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی، تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی، اور (تمہارے ہاتھوں یہ کام اس لیے کرایا تھا) تاکہ اس کے ذریعہ مومنوں کو بہترین اجر عطا کرے بیشک اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر بات کو جاننے والا ہے۔ (الانفال: ۱۷)

اس کے بعد لڑائی ایسی بھڑکی جیسے تنور میں آگ بھڑکتی ہے، رحمتِ عالمﷺ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اس کی رضاء حاصل کرنے کے لیے جان کی قربانی کی ایسی فضیلت بیان فرمائی کہ صحابہ کرام پھر جنت کی طرف دوڑ پڑے، کسی نے اپنے جسم سے لوہے کی زرہ بھی اتار پھینکی، اور کسی کے ہاتھ میں کھجور تھی تو وہ بھی پھینک دی کہ جنت تک پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے۔ اس بے جگری، و بے خوف وخطر لڑائی سے چند ہی لمحوں میں نتیجہ سامنے آ گیا، بس ۱۴/ایمان والوں نے اپنے مالک کی رضامندی کے لئے جان کا تحفہ پیش کیا، تو ستر کافروں کی نعشوں کے ڈھیر لگ گئے، دو چار کو چھوڑ کر سب بڑے بڑے سردار اپنی اپنی گردنیں کٹوا کر جہنم رسید ہو گئے، اس امت کا فرعون ابوجہل بھی اپنی جہالت کے ساتھ دو چھوٹی عمر کے صحابی حضرت معاذ ومعوذ رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔

اس حالت کو دیکھ کر مکی فوج کا دل ٹوٹ گیا، پھر یا تو اپنا سب کچھ چھوڑ کر جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے، یا ہتھیار ڈال کر گرفتار ہونے کے لئے ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔

صحابہ کرام نے بھی باندھنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا تو لگ بھگ ستر کافر پکڑ کر رسیوں میں

جکڑے گئے، اور غنیمت کا سامان جمع کرنا شروع کرلیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوجہل کی تلاش کرو! اس کی اکڑ کا کیا نتیجہ نکلا، اس کا کیا بنا؟ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کے قریب پہنچ گئے، اس وقت اس کی جان بس نکل ہی رہی تھی، لیکن ابھی وہ باتیں کررہا تھا، پوچھنے لگا جنگ کا کیا بنا؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تجھے اور تیری جماعت کو خدا تعالیٰ نے ذلیل ورسوا کر دیا''، کہنے لگا: ''اس میں فخر کی کون سی بات ہے، کیوں! جس شخص کو تم نے قتل کیا، کیا اس سے بھی اونچی شان والا کوئی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کی گردن کاٹنے کے لئے اس کے کندھے پر چڑھے، تو کہنے لگا: ''او گڈریے! تو بڑی اونچی جگہ پر چڑھا ہے''، پھر بولا: ''ہائے افسوس! کبھی مجھے کاشت کاروں کے علاوہ اور کوئی بڑا شخص قتل کرتا! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر ڈال دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا: اللہ بہت بڑا ہے، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور اکیلے سب لشکروں کو شکست دیدی۔ (ابنِ ہشام: ۲/۲۱۱)

نعشوں کی سنبھال

حق و باطل کا سامنے سامنے فیصلہ ہوگیا، باطل کا سب دبدبہ ہوا ہوگیا، اور حق غالب آگیا، جو لوگ ابھی تک بہلانے، پھسلانے اور گمراہ کرنے میں لگے ہوئے تھے، نیز مکہ سے نکلتے ہوئے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر جنہوں نے دعا مانگی تھی کہ خدایا! آج حق کو غالب کردے، جھوٹے اور سچے کا فیصلہ فرمادے، انہیں سنایا جارہا تھا:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ، وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ☆

ترجمہ: (اے کافرو!) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو، لو! اب فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔ اب اگر تم

باز آجاؤ تو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہوگا اور اگر تم پھر وہی کام کروگے (جواب تک کرتے رہے ہو) تو پھر ہم بھی وہی کام کریں گے (جواب کیا ہے) اور تمہارا جتھا تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا، چاہے وہ کتنا زیادہ ہو، اور یاد رکھو کہ اللہ مؤمنوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال:۱۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے بعد تین دن تک بدر میں ہی قیام فرما رہے، جو ۱۴ر مسلمان شہید ہو گئے تھے، انہیں عزت واحترام کے ساتھ یہیں بدر کے میدان میں دفن کیا گیا، اور اسی کے ساتھ ساتھ مشرکین کی لاشیں بھی جمع کی گئیں، پھر وہ سب ایک پرانے کنویں میں ڈال کر دفن کی گئیں۔ صرف ایک امیہ ابن خلف کی لاش جس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے، اس کو وہیں پر گھڑا کھود کر دفن کر دیا گیا، لوگ جنگ کے بعد ظالم دشمنوں کے ساتھ ہونے والا یہ عجیب وغریب سلوک دیکھ رہے تھے۔ ورنہ دشمن کی لاشوں کو جنگلی درندوں اور کتوں کے آگے ڈال دینا، لاشوں پر گھوڑے دوڑانا، ناک، کان اور جسم کے دیگر حصے کاٹ کاٹ کر دل کی آگ بجھانا، بھڑاس نکالنا، لوگ بس یہی سلوک جانتے تھے، اور آج ہمارے دور میں بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے، لیکن بدر کے میدان میں آج کچھ اور ہی منظر نظر آ رہا تھا، جانی دشمنوں کی لاشوں کو بھی سنبھالہ جا رہا تھا، ان کو دفن کیا جا رہا تھا۔

بدر کے قیدیوں کے ساتھ مقدس و پاکیزہ اخلاق کا برتاؤ

جنگ دنیا میں پہلے بھی ہوتی تھی، اور قیامت تک ہوتی رہیں گی، یہ جنگ! لڑائی اور جھگڑے میں بھی کچھ عمدہ اور اونچے اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے تھی، آج تک لوگوں کو یہی کہتے ہوئے سنا تھا کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے، اور آج بھی یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا قتل کرنا، ساری بستی کو انسانوں بلکہ حیوانوں کے سمیت آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دینا، سارے شہر کو ایٹم بم مار کر اس کا نام ونشان مٹا دینا، یہ آج کے پڑھے لکھے، ترقی یافتہ، اپنے آپ کو اچھے اور اونچے اخلاق کے مالک، مہذب کہنے والوں کا صبح وشام کا، کام ہے۔ تفصیل کی ضرورت

نہیں، غور کیجیے! اس کے برخلاف دینِ اسلام میں کیا تعلیم دی جا رہی تھی! حکم ہوا:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَاتَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ☆

ترجمہ: اور ان لوگوں سے اللہ کے راستے میں جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (سورہ بقرہ: ۱۹۰)

اسی حکم کے مطابق رحمتِ عالم ﷺ نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو تو پہلے ہی پناہ دی ہوئی تھی، بدر میں یہ بھی اعلان ہو گیا کہ ابوجہل کی پارٹی کے سارے لوگ خود نہیں آئے، بلکہ کچھ مجبور کر کے لائے گئے ہیں، اگر ان میں سے کوئی سامنے آجائے تو اسے گرفتار کیا جائے، قتل نہ کیا جائے، ان کے الگ الگ نام بھی بتا دیے گئے، جن میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ابوالبختری بھی تھے۔

(ابن ہشام: ۲/۲۰۶)

ابوالبختری اس کے ایک ساتھی کے ساتھ حضرت مجذر انصاریؓ کے قبضہ میں آ گیا، حضرت مجذرؓ نے ابوالبختری کو پہچان لیا، تو کہا کہ تیرے بارے میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل نہ کرنے کا حکم ہے، ورنہ میں تیرے بھی ٹکڑے کر دیتا، اس نے جواب دیا: ''یہ تو اچھی بات ہے، لیکن میرے اس ساتھی کا کیا بنے گا؟ حضرت مجذرؓ نے فرمایا: ''اس کو قتل نہ کرنے کا حکم نہیں ہے، اس پر ابوالبختری نے کہا پھر میں عورتوں کا یہ طعنہ نہیں سہہ سکتا کہ اس نے اپنے ساتھی کو مروا کر اپنی جان بچائی، اور یہ کہتے ہی حضرت مجذرؓ پر حملہ کر دیا، جو جوابی حملے میں مارا گیا، حضرت عباسؓ وغیرہ دوسرے لوگ قتل نہیں کیے گئے بلکہ قید کر لیے گئے۔ (ابنِ ہشام: ۲/۲۰۷)

قیدیوں میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سگے بھائی حضرت عقیلؓ اور رحمتِ عالم ﷺ کے داماد حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بھی تھے، مشہور صحابی حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز بھی تھے، سب کے ساتھ عدل وانصاف کا ایک ہی برتاؤ کیا جا رہا تھا، جو کچھ بھی کھانے پینے کا سامان تھا اس میں ان کو بھی برابر شریک کیا جا رہا تھا،

اور جن کے کپڑے جنگ میں پھٹ گئے تھے، ان کو کپڑے دیے جا رہے تھے، قیدیوں میں ایک سہیل ابن عمرو بھی تھا، یہ اسلام کے خلاف بڑی نفرت انگیز تقریریں کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اس کے سامنے کے دو دانت توڑ دیے جائیں، تا کہ آئندہ تقریر نہ کر سکے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے سختی سے منع فرما دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پھر وہ وقت بھی آیا کہ سہیل ابن عمرو کو بھی ایمان کا نور نصیب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

اسلامی لشکر مدینے کے راستے میں

اس زبردست فتح اور کامیابی کے بعد جس میں مشرکین مکہ کے ۷۰ بڑے لوگ قتل ہو گئے، اور دوسرے ستر لوگ گرفتار کئے گئے اور باقیوں نے مکہ کی طرف بھاگ کر جان بچائی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن اس میدان میں قیام فرمایا، تیسرے دن واپسی کا اعلان ہوا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر پہلے اس کنویں کی طرف گئے، جس میں کافروں کی لاشیں دفن کی گئی تھیں، یہاں کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کافر سردار کا نام لے لے کر کہ او ابوجہل! او عتبہ! او شیبہ! وغیرہ وغیرہ فرمایا: ''تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگی کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے! سنو! ہمارے رب نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا، ہم نے وہ پورا ہوتے دیکھ لیا، بتاؤ! تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ پورا ہوتے دیکھ لیا ہے؟؟ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: '' او کنویں والو! تم اپنے نبی کے حق میں بہت برے لوگ ہو! لوگوں نے مجھے سچا مانا، لیکن تم نے جھوٹا کہا، اور لوگوں نے مجھے پناہ دی، لیکن تم نے مجھے وطن چھوڑنے پر مجبور کیا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ لوگ یہ باتیں سن رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا: وہ میری باتوں کو تم سے بھی زیادہ سن رہے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

(بخاری: ۲/۲ ۸۷)

پھر مدینہ کے راستے پر روانہ ہو گئے، اور دو شخص حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ اور حضرت زید ابن

حارثہؓ کو مدینہ میں خوشخبری دینے کے لئے آگے آگے روانہ فرمادیا، مدینہ میں یہودی اور دوسرے مشرک خوشی منا رہے تھے کہ ایک بھی بچ کر واپس نہیں آئے گا، بلکہ کبھی کبھی وہ یہ جھوٹی خبر بھی لوگوں میں پھیلاتے تھے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوگئے ہیں، لیکن جس وقت ان دوصحابہ کرام نے جنگ کے حالات سنائے اور فتحِ عظیم کی خوشخبری دی، ان پر بجلی گر پڑی، ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور بالکل خاموش ہوکر بیٹھ گئے۔

حضور اکرم ﷺ مدینہ پہنچے، یہاں پیچھے رہنے والے انصار اور مہاجر انتظار میں تھے، انہوں نے خوشی میں زبردست طریقے سے استقبال کیا!

قیدی ایمان والوں کے گھروں میں

دشمن قیدیوں کو کال کوٹھڑیوں میں بند رکھنا، رسیوں میں باندھ کر لٹکانا، نیز ہتھ کڑیوں اور بیڑیوں سے جکڑنا، ٹارچر کرنا، یہ کوئی تازہ جہالت نہیں! یا صرف آج کی مہذب دنیا کی ہی کہانی نہیں! یہ تو صدیوں سے چلی آرہی ظلم کی ایک بدترین رسم ہے، لیکن آج بدر کے قیدیوں کے ساتھ کچھ اور ہی سلوک ہوتا دیکھا جارہا تھا، دو، دو، چار، چار کر کے قیدی مسلمان گھروں میں رکھے گئے اور حکم ہوا کہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ اور اچھے سے اچھا سلوک ہونا چاہئے۔ (طبرانی)

پھر کیا تھا!! سب سے پہلے ان کے لئے کپڑوں کا انتظام کیا گیا، حضرت عباسؓ اونچے لمبے قد والے تھے، ان کو کسی کا کرتا فٹ نہیں آرہا تھا، آخر عبداللہ ابن ابی منافق سے لے کر ان کو کُرتا دیا گیا۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس کی موت پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن کے لئے جو اپنا کُرتا پیش فرمایا تھا وہ اسی کرتے کا بدلہ تھا۔ اس کے علاوہ قیدیوں کے ساتھ کیسا سلوک اور نیک برتاؤ ہورہا تھا، اس کے لئے بس ایک ہی قصہ پڑھ لیجیے:

حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیزؓ خود بیان فرماتے ہیں: جس گھر میں، میں تھا اس

میں صبح وشام جو روٹی بنتی تھی وہ ساری کی ساری میرے سامنے رکھ دیتے تھے، اور خود کھجوروں پر گزارا کر لیتے تھے، مجھے بہت شرم آتی تھی، اور میں انہیں روٹی واپس کر دیتا تھا، لیکن وہ پھر مجھے ہی دیتے اور عذر کرتے کہ ہمیں قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ قیدیوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو بعد میں مسلمان ہی ہو گئے تھے۔

قیدیوں کے بارے میں مشورہ

حضرت رحمتِ عالم ﷺ کو کسی صلاح ومشورہ کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشورہ کیا کیجیے! آپ ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں بھی مشورہ فرمایا، حضرت عمرؓ نے بہت سخت مشورہ دیا کہ یہ اسلام کی پہلی جنگ ہے اور یہ لوگ بہت بڑے مجرم ہیں، اس لئے ان کو اپنے رشتہ داروں کے حوالے کیا جائے، تا کہ وہ ان کی گردنیں اڑا سکیں، اور میرے حوالے میرا بھائی کیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ یہ لوگ پہلی بار پھنس گئے ہیں ان سے کچھ جرمانہ وغیرہ لے کر چھوڑ دیا جائے تا کہ اللہ کرے ان کو ہدایت ہی نصیب ہو جائے، بس اسی پر فیصلہ ہو گیا، جو بڑے مالدار تھے ان سے چار ہزار درہم اور جو درمیانہ تھے ان سے دو ہزار درہم اور جن کا کاروبار بہت کمزور تھا ان سے ایک ہزار درہم لینا طے ہوا۔

اور جو بالکل ہی کمزور تھے، ان میں سے جن کو لکھنا آتا تھا ان کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ وہ دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں! حضرت زیدؓ ابن ثابتؓ نے اسی موقع پر لکھنا سیکھا تھا، اور جن کو لکھنا بھی نہیں آتا تھا ان کو ایسے ہی احسان کر کے چھوڑ دیا گیا، جیسے کہ مطلب بن حنظب، صفی بن ابی رفاعہ اور ابوعزہ جمحی وغیرہ۔ (ابوداوٗد: ۲۶۹۱، مجمع الزوائد: ۹۳/۶)

حضرت عباسؓ جو بعد میں ایمان لائے تھے، رسول اکرم ﷺ کو ان سے ایسی محبت تھی کہ رات ان کے کراہنے کی آواز آنے پر آپ ﷺ نے وجہ معلوم فرمائی، تو پتہ چلا کہ رسیوں میں سختی سے

باندھے ہوئے ہیں، حضور اکرم ﷺ کو ان کے درد پر بہت دکھ ہوا اور صحابہؓ سے کہہ کر ان کی رسی ڈھیلی کروائی گئی۔ (ابنِ کثیر)

لیکن جس وقت فدیہ لینے کی باری آئی، تو ان پر بڑے مالداروں والا فدیہ مقرر ہوا، چوں کہ برابری اور عدل وانصاف کا یہی تقاضا تھا انہوں نے اس کی شکایت بھی کی، لیکن اسلامی مساوات جس میں قریب اور دور، اپنے اور پرائے، پہچان والے اور انجانے سب برابر ہو گئے تھے، شکایت نے کچھ کام نہیں دیا بلکہ انصاری صحابہؓ میں سے قبیلہ نجار کے لوگوں نے سفارش بھی کی کہ یہ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کو ایسے ہی چھوڑنا چاہتے ہیں! یہ بات بھی نہیں چلی۔

رحمتِ عالم ﷺ کے داماد ابوالعاص کی رہائی اور ایمان

ابوالعاص بہت بڑے تاجر اور مالدار آدمی تھے، نہایت شریف تھے، نبوت کے اعلان سے پہلے ان کا نکاح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینبؓ سے ہوا تھا، مشرکین نے ان سے بہت کہا کہ آپ طلاق دے دو، ہم آپ کا دوسری جگہ نکاح کروا دیتے ہیں، لیکن اس گناہ وظلم کے لئے یہ بالکل بھی تیار نہیں ہوئے، بدر کے قیدیوں میں یہ بھی تھے، جس وقت مکہ میں لوگ اپنے قیدیوں کے لئے فدیہ کی رقم جمع کررہے تھے، ان کی رہائی کے لئے حضرت زینبؓ نے اپنا وہ ہار بھیج دیا جو حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا ہوا تھا، یہ ہار جس وقت مدینہ منورہ رحمتِ عالم ﷺ کے سامنے آیا، حضرت رسول اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات برسنے لگی، ہار دیکھ کر حضرت خدیجہؓ کی یاد آ گئی، حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''اگر آپ حضرات مجھے اجازت دیں، تو میں یہ ہار واپس کردوں؛ کیوں کہ یہ میری بیٹی کے پاس اس کی والدہ کی نشانی ہے۔صحابہ کرامؓ نے بسروچشم یہ بات قبول کرلی۔(مسند احمد ۶/۱۷۶، ابنِ ہشام: ۲/۲۲۶))

اس طرح ابوالعاصؓ بھی بغیر فدیہ کے چھوڑ دیے گئے اور ہار بھی واپس کردیا گیا، صرف ان سے یہ بات طے ہوئی کہ تم مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیج دینا، وہ مکہ پہنچے وعدہ کے

مطابق حضرت زینبؓ اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ روانہ کردیں۔ کنانہ انہیں لے کر دوپہر کے وقت سب کے سامنے نکلے، جس سے مکہ کے مشرک بھڑک اٹھے، انہوں نے حضرت زینبؓ کو گھیر لیا، اور دھمکیاں دینے لگ گئے ، اور کچھ لکھتے ہیں کہ اونٹ بدک گیا جس کی وجہ سے حضرت زینبؓ گر گئیں، اور کچھ حضرات نے بڑی تحقیق کے بعد یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حبار ابن اسود نامی مشرک کے اونٹ کو تیر مارنے یا دھکا دینے سے وہ گری تھیں، اس تکلیف میں ان کے شکم کا بچہ بھی ضائع ہوگیا، کنانہ ابن ربیعہ نے تیر و ترکش اور کمان سمبھال کر کہا: ''جو اونٹ کے قریب آیا تیروں سے چھلنی کردوں گا''، ابوسفیان کو معلوم ہوا، اس نے کہا: ''ہمیں ان کے مدینہ جانے پر کوئی اعتراض نہیں ، لیکن اس طرح دن کی روشنی میں سب کو للکار کر نہ جائیں''، حضرت زینبؓ واپس آ گئیں اور کچھ دنوں بعد پھر رات کے وقت کنانہ کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوگئیں ، کچھ دور ''بطن یاجج'' پہنچے تو یہاں حضور اکرم ﷺ کے بھیجے ہوئے حضرت زید ابن حارثہؓ اور ایک انصاری صحابی اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، کیوں کہ ان کو یہیں انتظار کرنے کا حکم تھا، یہاں سے انہوں نے حضرت زینبؓ کو اپنے ساتھ لے لیا اور کنانہ کو واپس کر دیا۔

ابوالعاص نے وعدہ تو پورا کیا ،لیکن اتنے بڑے احسان پر بھی دل کا تالا نہیں ٹوٹا، اور انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا، کچھ سالوں بعد وہ تجارت کا سامان لے کر شام سے واپس آرہے تھے، اسلامی لشکر کے کسی دستہ نے ان پر چھاپا مار کر سارے سامان پر قبضہ کرلیا، یہ خود کسی طرح جان بچا کر بھاگ گئے اور کسی طرح حضرت زینبؓ تک پہنچ گئے ، صبح کی نماز کا جیسے ہی سلام پھیرا گیا حضرت زینبؓ نے عورتوں والی جگہ سے آواز لگا کر فرمایا: ''مسلمانو! میں نے ابوالعاص ابن ربیع کو پناہ دے دی ہے''۔

رحمتِ عالم ﷺ کو پہلے سے اس کی کوئی خبر نہیں تھی لیکن یہ بات سن کر فرمایا: ''ہر ایک چھوٹا بڑا کسی کو پناہ دے سکتا ہے''۔ پھر بیٹی سے فرمایا: ''پناہ دینی اچھی بات ہے، لیکن اب تم دونوں میاں بیوی نہیں رہے ؛ کیوں کہ ان کو ایمان نصیب نہیں ، پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''ابوالعاص کے اور

ہمارے تعلقات تمہیں معلوم ہیں؛ لہٰذا اگر آپ حضرات احسان کر کے ان کا سامان واپس کر دیں، تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔ پھر کیا تھا؟ جس کے پاس جو چیز تھی وہ اس نے حاضر کر دی، کوئی سوئی اور کوئی دھاگا لے کر دوڑ رہا تھا۔

ابو العاص سامان لے کر مکہ پہنچے، لوگوں کا جتنا سامان تھا وہ سارا واپس کیا، پھر سب کے درمیان اعلان کر کے کلمہ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، لیکن میں نے یہ بات مدینہ میں نہیں کہی؛ تا کہ تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارا مال کھا گیا، اس کے بعد مدینہ آ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ پھر حضرت ابو العاصؓ کے نکاح میں دے دیں۔

یہ ہیں جنگ بدر کے نتائج!! دیکھیے! کس طرح دلوں سے کفر کے تالے ٹوٹے!! اور دل کی بنجر زمین سرسبز و شاداب ہوئی، جس پر ایمان کے بیل بوٹے اُگے۔

قتل کے لئے جانے والا ایمان لے کر کیسے واپس آیا؟

بدر کی ہار پر مکہ میں ماتم کا سماں تھا، لیکن قریشی سرداروں نے مزاق کے ڈر سے ماتم کرنے سے منع کر دیا تھا، لیکن اندر کے ابال کو کہاں روکا جا سکتا تھا! چھپ چھپ کر پھر بھی ماتم کیا جا رہا تھا۔ ایک دن عمیر ابن وہب اور صفوان ابن امیہ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں بیٹھے ہوئے بدر کی جنگ پر رو دھو رہے تھے، بات جنگ میں قتل ہونے والوں کی چل پڑی، صفوان بولا: اب جینے میں کوئی مزہ نہیں! عمیر نے کہا: کیا بتاؤں! اگر میرے اوپر قرضہ نہ ہوتا اور اہل وعیال کی فکر نہ ہوتی، تو میں اسی وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا''۔ عمیر کو اس لئے بھی دکھ تھا؛ کیوں کہ اس کا اپنا بیٹا مدینہ میں گرفتار تھا، صفوان یہ سن کر پھول گیا، اس نے کہا: ''بھائی! تیرا سارا قرضہ میرے ذمے، اور تیرا اہل وعیال بھی میرے ذمے، تو یہ کام کر!

عمیر تلوار تیز کر کے زہر میں بجھا کر مدینہ کی طرف چل پڑا، مسجدِ نبوی کے دروازے پر اونٹ سے نیچے اترا، حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے، فوراً اس کی تلوار کا دستہ

پکڑ لیا، کھینچ کر حضور اکرم ﷺ کے پاس لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر! اس کو چھوڑ دو! اور عمیر کو قریب بلا کر پوچھا کیوں آئے ہو؟ اس نے اپنے بیٹے کا حوالہ دے کر کہا: ''قیدیوں کے بارے میں کچھ بات کرنے آیا ہوں''، حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سچی بات بتاؤ! اس نے کہا یہی سچی بات ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تو نے اور صفوان نے کعبہ کے پاس حطیم میں کیا مشوہ کیا تھا؟ کیا تو نے یہ یہ باتیں کعبہ کے سامنے نہیں کہی تھیں؟ اور تو مجھے قتل کرنے نہیں آیا؟ عمیر حیران و ششدر رہ گیا، اس کے ہوش اڑ گئے، پھر کچھ ہوش سمبھال کر بولا: ''**اشھد ان لاالٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ**'' اور عرض کیا: میرے اور صفوان کے علاوہ تو وہاں کوئی تھا ہی نہیں، پھر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کون بتا سکتا ہے! یقیناً آپ سچے نبی ہیں، اور یہ کہہ کر مسلمان ہو گئے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: اپنے بھائی کو دین سکھاؤ، اور ساتھ ہی قرآنِ کریم پڑھاؤ، اس کے قیدی بیٹے کو بھی آزاد کر دو۔

دین سیکھ کر کچھ دنوں بعد حضرت عمیرؓ نے عرض کیا! یا رسول اللہ! میں نے نور کے اس چراغ کو مکہ میں بجھانے کی بہت کوشش کی اور ساتھ ہی ایمان والوں کو بہت ستایا، اب مجھے اجازت دیجیے کہ میں مکہ میں جا کر اس دین کو عام کرنے کی محنت کروں، اور ساتھ ہی مشرکین کو ایسے ہی ستاؤں جس طرح ایمان والوں کو تنگ کیا تھا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے مکہ جانے اور دعوتِ دین دینے کی اجازت دے دی، انہوں نے مکہ میں جا کر بہت محنت کی، جس سے کئی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان نصیب فرما دیا۔ یہ ہیں نتائج جنگِ بدر کے!!

ادھر صفوان روزانہ مدینہ سے آنے والوں سے پوچھتا، کیا کوئی نئی بات سنی؟ اور مکہ کے لوگوں کو بھی بتاتا تھا کہ تم بدر کے قصے پر نہ روؤ، بس عنقریب تم کوئی ایسی خوشخبری سنو گے جس سے سارے غم بھول جاؤ گے، جس وقت اس کو حضرت عمیرؓ کے اسلام لانے کی خبر ملی، تو کہنے لگا: اب میں اس سے کبھی بات نہیں کروں گا! اسی کو کہتے ہیں: ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' (ابنِ ہشام: ۱۳۵/۲)

سورہ انفال اور جنگِ بدر

جنگ بدر کے فوراً بعد قرآن کریم کی سورہ انفال نازل ہوئی ہے، جس میں مالک الملک نے بہت گہرے گہرے راز بیان فرمائے ہیں، ہم نے جگہ جگہ ان کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن جو خوش قسمت اس غزوہ کے مطالعہ کے ساتھ بار بار سورہ انفال کو بھی پڑھیں گے، انہیں یقیناً وہ باتیں سمجھ میں آئیں گی جو میں لکھ نہیں سکا۔ اس سورت میں سب سے زیادہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ایمان والوں کو اپنی طاقت اور قوت کے مطابق تیاری تو بہت اچھی کرنی چاہئے، لیکن بھروسہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہئے، کیوں کہ ہار جیت، فتح و کامیابی اور ناکامی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد لینے کے لئے اس کا بندہ بننا اور اس کے حکموں پر عمل کرنا اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندگی میں زندہ کرنا بہت ضروری ہے، سورۂ پاک کا اکثر حصہ اسی بیان پر مشتمل ہے، مثال کے طور پر صرف اس مقام پر غور فرمائیے!

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ☆ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ☆

ترجمہ: چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں) کو قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی، تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی، اور (تمہارے ہاتھوں یہ کام اس لیے کرایا تھا) تاکہ اس کے ذریعہ مومنوں کو بہترین اجر عطا کرے بیشک اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر بات کو جاننے والا ہے۔ یہ سب کچھ تو اپنی جگہ، اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ اللہ کو کافروں کی ہر سازش کو کمزور کرنا تھا (الانفال:۱۷،۱۸)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ☆ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْاط اِنَّ

اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ☆ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ☆

ترجمہ: اے ایمان والو جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔ اور صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے، اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے، اور اللہ نے لوگوں کے سارے اعمال کو اپنے (علم کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔ (الانفال: ۴۵، ۴۶، ۴۷)

وہ قیدی جو مسلمانوں کی خوش اخلاقی پر اسلام لائے

عطر کی دکان کے پاس سے گزرنے والے کو بھی کچھ نہ کچھ خوشبو ضرور نصیب ہو جاتی ہے، دنیا میں اس طرح کے بھی ہزاروں قصے ہیں کہ مسلمان کسی جگہ قید ہو گئے، تو قید کرنے والے ان کے چہروں کا نور اور ان کے نورانی اخلاق دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

رہے مسلمانوں کے پاس قید ہونے والے !! اس کے تو لاکھوں قصے ہیں کہ قیدی مسلمانوں کے اخلاق ان کے نیک سلوک اور اسلام کی تعلیم پر عمل کرتے مسلمانوں کو دیکھ کر کلمہ پڑھے بغیر رہ ہی نہیں سکے، مکہ کے لوگ بہت سخت مزاج تھے، وہ کسی بھی بات کا فیصلہ جلدی نہیں کرتے تھے، لیکن بدر میں قید ہونے والوں میں سے زیادہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں کی پتھریلی زمین بھی صحابہ کرامؓ نے اخلاق اور اچھے سلوک کے پانی سے آخر نرم کر ہی دی، اور دیر سویر انھیں ایمان نصیب ہو گیا؛ کچھ ایک خوش قسمتوں کے نام آپ بھی پڑھتے چلیے:

(۱) رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ، (۲) حضرتِ علیؓ کے بھائی حضرتِ

عقیلؓ (۳) حضرتِ مصعبؓ کے بھائی ابوعزیزؓ (۴) نوفل بن حارثؓ، (۵) سائب بن ابی حُبیشؓ (۶) ابوجہل کے بھائی خالد ابن ہشامؓ، (۷) ابوعطاء عبداللہ ابن ابی سائبؓ، (۸) مطلب بن حطبؓ، (۹) ابو وداعہ سہمیؓ، (۱۰) عبداللہ بن ابی بن خلفؓ، (۱۱) وہب بن عمیرؓ، (۱۲) سہیل بن عمرؓو، (۱۳) عبد بن زمعہؓ (۱۴) قیس بن سائبؓ، (۱۵) نسطاسؓ مولیٰ امیہ بن خلف، (۱۶) ابوالعاص ابن ربیعؓ۔

غزوہ بدر اور منافقین (دُبکے ہوئے کافر)

غزوہ بدر جس میں سچ اور جھوٹ، حق اور باطل کا برسرِ میدان فیصلہ ہوگیا تھا، اس کے نتیجہ میں جن دلوں میں کچھ بھی روشنی ابھی باقی تھی، جو بالکل ابھی مردہ نہیں ہوئے تھے، ان کو یہ سوچنے کا احساس پیدا ہوگیا کہ اگر ہماری سوچ ٹھیک ہوتی، پھر ہم کیوں ہارتے! ہمارے بتوں اور باطل خداؤں نے ہماری مدد کیوں نہیں کی ہمارے لوگ بہادر بھی بہت تھے، پہلوان بھی تھے، مردِ میدان بھی تھے، ہتھیار بھی ہمارے پاس کافی تھے، ہماری تعداد بھی تین گنا زیادہ تھی، پھر مسلمان کیوں غالب آ گئے؟ اور ہم کیوں مغلوب ہوگئے؟ اسی سوچ پر بہت سارے لوگوں کو ایمان نصیب ہوگیا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ کچھ دل کے کالے بھی تھے، ان پر غزوہ بدر کے بعد اور ہی سیاہی چھا گئی، ایک طرف مشرکین مکہ کو بدلہ لینے کا جوش پیدا ہوگیا، جس کے لئے وہ کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ دوسری طرف مدینہ کے یہودی ابھی تک مسلمانوں کو اپنے لئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کررہے تھے، لیکن اب ان کو بھی اپنے سودی نظام کی کشتی ڈوبتی محسوس ہورہی تھی، کرتو کچھ نہیں سکتے تھے، لیکن اندر ہی اندر جل رہے تھے، مروڑ پڑ رہے تھے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر سے واپسی پر انہیں سوچنے سمجھنے کی دعوت دی کہ دیکھو اب تمہیں صاف معلوم ہو چکا ہے کہ یہ دین سچا ہے، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اتنی بڑی مدد فرما کر باطل کو کھلے میدان ذلیل کر دیا ہے۔ اس پر یہودی کچھ سمجھنے کے بجائے دھمکی دینے لگ گئے، بلکہ کچھ اعلان کر کے

کہنے لگ گئے کہ مکی لوگوں کو جنگ کرنے کا طریقہ نہیں آتا تھا، ان کے کچھ لوگ مرنے پر تمہیں کچھ دھوکہ نہ لگ جائے، اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو مردانگی کا پتہ چل جائے گا، قرآن پاک نے یہ بات اس طرح بیان فرمائی:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ☆

ترجمہ: تمہارے لئے ان دو گروہوں (کے واقعے) میں بڑی نشانی ہے جو ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے، ان میں سے ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑ رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ تھا۔ جو اپنے آپ کو کھلی آنکھوں ان سے کئی گنا زیادہ دیکھ رہا تھا، اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی تائید سے مدد کرتا ہے، بیشک اس واقعے میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

(آلِ عمران:۱۳)

یہ سب کہنے کی باتیں تھیں، ورنہ یہودی ایک کمینی بدذات قوم تھی، وہ جنگ کے بجائے سازش کرنے اور آپس میں لڑانے کی زیادہ کوشش کرتے تھے، انہوں نے یہ کام شروع بھی کر لیا تھا، آس پاس کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا، اور اوس وخزرج کے قبیلوں کو آپس میں بھڑانا، ان کا رات دن کا مشغلہ تھا۔ شماس ابن قیس نام کا ایک بوڑھا یہودی، ان کا بڑا عالم سمجھا جاتا تھا، ایک بار اس نے اوس اور خزرج قبیلہ کو آپس میں مہر ومحبت کی باتیں کرتے دیکھا، اس کو دیکھتے ہی آگ لگ گئی، اس نے اپنے ایک جوان شاگرد سے کہا: 'جاؤ! پرانی لڑائیاں یاد کروا کر ان کو آپس میں لڑاؤ'، اس بدبخت نے یہی کیا، اور کچھ کامیاب بھی ہو گیا، لوگوں کو پرانی باتیں یاد آئیں تو وہ طیش میں آ گئے، بازو چڑھا لئے، بلکہ ہتھیار بھی نکال لئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو جلدی سے تشریف لے آئے! ایمانی بھائی چارے کی باتیں بیان فرما کر شرم دلوائی کہ اس یہودی کے کہنے پر تمہیں کیا ہو گیا؟ لوگوں نے ہتھیار پھینک دئے، ایک دوسرے سے چپک کے گلے مل کر رونے

لگ گئے کہ ہمیں یہ کیا ہو گیا تھا!! (ابن کثیر)

اس قصہ کی طرف قرآن پاک نے اس طرح اشارہ فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَاتَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْكُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ☆

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے سب مل کر تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ (آل عمران:۱۰۳)

ان سب سے زیادہ خطرناک مسئلہ عبداللہ ابن ابی ابن سلول کا تھا، جو اچھے مالدار گھرانے کا تھا، لیکن اخلاق سے اتنا گرا ہوا تھا کہ اس کی کمائی کا بڑا ذریعہ بدکاری کا اڈہ تھا، حضرت رسول اکرم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے کچھ پہلے اوس وخزرج دونوں قبیلوں کا بادشاہ بننے والا تھا، لیکن اسلام کے آجانے کے بعد خاص کر ہجرت کے بعد اس کی خواہشوں پر پانی پھر گیا تھا، اس لئے وہ بہت پریشان تھا، وہ اور اس کے ساتھی جن کو اس کے لیڈر بننے پر کچھ امیدیں لگی ہوئی تھیں، غزوہ بدر تک وہ اعلانیہ کافر ہی تھے، اندر ہی اندر آگ لگی ہوئی تھی، لیکن منہ سے بالکل خاموش تھے، کہ دیکھتے ہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟ غزوہ بدر کے بعد وہ حالات سے ڈر گئے اور عبداللہ ابن ابی منافق نے اپنی پارٹی کو خاموشی اختیار کرنے، اور دل میں کفر چھپا کر منہ سے اسلام کا اعلان کرنے کا مشورہ دیا، یہودیوں نے اس موقع کا خوب فائدہ اٹھایا، انہوں نے گہری دوستی لگا لگا کر ان کو منافقت کے طریقے سکھائے، اس طرح منافقوں کی یہ ایک پارٹی بن گئی جو زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، لیکن دل سے پکے کافر تھے۔ اور کام بھی کافروں جیسے تھے۔ قرآن کریم

نے ان کا تعارف اس طرح کروایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ☆يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَايَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَايَشْعُرُوْنَ☆فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ☆

ترجمہ: کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لا چکے ہیں دھوکا دیتے ہیں، اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) وہ اپنے سوا کسی اور کو دھوکہ نہیں دے رہے، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے۔ ان کے دلوں میں روگ ہے، چنانچہ اللہ نے ان کے روگ میں اور اضافہ کر دیا ہے، اور ان کے لئے دردناک سزا تیار ہے؛ کیوں کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

(البقرہ:۸،۹،۱۰)

یہی منافقوں کی پارٹی آگے چل کر مسلمانوں کے لئے دردِ سر بنی، جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، لیکن آخر اللہ تعالیٰ نے یہ ایسے ذلیل کیے کہ مدینہ منورہ کی پاک زمین ان کے لئے تنگ ہوگئی، یا تو یہ کافروں کے ساتھ ہی مل گئے، یا پھر کچھ خوش نصیب پکے سچے مسلمان ہو گئے۔ آج ہم کسی کو متعین کر کے منافق نہیں کہہ سکتے، لیکن منافقوں جیسے کام کرنے والا کہہ سکتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کی بہت ساری نشانیاں بیان فرمائی ہیں، ایک روایت آپ بھی پڑھتے چلیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار باتیں ہیں، جس میں یہ چاروں باتیں پائی جائیں، وہ پورا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے ایک بات پائی جائے وہ اتنا ہی منافق ہے، وہ چار باتیں یہ ہیں: (۱) جس وقت کوئی وعدہ کریں تو دھوکہ دیں (۲) جب ان کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کریں (۳) جب لڑائی جھگڑا ہو تو گالی دیں (۴) اور جب بولیں تو جھوٹ بولیں''۔

(بخاری:۲۴۵۹، مسلم ۵۸)

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پاک زمانے میں ایسے لوگوں کے ہونے کا مطلب ہی یہ تھا کہ ایسے بدبخت قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ یہ بہت ہی خطرناک کافر ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں ان کی سزا بھی سب نافرمانوں سے زیادہ سخت بیان ہوئی ہے، فرمایا:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ☆

ترجمہ: یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، اور ان کے لئے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ (النساء:۱۴۵)

بنوقَینُقاع کی غداری اور جلاوطنی

جیسے کہ پیچھے یہ بات گزر گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی یہودیوں کے تینوں قبیلوں کے ساتھ صلح کے ساتھ رہنے اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا تھا، پھر مسلمان تو اس معاہدہ کا ہر وقت بہت خیال رکھتے تھے، کہ ہماری طرف سے کوئی بھی خلاف ورزی کی بات نہ ہو جائے، لیکن یہودی ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔

یہودیوں میں خاص کر بنوقینقاع نام کا قبیلہ بڑا ہی شرارتی تھا، حالانکہ یہ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کی قوم کے لوگ تھے، غزوہ بدر کے بعد رحمتِ عالم ﷺ کو ان کی کچھ شرارتوں کا پتہ چلا، آپ ﷺ نے بازار میں جمع کر کے ان کو سمجھانے کی کوشش فرمائی، کہ تم بدر کے قصے سے سبق حاصل کرو، اللہ تعالیٰ نے سچے دین کو کیسے کامیابی عطا فرمائی! اس پر یہ اور اکڑ گئے، بلکہ دھمکی دینے لگ گئے کہ مکی لوگوں کو جنگ کرنی آتی ہی نہیں، آپ کسی دھوکہ میں نہ رہنا، ہم بنوقینقاع ہیں! قریشی نہیں۔

اس کے بعد انہوں نے زبردستی ہی مسلمانوں سے شرارتیں شروع کر دیں، بازار میں جب بھی کوئی مسلمان جاتا یہ اس کا مذاق اڑاتے۔

اصل میں یہ لوگ سنار، لوہار اور کمہار کے پیشہ سے وابستہ تھے، اس لئے ان کے پاس پیسے بھی

تھے، اور ہتھیار بھی خوب تھے، سات سو جوان ہر وقت جنگی ہتھیاروں سے لیس رہتے تھے، اسی پر انہیں فخر تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقت کی طرف ان کا خیال نہیں تھا۔

غزوہ بدر کے ایک مہینہ بعد شوال میں رسول اکرم ﷺ کو پتہ چلا کہ یہ اندر ہی اندر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی سازش بنا رہے ہیں ابھی یہ بات چل ہی رہی تھی کہ ان کی کمینگی کا ایک بڑا واقعہ پیش آ گیا۔

ایک مسلمان عورت ان کے محلے میں دودھ یا کوئی اور چیز بیچنے آئی، سامان بیچ کر وہ ایک سنار کی دکان پر کچھ لینے کے لئے بیٹھی ہوئی تھی، اس بد بخت سنار نے ان کے جبہ کا پلہ کسی دھاگے وغیرہ میں باندھ کر دوسرے بدمعاشوں کی طرف اشارہ کیا کہ تم اس کو اوپر سے کھینچ لو، اس کے کھینچتے ہی ان کا جبہ اوپر اٹھ گیا اور وہ بالکل ننگی ہو گئیں۔ وہ ذلیل قہقہے لگانے لگ گئے، اس پر ان کی ایک چیخ نکل گئی، قریب ہی کسی مسلمان نے ان کی یہ گندی حرکت دیکھ لی، تو تلوار سے اس سنار کی گردن اڑا دی، باقی سب ان کو اکیلے دیکھ کر ان پر ٹوٹ پڑے اور وہ شہید ہو گئے۔ وہ صحابیہ دوڑ کر صحابہ کرام تک یہ خبر پہنچانے میں کامیاب ہو گئیں (اور کچھ حضرات لکھتے ہیں کہ وہ صحابی ہی اس کی گردن اڑا کر مدینہ پہنچ گئے)۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت ابولبابہؓ کے حوالے کر کے صحابہ کرامؓ کو ان کے محلّہ پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا، یہ ۱۲ ؍شوال ۲ ھ کی تاریخ تھی، یہ یہودی اپنے قلعوں میں چھپ گئے، پندرہ دن تک صحابہ کرامؓ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعے گھیرے میں رکھے، اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقت نے ان کے دلوں میں ایسا رعب اور ڈر ڈالا کہ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کو وہ خود ہتھیار ڈال کر اپنے قلعوں سے باہر آ گئے، رحمتِ عالم ﷺ کے حکم پر ان کے جنگی جوانوں کو قید کر لیا گیا۔ کچھ فیصلہ ہونے ہی والا تھا کہ منافقوں کا سردار عبد اللہ ابن ابی آ گیا، حالانکہ کچھ ہی عرصہ پہلے اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا، یہ منت سماجت کرنے لگ گیا کہ یہ میرے پرانے دوست ہیں ان کو جان بخشی دے دی جائے۔

آخر اس بات پر فیصلہ ہو گیا کہ ایسے گندے لوگ جو ماں بہنوں کی عزت پر حملہ کریں، انہیں مدینہ منورہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں، وہ مدینہ منورہ سے چلے جائیں، اور جنگی سامان کے علاوہ جو کچھ ساتھ لے جاسکتے ہیں وہ لے جائیں، اس طرح یہ گندے لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر شام کے راستہ میں اذرعات کے علاقہ میں جا کر بس گئے، لیکن یہاں بھی زیادہ لوگ طاعون کی وجہ سے مر گئے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں انہیں کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے:

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ☆

ترجمہ: ان کی حالت ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کرتوت کا مزہ چکھ چکے ہیں، اور ان کے لئے دردناک عذب ہے۔ (حشر:۱۵) (روح المعانی، ابنِ کثیر)

غزوہ ذات السویق یعنی ستووں والی جنگ

نبوت کے اعلان کے بعد جس طرح مکہ کی ۱۳/سالہ زندگی مصیبتوں، پریشانیوں اور آزمائشوں سے بھری ہوئی تھی، کچھ اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ کی زندگی اتھل پتھل اور کافروں کی لڑائیوں سے بھری ہوئی تھی، بدر کی لڑائی کے بعد جس وقت بچ کر بھاگنے والے لوگ مکہ پہنچے مکہ کا ایک ایک سردار پاگلوں کی طرح بدلہ لینے کا منصوبہ بنانے لگ گیا۔ صفوان ابن امیہ نے حطیم میں بیٹھ کر رحمتِ عالم ﷺ کے قتل کی جو سازش کی تھی، وہ تو آپ نے پڑھ ہی لی۔

ابوسفیان نے بھی قسم کھائی کہ جب تک میں اس کا بدلہ نہیں لے لوں گا تب تک میں غسلِ جنابت نہیں کروں گا، مگر اس کے لئے انہوں نے سیدھی جنگ کے بجائے چھپ کر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔

بدر کی جنگ سے بس دو مہینہ بعد ہی یعنی ذوالحجہ کے شروع میں ابوسفیان کی سرداری میں دوسو سوار مکہ سے نکل کر مدینہ سے کوئی ۱۸/۲۰/کلومیٹر پہلے وادی ''قناۃ'' میں چھپ گئے، پھر ایک دن مدینہ سے کوئی ۵/کلومیٹر پہلے ''عریض'' نام کے ایک باغ پر حملہ کر کے ایک انصاری صحابیؓ اور

ان کے حلیف کو قتل کر دیا، اور کہنے لگے ہماری قسم پوری ہوگئی، اب بھاگو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے بھی دوسو صحابہ کرام کے ساتھ اس کا پیچھا کیا، یہ ۵/ذی الحجہ ۲ھ کی بات ہے۔ صحابہ کرام بہت دور تک گئے، لیکن وہ بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔ کوئی ہاتھ نہیں لگا، لیکن بھاگتے بھاگتے انہوں نے ستو، اور بہت سارا سامان پھینک دیا جو صحابہ کرامؓ نے غنیمت کے طور پر اٹھالیا۔ ستو کو عربی میں ''سویق'' کہا جاتا ہے، اسی لئے اس جنگ کا نام غزوہ سویق یا ذات السویق پڑ گیا۔

اسی سال غزوہ سویق کے بعد واپسی پر ۱۰/ذی الحجہ ۲ھ میں پہلی بار بڑی عید کی نماز ادا کی گئی، کہ صبح کی نماز کے بعد سورج کے کچھ بلند ہو جانے پر دو رکعت عید الاضحیٰ پڑھی گئی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کر کے مسلمانوں کو قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔ (وفاء الوفاء: ۳/۳)

جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ کا نکاح

۲ھ میں کچھ اہم باتیں پیش آئیں، مثلاً اسی سال مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو بنایا گیا، جس میں ایمان والوں کا بہت بڑا امتحان ہوا، پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم پر خانہ کعبہ جو عربوں کا قبلہ تھا کو چھوڑ کر بیت المقدس قبلہ بنایا گیا، صحابہ کرامؓ اس امتحان میں بھی پاس ہوئے، کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہوا، پھر ۱۶/یا ۱۷/مہینوں کے بعد ظہر یا عصر کی نماز میں حکم آ گیا کہ اب خانہ کعبہ تمہارا قبلہ ہے، درمیان نماز ہی سب خانہ کعبہ کی طرف مڑ گئے کسی کو اعتراض کا خیال بھی نہیں آیا، حالانکہ یہودیوں اور منافقون نے دلوں میں شک ڈالنے کی بہت کوشش کی، علماء کا کہنا ہے کہ اس تبدیلی سے دنیا کو یہ بتانا تھا کہ مسلمان کسی قوم، ملک کا رواج نہیں مانتے، بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں رہتے ہیں۔

اور بھی بہت ساری باتیں ہیں لیکن میں یہاں پر زیادہ اہمیت والا قصہ، جنتی عورتوں کی سردار، رحمت للعالمین کی سب سے لاڈلی بیٹی، حضرت فاطمہؓ کے نکاح کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، کیوں کہ ان

کا نکاح قیامت تک آنے والی مومن عورتوں کے لئے ایک مثال ہے۔جس وقت ان کا رشتہ حضرت علیؓ سے طے ہوگیا،جس میں نہ منگنی کے رسم ورواج تھے نہ کوئی اور ہنگامہ! بس حضرت علیؓ نے خود ادب سے یہ درخواست پیش فرمائی، رحمت عالمﷺ نے آسمانی وحی کے حکم پر قبول فرمائی، پھر حضرت علیؓ ڈرنے لگے کہ نہ میرے پاس مہر میں دینے کے لئے کچھ! نہ میرے پاس دعوت ولیمہ کے لئے کچھ! نہ میرے پاس رہنے کی جگہ! ان ہی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے کہ رحمتِ عالمﷺ نے فرمایا: ''مہر میں دینے کے لئے کچھ ہے؟'' عرض کیا: ''کچھ نہیں!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ بدر میں ملنے والی ذراع کا کیا ہوا؟ عرض کیا: وہ تو ہے، فرمایا: ''وہی بیچ دو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ ۴۸۰/درہموں میں خرید لی، پھر اسی میں سے کپڑے بنے، خوشبو آئی، مہر بھی ادا ہوا، (زرقانی: ۳/۲) اور شائد دعوت ولیمہ بھی ہوئی (جس کا کتابوں میں ذکر نہیں ملتا) رہنے کے لئے کرایہ کا ایک مکان لیا، بعد میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ نے آپس میں بات کرتے ہوئے کبھی کہا: ''کہ اگر ہم حضرت حارثہ بن نعمانؓ سے کوئی مکان لے لیتے!'' انہیں اس بات کا کسی طرح علم ہوگیا، وہ دوڑتے ہوئے رحمتِ عالمﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا مکان قبول کیجیے! مجھے بہت خوشی ہوگی، آپﷺ نے قبول فرمالیا، انہوں نے یہ مکان حضرت علیؓ کے حوالے کر کے خود کہیں اور مکان بنالیا۔

یہ وہی حارثہ بن نعمانؓ ہیں جو دنیا میں قرآن پاک پڑھتے تھے، لیکن آواز جنت میں سنائی دیتی تھی۔حضرت رحمتِ عالمﷺ دوجہاں کے بادشاہ نے اپنی لختِ جگر کو الوداع کرتے ہوئے ایک لحاف، ایک تلائی جس میں کھجوروں کی چھال تھی، ایک لوٹا، دو گڑھے، اور دو چرنہکیاں عطا فرمائی تھیں یہ تھی جنتی عورتوں کی سردار، نبیوں کے نبی، رحمت عالمﷺ کی صاحبزادی کی شادی! افسوس! کبھی ہمیں بھی ایسی شادی کا شوق ہوجاتا! اور یہ سامان بھی اس لئے دیا چونکہ حضرت علیؓ آپﷺ کی پرورش میں تھے، ورنہ دوسری بیٹیوں کو ایسے موقع پر کچھ دیا ہو اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے۔

(الترغیب والترہیب: ۴/۳۷۹)

غزوہ غطفان یا غزوہ انمار وذی امر

۲ھ کا سال کسی طرح پورا ہوا، نیا سال ۳ھ لگتے ہی رسول اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی کہ قبیلہ غطفان کی شاخ قبیلہ بنوثعلبہ اور قبیلہ بنومحارب نے انمار یا امر نام کے ایک چشمہ پر بہت بڑی جمعیت جمع کرنی شروع کردی ہے، جو مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنارہے ہیں۔ دعثور غطفانی نام کا سرداران کا کمانڈر بنا ہوا ہے، جو بہت مشہور پہلوان بھی ہے۔

رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا، تقریباً ساڑھے چارسو صحابہ کرام کو لے کر آپ ﷺ اس علاقہ کی طرف چل پڑے، ان کو جیسے ہی پتہ چلا تو وہ پہاڑوں اور غاروں میں چھپ گئے، صحابہ کرامؓ نے راستے میں سے ان کا ایک آدمی گرفتار کرلیا، حضرت رحمتِ عالم ﷺ نے اس کو دین کی دعوت دی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان کی دولت سے نواز دیا، حضور اکرم ﷺ آگے بڑھتے بڑھتے اس کنویں تک پہنچ گئے جہاں یہ لوگ جمع ہوئے تھے، لیکن ان میں سے کوئی مقابلہ کے لئے نہیں آیا۔ وہاں سے واپسی پر بارش ہوگئی، جس کی وجہ سے کپڑے بھیگ گئے، جب مطلع صاف ہوا تو سبھی حضرات ایک جگہ اپنے کپڑے سکھانے لگ گئے، رحمتِ عالم ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے لگے، دعثور کو کسی نے جا کر بتادیا کہ حضور اکرم ﷺ اکیلے سورہے ہیں، وہ بہت تیزی سے تلوار لے کر دوڑا اور حضور اکرم ﷺ کے سر پر تلوار لے کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: ''بتا اب تجھے میرے ہاتھوں سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے اطمینان سے فرمایا: ''اللہ!'' یہ سنتے ہی وہ ڈر کی وجہ سے کانپنے لگ گیا، اور تلوار اس کے ہاتھ سے نیچے گرگئی، رحمتِ عالم ﷺ نے تلوار اٹھا کر فرمایا: ''اب تجھے کون بچائے گا''۔ اس نے کہا: ''کوئی نہیں! آپ ﷺ نے اس کو معاف فرمادیا، تلوار بھی اسکو واپس کردی، اس پر ان کو ایمان نصیب ہوگیا، اور واپس جا کر اپنی قوم میں دعوت دین کے لئے بہت زیادہ محنت کی۔ رضی اللہ عنہ

یاد رہے!! اس طرح کا ایک قصہ ایک اور جنگ میں بھی پیش آیا تھا، تحقیق کرنے والوں کا کہنا

ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قصے ہیں۔ (وفاءالوفاء:۳۲/۲۱۷)

رحمتِ عالم ﷺ نے ماہ محرم کے سارے دن اور کچھ دن صفر کے بھی اسی علاقے میں گزارے تا کہ اس علاقہ کے دیہاتی لوگوں کو بھی اسلامی طاقت کا احساس ہوتا کہ آئندہ کوئی مدینہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ کرے، اور یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ نماز وغیرہ اسلامی عبادات اور مسلمانوں کے اخلاق دیکھ کر ان کو اسلام کا شوق پیدا ہوجائے، یہ دونوں کام ہوئے اور کچھ سالوں بعد ہی ان سب کو ایمان نصیب ہو گیا۔ کوئی ایک اللہ کے دین سے باہر نہیں رہا!

یہودی سرداروں کی شرارت اوران کا علاج

یہودی ایک شرارتی قوم تھی، بنوقینقاع تو جلاوطن ہوگئے، لیکن سب یہودی سرداروں میں بڑھ کر سب سے بد بخت کعب ابن اشرف نام کا یہودی سردار تھا، اس کی ماں قبیلہ نضیر کی تھی، باپ کسی دوسرے قبیلے کا تھا، یہ ایک مالدار آدمی تھا، مشہور شاعر بھی تھا، ایک بار اس بد بخت نے بہانہ کر کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر دعوت پر بلایا اور قاتل آدمی تیار رکھے کہ جیسے موقع ملے ان کو قتل کر دینا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف بھی لے گئے، لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فوراً آ کر اس کی بدنیتی کی خبر دے دی، پھر آپ ﷺ آہستہ سے باہر نکل گئے، کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی۔

اس نے مشرکین مکہ کو بھڑکانے کے لئے ایک نظم لکھی پھر خود بھی مکہ گیا، یہاں کے سرداروں کو ان کے بڑوں کا بدر میں قتل ہونا یاد کروا کر خوب گرم کیا، مشرکین سے کہنے لگا تم باہر سے حملہ کرو ہم اندر سے کریں گے اس طرح ان کا نام ونشان ہی مٹ جائے گا، مشرکین نے کہا: ''ہمیں تیری بات پر کیسے یقین آئے گا؟ کہ تو سچا ہے، تو ہمارے فلاں فلاں بت کو سجدہ کر! اس بد بخت نے سجدہ بھی کر دیا، حالانکہ بتوں کو سجدہ تو یہودی مذہب میں بھی جائز نہیں تھا، ابوسفیان نے پوچھا کہ تو سچ بتا ہمارے شرکی مذہب اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے توحید والے مذہب میں سے سچا کون سا

مذہب ہے؟ اس نے کہا: ’’تمہارے مذہب کی طرح تو کوئی مذہب ہو ہی نہیں سکتا، قرآن کریم نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا☆

ترجمہ: جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) بتوں اور شیطان کی تصدیق کر رہے ہیں، اور کافروں (یعنی بت پرستوں) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مومنوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔

(سورۃ النساء:۵۱)

پھر مدینہ پاک پہنچ کر مسلمان عورتوں کی توہین اور ہجو میں شاعری کرنے لگ گیا، بلکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی اس نے نظمیں لکھیں، اسی پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی

لَتُبْلَوُنَّ فِيْۤ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ☆

ترجمہ: مسلمانو! تمہیں اپنے مال ودولت اور جانوں کے معاملے میں (ضرور) آزمایا جائے گا، اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت ہی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اور اگر تم نے صبر اور تقوی سے کام لیا تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کام ہیں (جو تمہیں اختیار کرنے ہیں)۔

(آل عمران:۱۸۶)

ان سب باتوں کے بعد ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’کوئی شخص اس کا کام کر کے اس کی تکلیفوں سے ہمیں نجات نہیں دے سکتا؟ اس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو بہت ہی تکلیفیں دی ہیں! حضرت محمد بن مسلمہؓ کھڑے ہو گئے یا رسول اللہ! میں یہ کام کر سکتا ہوں؟ پھر حضرت محمد بن مسلمہؓ نے اپنے دو ساتھی حضرت ابونائلہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوحارث بن اوسؓ

کوساتھ لے کراس کا کام پورا کر دیا۔ یہ ۱۴؍ربیع الاول ۳ھ کا واقعہ ہے۔

(ابنِ ہشام:۲؍۴۰)

کعب بن اشرف کے قتل پر یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی،ہلچل مچ گئی،لیکن اس کی شرارتیں اتنی زیادہ تھیں کہ کسی نے کچھ کرنے کی ہمت نہیں کی،سب سمجھتے تھے کہ ایسی شرارتوں کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

غزوہ بحران

ربیع الاول ۳ھ ہی کے مہینہ میں یہ خبر آئی کہ مدینہ سے تقریبا ۳۰؍۴۰ رکلومیٹر دور مکہ مکرمہ کے راستے پر بُحران نام کی جگہ میں بنوسلیم نام کا ایک قبیلہ مدینہ پاک پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے،اور اس مقصد کے لئے جمعیت اکٹھی کر رہا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ یہ خبر سنتے ہی تین سو صحابہ کرام کو ساتھ لے کر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوگئے،ان کو جیسے ہی مدنی لشکر کی اطلاع ملی ساری ہوا نکل گئی،اور پہاڑوں میں چھپ گئے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقہ میں دس دن اور کچھ کہتے ہیں کہ ۲۰؍دن قیام فرمایا،پھر واپس مدینہ تشریف لائے۔(ابن ہشام:۲؍۴۰)

سیرت پاک کی حکمتوں اور رازوں پر نظر رکھنے والے کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے یہ راز تھا کہ اس علاقہ کے لوگ مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی اعمال دیکھ کر متاثر ہوں اور ہوا بھی یہی!بس کچھ سالوں بعد یہ سب کے سب لوگ مسلمان ہوگئے۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے حالات سے مکہ کے لوگ اتنے ڈر گئے کہ انہوں نے اپنا پرانا تجارتی راستہ ہی بدل دینے کا ارادہ کرلیا،مدینہ پاک کے قریب سے گزرنے والے راستہ کو چھوڑ کر عراق کی طرف سے ایک خفیہ راستہ ڈھونڈا اس کے لئے فرات بن حیان عجلی نام کا راستہ کا ماہر ایک رہبر(گائڈ) بھی لے لیا،اس طرح ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ ہوگیا جس میں

بڑے سرداروں میں سے ابوسفیان، صفوان، حویطب اور عبداللہ ابن ربیعہ بھی تھے (یہ چاروں فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوگئے تھے) یہ تو اسی خیال سے جارہے تھے کہ ہماری کسی کو کچھ خبر ہی نہیں؛ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ پاک میں اس کی خبر لگ گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا راستہ روکنے کے لئے ایک سو صحابہ کرامؓ حضرت زید ابن حارثہؓ کی قیادت میں روانہ فرمائے، انہوں نے یہ گھیر لئے، قافلہ والے سامان چھوڑ کر بھاگ گئے، بس راستہ کا ماہر فرات ابن حیان گرفتار ہوگیا، حضرت زید ابن حارثہؓ مالِ غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ پہنچے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرات کو دعوتِ دین دی، جو صحابہ کرامؓ کے اخلاق، پیار ومحبت دیکھ کر دل میں اتر گئی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کو ایمان نصیب فرمادیا۔ رضی اللہ عنہ

(وفاءالوفاء:۱/۲۱۷)

احد کی معرکہ آرائی اور صحابہ کرام کی جانبازی

بدر کی لڑائی میں لگے ہوئے زخم ایسے نہیں تھے کہ وہ ہفتہ دو ہفتہ، مہینہ دو مہینہ میں بھر آتے! مکہ کے سرداروں کے لئے وہ ایک اَن ہونی آفت تھی، ابھی اس کا غصہ اور جوشِ انتقام دلوں میں ابل ہی رہا تھا کہ اوپر سے تازہ تازہ زخم لگتے ہی چلے گئے، پھر حضرت زیدؓ کے ان کے قافلے پر حملہ کرنے سے تو دلوں میں آگ ہی لگ گئی تھی، اس میں بھی خاص کر وہ لوگ جن کے رشتہ دار، بھائی، بیٹے یا باپ جنگ بدر میں مارے گئے تھے، ان کا جوش تو ٹھنڈا ہو ہی نہیں رہا تھا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے مزاق وتمسخر اور ہنسی کے ڈر سے بدر میں مرنے والوں پر ماتم کرنے پر بھی پابندی لگا رکھی تھی، بدر کے قیدیوں کو چھڑانے کی جلدی بھی بس رشتہ داروں کو تھی، بڑے سردار تو کہتے تھے کہ ہم ابھی اپنی طاقت سے چھڑا لیں گے، اور سب سے بڑی بات ابوسفیان کا قافلہ جہاں سے لڑائی کی ابتداء ہوئی تھی، اس کا سارا مال ابھی بھی امانت کے طور پر دار الندوہ میں رکھا ہوا تھا کہ جب تک بدلہ نہیں لیا جائے گا یہ مال مستحقین کو نہیں دیا جائے گا۔

۳ھ رمضان المبارک کے مہینہ میں یعنی جنگِ بدر سے ٹھیک ایک سال بعد مکی سرداروں نے بدلہ لینے کے لئے پنچائیت بٹھائی، جس میں سارے بڑے سردار شامل ہوئے، ابوجہل کا بیٹا عکرمہ نیز ابوسفیان اور صفوان ابن امیہ نے بڑی جوشیلی تقریریں کیں اور یہ مشورہ دیا کہ ابوسفیان کے قافلہ کا اصل مال مالکوں کو دے کر باقی سارا نفع اس جنگ میں لگایا جائے۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ اصل مال بھی لوگوں نے چندہ کے طور پر دے دیا، سب نے یہ مشورہ قبول کرلیا، مکہ پاک سے باہر قرب وجوار کے دیہاتی لوگوں کو بھی لالچ دے کر اس میں شامل کیا گیا، تقریر کرنے والوں کو جوشیلی تقریر کرنے اور شاعروں کو دلوں کو گرم کرنے والی شاعری کرنے کا کام دیا گیا، ایک بدبخت شاعر ابوعزہ جو جنگ بدر میں پکڑا گیا تھا، اور فدیہ میں دینے کے لئے کچھ مال بھی پاس نہیں تھا، اس پر احسان کرکے اس کو اس شرط کے ساتھ چھوڑا گیا تھا کہ اب تو اس طرح کی گندی شاعری نہیں کرے گا، وہ یہ وعدہ بھی بھول گیا، اور اس نے بھی لوگوں کو بھڑ کانے کی لئے شاعری شروع کردی۔

قریشی مکی لشکر مدینہ کے راستہ میں

کچھ دنوں کی محنت سے کوئی تین ہزار نوجوانوں کا لشکر تیار ہوگیا، ابوسفیان ساری فوج کا کمانڈر بنایا گیا اور خالد ابن ولید کو دوسو گھوڑے سواروں کا کمانڈر بنایا گیا، عکرمہ بن ابوجہل بھی خالد ابن ولید کے ساتھ نائب کمانڈر بن گیا، ساز وسامان کی کوئی کمی نہیں تھی، تین ہزار اونٹ! دوسو گھوڑے! باقی ضرورت کا سب کچھ اور جنگی ہتھیار بے حساب! صرف زر ہیں یعنی تلوار کے زخم سے بچنے کے لئے لوہے کے سات سو کرتے! اور جنگی نوجوانوں کو بھڑ کانے کے لئے بینڈ، باجے بھی ساتھ تھے، اس کے علاوہ پندرہ عورتیں بھی تھیں تاکہ وہ جنگ لڑنے والوں کو غیرت دلوائیں، اور وہ ان کی عزت کی خاطر دل وجان لگا کر جنگ کریں۔ یہ لشکر مکہ مکرمہ سے بینڈ باجے بجاتے اور نعرے لگاتے، اکڑتے اور اتراتے ابواء نام کی جگہ پر پہنچ گیا۔ جہاں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ صاحبہ کی قبر تھی، ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے دل کی آگ بجھانے کے لئے کہا: ''یہ قبر اکھاڑ

دی جائے، لیکن ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے منع کر دیا کہ یہ بد اخلاقی ہے، اور اس کا انجام برا ہو سکتا ہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حملہ کی خبر

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ مکہ میں ہی موجود تھے، اسلام کا اعلان تو انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ ان کا پیار اور اسلام کے ساتھ ہمدردی پہلے دن سے ہی ان کے دل میں جوش مار رہی تھی، وہ مکی سرداروں کی ہر ایک حرکت پر نظر رکھتے تھے، یہ مشورہ اور یہ جنگی تیاری بھی ان کی نظر میں تھی، مکی قریشی فوج جیسے ہی تیاری کر کے مکہ سے نکلی، انہوں نے مزدوری پر ایک شخص سارے رازوں کا خط دے کر مدینہ منورہ رحمتِ عالم ﷺ کی خدمت میں روانہ فرما کر اس کو حکم دیا کہ بہت ہی جلدی یہ خط مدینہ پہنچاؤ، اس نے اتنی تیز سواری دوڑائی کہ پانچ سو کلومیٹر کی یہ مسافت طے کر کے وہ تیسرے دن مدینہ پہنچ گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خط حضرت ابی ابن کعبؓ نے پڑھ کر سنایا، آپ ﷺ نے سب سے پہلے دو آدمی بھیجے کہ معلوم کرو یہ لشکر کہاں پہنچا ہے؟ اور اس پر نظر رکھو، معلوم ہوا کہ یہ لشکر ابواء پہنچ گیا ہے۔

آپ ﷺ نے صلاح ومشورہ کے لئے فوراً مہاجر وانصار میں سے بڑے حضرات کو طلب فرمالیا۔

صحابہ کرام سے مشورہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اور خزرج قبیلوں کے انصاری صحابہ کرامؓ اور مہاجر صحابہ کرامؓ کو بلوا کر قریشیوں کے اس تازہ حملہ کی اطلاع دی، اور اس کے بارے میں مشورہ فرمایا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنا مشورہ دیا کہ مجھے یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ہم مدینہ منورہ کے اندر رہ کر ان کا مقابلہ کریں، ہم گلیوں اور چوکوں پر دشمنوں کا ہتھیاروں سے

مقابلہ کریں گے۔ اور ہماری عورتیں چھتوں پر پتھروں کی مدد سے ان کو اندر آنے سے روکیں گی۔ اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک خواب بھی بیان فرمایا، جس کی تعبیر بھی خود ہی بتائی کہ ایک تو مدینہ منورہ ہمارے لئے محفوظ جگہ ہے، دوسرے یہ کہ اس لڑائی میں کچھ ساتھیوں کو شہادت کا اونچا مرتبہ بھی نصیب ہوگا، بدر میں شریک ہونے والے اور دوسرے بڑے صحابہ کرامؓ کا بھی یہی مشورہ تھا، اتفاق سے منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی بھی یہی رائے تھی، اس نے اپنی بات دلائل کے ساتھ بہت پکی کر کے بیان کی، کچھ تاریخی واقعات کا حوالہ بھی دیا کہ جب بھی ہم نے مدینہ میں رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا ہم جیت گئے اور دشمن ہار گئے، لیکن نیت اس کی یہ تھی کہ اس طرح میں اور میرے ساتھی گھروں میں چھپے رہیں گے۔ اور آخر میں بہادری کے قصے بھی بنالیں گے۔

دوسری طرف وہ صحابہ کرامؓ جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، ان کی یہ خواہش تھی کہ لڑائی کھلے میدان میں ہوتا کہ ہم بھی تلواروں کے کچھ جوہر دکھا سکیں، اس رائے کے ساتھ کچھ بڑے صحابہ کرامؓ بھی تھے، جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، شیرِ خدا، حضرت حمزہؓ بھی تھے، بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ میں تب تک کچھ نہیں کھاؤں گا جب تک کھلے میدان دشمنوں کے ساتھ دو، دو ہاتھ نہ کرلوں، کچھ دوسرے حضرات نے عرض کیا: کہ ہم تو آج تک اسی دن کی دعا مانگتے رہے ہیں، کہ کبھی ہمیں بھی کھلے میدان میں اپنے مالک کی رضاء کے لئے کچھ قربانی دینے کا موقع ملے! پھر آج ہم اس موقع کو کیسے جانے دیں!!

رسول اکرم ﷺ نے ان مخلص صحابہ کرام کے مشورہ پر فیصلہ فرمایا کہ کھلے میدان میں مدینہ سے باہر ہی مقابلہ کیا جائیگا، یہ امت کے لئے تعلیم تھی کہ کبھی کبھی امیر کو اپنی رائے کو چھوڑ کر ساتھیوں کا دل رکھنا پڑتا ہے۔

......☆......

ایمانی لشکر جنگ کے میدان کی طرف

مشہور روایت کے مطابق یہ ۶؍شوال ۳ھ جمعہ کے دن کی بات ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں، اس کے دین کی حفاظت کے لئے قربانی دینے کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائیں، جس سے ایمان والوں کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پھر عصر کے بعد جمع ہونے کا حکم ہوگیا۔

نمازِ عصر تک سارے صحابہ کرام تیاری کر کے ہتھیار باندھ کر تشریف لے آئے، رحمتِ عالم ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، پھر عمامہ مبارک باندھ کر! دوزرہیں پہن کر! تلوار لٹکا کر واپس تشریف لے آئے، اس موقع پر حضرت سعدؓ اور حضرت اسیدؓ بن حضیرؓ نے اندازہ لگایا کہ یہ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی خواہش پر کیا ہے، اس لئے انہوں نے ساتھیوں سے کہا کہ ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے تھا، اپنی خواہش پر نہیں! یہ بات سن کر کچھ لوگ شرمندہ ہوگئے! پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہمیں ضد نہیں کرنی چاہئے تھی، ہم سے غلطی ہوگئی! اگر آپ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں''، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی نبی کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ جسم پر ہتھیار لگانے کے بعد اس سے پہلے ہتھیار اتار دے، جب تک اللہ تعالیٰ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے، اس طرح یہ ایک ہزار آدمیوں کا لشکر تیار ہوگیا، جن میں سے سو آدمیوں کے پاس زرہیں تھیں، اور پچاس گھوڑے تھے اور کچھ لکھتے ہیں کہ گھوڑے بالکل نہیں تھے۔

مدینہ پاک سے کچھ دور ''شیخان'' نام کی جگہ پر لشکر روک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گہری نظر ڈال کر لشکر کا معائنہ فرمایا، جو کم عمر نابالغ تھے، وہ وہاں سے واپس کر دیے گئے، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح ۱۷؍لوگ واپس کئے گئے، جن کی عمر ۱۴؍سال یا اس سے کم عمر تھی،

صرف حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو چھوٹی عمر کے باوجود شریک ہونے کی اجازت مل گئی، وجہ یہ ہوئی کہ حضرت رافع ابن خدیج چھوٹے ہونے کے باوجود زبردست تیرانداز تھے، اور جب ان کو اجازت مل گئی تو اس پر حضرت سمرہؓ رونے لگے کہ میں تو ان سے زیادہ طاقتور ہوں میں ان کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کشتی کروائی، تو واقعہ ہی حضرت سمرہؓ نے حضرت رافعؓ کو پچھاڑ دیا؛ لہٰذا انہیں بھی اجازت مل گئی۔ (ابن ہشام:۵۱/۲)

یہیں شام ہوگئی، اس لئے مغرب اور عشاء کی نماز یہیں پڑھی گئی، اور یہیں پر رات گزاردی گئی۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ کی سرداری میں پچاس حضرات نے پہرہ دیا۔

منافقوں کی خطرناک چال بازی اور غداری

صبح کی نماز کے وقت سے کچھ پہلے ہی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ساتھ لے کر ادھر سے اور آگے احد کی جانب سفر شروع فرمادیا، یہاں ''شوط'' نام کی جگہ پر قیام فرمایا اور وہیں پر صبح کی نماز بھی ادا فرمائی، یہ جگہ مشرکین سے اتنی قریب تھی کہ دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ یہاں حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی صفیں لگانے ہی والے تھے کہ عبداللہ ابن ابی نے غداری کا اعلان کردیا، اس نے کہا: ''جب ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا، تو پھر ہم اپنی جان کیوں گنوائیں! پھر سارے منافق بولے کہ یہ جنگ ہے ہی کہاں؟ یہ تو سیدھا سیدھا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے، اگر یہ جنگ ہوتی تب تمہیں بھی ہماری بہادری کا پتہ چل جاتا، یہ بات کہتے ہی یہ بدبخت اپنی پارٹی کے تین سو آدمی لے کر واپس مدینہ کی طرف بھاگ گیا، حضرت عبداللہ ابن حرامؓ نے انہیں احساس بھی دلوایا کہ تم ایسے وقت میں غداری کررہے ہو!! انہوں نے کان ڈھیلے کردیے، جیسے کچھ سنا ہی نہیں، اس پر انہوں نے فرمایا: ''او خدا کے دشمنو! اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارا محتاج نہیں رکھے گا''، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب کچھ اسی لئے ہوا تاکہ چھپے

ہوئے دشمن سامنے آسکیں، دیکھو! قرآن پاک:

وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ☆وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ☆

ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت اس دن پہونچی جب دونوں لشکر ٹکرائے تھے، وہ اللہ کے حکم سے پہنچی، تا کہ وہ مؤمنوں کو بھی پرکھ کر ظاہر کردے☆اور منافقین کو بھی دیکھ لے۔اور ان (منافقوں سے کہا گیا کہ''آؤ اللہ کے راستے میں جنگ کرو یا دفاع کرو'، تو انہوں نے کہا تھا کہ:''اگر ہم دیکھتے کہ (جنگ کی طرح) جنگ ہوگی، تو ہم ضرور آپ کے پیچھے چلتے۔''اس دن جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے) وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے، وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

(سورہ آلِ عمران:۱۶۶/۱۶۷)

یہ منافقوں کی ایک زبردست چال تھی، وہ مدینہ میں بھی انکار کرسکتے تھے، اس سے پہلے بھی علاحدہ ہوسکتے تھے، لیکن ان کا ارادہ یہ تھا کہ مکہ کے مشرک ہم کو الگ ہوتا ہوا دیکھ لیں تا کہ ان کی ہمت بڑھ جائے، دوسرے دشمنوں کے سامنے سے پیچھے ہٹنے سے خود مسلمانوں میں بھی بھگدڑ مچ جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم نہ ہوتا تو ایسا ہو بھی سکتا تھا، بلکہ کچھ ہل چل تو مچ ہی گئی تھی، انہیں اس طرح جنگ کے میدان میں سے الگ ہوتے اور بھاگتے دیکھ کر دو قبیلے بنوحارثہ اور بنوسلمہ کا ایسا دل ٹوٹا کہ وہ واقعتاً ہی سوچوں میں پڑ گئے؛ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے روک کے رکھے ہوئے تھے، ورنہ شیطان تو ان کے دلوں میں زبردست وسوسے ڈال رہا تھا۔قرآن کریم نے اس بارے میں کہا:

اِذْهَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ☆

ترجمہ: (اس وقت کو یاد کرو) جب تم ہی میں سے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں، حالانکہ اللہ ان کا حامی وناصر تھا، اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

(آل عمران:۱۲۲)

اسلامی لشکر احد کی گود میں

منافقوں کے بعد اب مسلمان صرف سات سورہ گئے تھے، مقابلہ میں کافر تین ہزار تھے، جنگ کا سامان بھی ان کے پاس بہت زیادہ تھا، خیر! ایمانی لشکر کی نظر اللہ تعالیٰ پر تھی۔

رسول پاک ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہی لشکر کی ایسی صفیں بنائیں کہ پیچھے کی جانب احد پہاڑ رکھا، تاکہ دشمن کے مقابلہ میں اونچی جگہ پر رہیں، اور اگر کوئی پریشانی آئے تو پہاڑ کا سہارا لے سکیں، سامنے، دائیں طرف میدان میں قریشی لشکر تھا، اور بائیں جانب ایک اونچی سی پہاڑی جس کو آج ''جبل رماۃ'' کہا جاتا ہے، ڈر یہ تھا کہ مکی لشکر کے گھوڑے سوار اس طرف سے آکر مسلمانوں کو گھیر نہ لیں، اس لئے اس پہاڑی پر پچاس تیرانداز بٹھائے گئے، اور انہیں یہ حکم دیا گیا کہ تمہارا کام دشمنوں کو اس جانب سے آگے آکر حملہ کرنے سے روکنا ہے۔ تیروں کی بارش کے ذریعہ ان کو روکتے رہنا۔ پھر بڑی تاکید سے فرمایا: ''چاہے دشمن ہمیں قتل کردیں، یہاں تک کہ چیل کوے ہماری بوٹیاں نوچ لیں تب بھی تم ہماری مدد کے لئے نہ آنا، اور اگر آپ دشمنوں کو ہارتے اور ہمیں مالِ غنیمت جمع کرتے دیکھو تب بھی ہمارے ساتھ شریک ہونے کے لئے یہاں سے نیچے نہ اترنا، ان پچاس آدمیوں پر حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ کو امیر مقرر فرمایا گیا۔

مشرکین نے بھی صفیں سیدھی کیں، بدر کی جنگ میں ان کے خیال میں جو جو غلطیاں ہوئی تھیں ان سے بچنے کا بھی پورا انتظام کیا گیا۔

......☆......

جنگ کے شعلے اور ایمان والوں کی زبردست کامیابی

عرب کی جنگ کا وہی بدرو الا طریقہ تھا، یعنی دونوں لشکروں کی آمنے سامنے صفیں لگیں، پھر ان کی چار ٹولیاں بنائی گئیں، دائیں طرف والے ''میمنہ'' بائیں طرف والے ''میسرہ'' درمیان والے ''قلب'' اور پیچھے رہ کر مدد کرنے والے ''ساقہ''۔ پھر ایک شخص دونوں جماعتوں کے درمیان آکر للکارتا ہے ''هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ؟'' ہے کوئی میرا مقابلہ کرنے والا؟ اس طرح صفیں لگنے کے بعد مکی لشکر کے پہلوان للکارنے کے لئے آنا شروع ہوگئے، ایک ایک مقابلہ کے لئے آتا اور اسلامی لشکر کو للکارتا رہا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی عجیب قدرت کہ ایک ایک کر کے سارے مشرک جہنم رسید ہوتے رہے، یہاں تک کہ ابوعامر، طلحہ ابن ابی طلحہ، عثمان بن ابی طلحہ، ابوسعد بن ابوطلحہ، نافع بن طلحہ، حارث بن طلحہ، کلاب بن طلحہ، ارطاۃ بن عبد شرجیل، شریح بن قارظ، صواب، گیارہ للکارنے والے ایک ایک کر کے مارے گئے۔

پھر گھمسان کی جنگ چھڑ گئی، حضرت حمزہؓ اور دوسرے صحابہ کرام نے ایسا حملہ کیا کہ مشرکین کی صفیں ٹوٹ گئیں، اور میدان میں بھگدڑ کا ایک ہنگامہ بپا ہوگیا، جس میں سب ملا کر تقریباً کافروں کے ۱۴/۱۵/آدمی قتل ہوگئے، اس کے ساتھ ہی ہتھیار ڈال کر بھاگنے کا ماحول بھی بن گیا، مشرکین کی ان پندرہ عورتوں نے بھی بہت جوش دلانے کی کوشش کی، مگر وہ بھی بھاگتے فوجیوں کو روک نہ سکیں، یہاں تک کہ ایمانی لشکر کے سامنے مشرکین کی یہ تین ہزار کی فوج ایسے بھاگ رہی تھی جیسے شیروں کے سامنے بکریوں کا ریوڑ بھاگ رہا ہو۔

دوسرے صحابہ کرامؓ نے یہ منظر دیکھ کر مالِ غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا تاکہ کہیں ضائع نہ ہو جائے، قرآن کریم نے اس پر یوں تبصرہ فرمایا:

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَ☆وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ اِذْتَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ☆

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، ہم عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کیوں کہ انہوں نے اللہ کی خدائی میں ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرا رکھا ہے جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ ظالموں کا بدترین ٹھکانہ ہے۔ اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا، جب تم دشمنوں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔

(آل عمران: ۱۵۱/۱۵۲)

پہاڑی والوں کی خطرناک لغزش اور اس کا نتیجہ

یہ سب کچھ دیکھ کر وہ صحابہ کرام جو پہاڑی پر بٹھائے گئے تھے وہ ایک زبردست لغزش میں پڑ گئے، کہ دس صحابہ کرام کو چھوڑ کر باقی سب نے اپنے امیر سے اس بات کی ضد کر لی کہ اب ہم یہاں بیٹھ کر کیا کریں؟ فتح ہو گئی ہے، کافر بھاگ رہے ہیں، ہمارے ساتھیوں نے لڑائی بھی لڑی اور اب مال غنیمت بھی وہی جمع کر رہے ہیں، ہمیں چاہئے کہ اپنے بھائیوں کی مدد کریں، ان کے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ نے انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی یاد کروایا، اور سمجھا بجھا کر نیچے اترنے سے روکا بھی، لیکن ان کی سمجھ میں کوئی ایک بھی بات نہیں آئی، اس طرح وہ اس پہاڑی سے نیچے اتر گئے صرف حضرت عبداللہؓ دس ساتھیوں کے ساتھ وہاں رک گئے۔

یہ بڑی کوتاہی تھی، ساری مدد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں تھی، اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہی بات سمجھانی تھی کہ کامیابی اور ناکامی، فتح ونصرت یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے حکموں پر عمل کرنے میں ہے۔ اس کے بغیر کامیابی کبھی مل ہی نہیں سکتی؛ کیوں کہ سنتوں کو چھوڑ کر اور فرضوں کو ادا نہ کر کے طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہوتا ہے، پھر دونوں فریق ایک ہی حالت پر ہو جاتے ہیں، پھر جس کے پاس زیادہ طاقت ہوتی ہے، وہ غالب آ جاتا ہے۔

غور کریں: یہاں ایک سنت اور ایک حکم نبوی کی مخالفت ہوئی تھی، وہ بھی سات سو میں سے

صرف چالیس سے ہوئی تھی، وہ بھی ایک طرح کی اجتہادی بھول چوک تھی، اجتماعی غلطی نہیں ہوئی تھی، لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ حالانکہ خود رحمتِ عالم ﷺ کی رحمتوں اور برکتوں والی ذات میدان میں موجود ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنھم جیسے اونچی اونچی شان والے صحابہ موجود ہیں، مگر یہ لغزش ہوتے ہی ترازو کا پلڑا پلٹ گیا، اب تک صرف دو صحابہ شہید ہوئے تھے، ایک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جن پر چھپ کر وحشی نے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا تھا۔ دوسرے غسیلِ ملائکہ حضرت حنظلہؓ، جب کہ دوسری طرف لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، تقریبا کوئی چودہ، پندرہ مشرک قتل ہو چکے تھے، یا ایک روایت کے مطابق ۲۲؍لوگ قتل ہو گئے تھے لیکن یہ چوک ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی مدد ہٹ گئی، مشرکین کی بھاگتی فوجوں میں سے خالد ابن ولید جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان کے گھوڑ سوار دستہ نے پیچھے مڑ کر پہاڑی کی طرف دیکھا، کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑی تو بالکل خالی ہے، اس پر بس پانچ دس آدمی ہیں، انہوں نے باقی والوں کو بھی آواز دی، ارے سنو! سنو! بھاگو نہ! آؤ پیچھے سے حملہ کرتے ہیں! پھر کیا تھا! ان دس صحابہ کرام نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر سب شہید ہو گئے، ان کے شہید ہوتے ہی کافروں نے مسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیرے میں لے لیا، اس اچانک حملے سے مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے، حیران وششدر رہ گئے، کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا اب کیا کریں؟ کچھ اوپر احد پہاڑ کی طرف دوڑ پڑے کچھ تو دوڑتے دوڑتے مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے، مشرکین ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے، سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہے تھے، ایک ایک مشرک اس بات کی قسم کھا کر اعلان کر رہا تھا کہ یا آج میں بچوں گا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیری اور ثابت قدمی

اس اچانک حملے سے مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں، سب کے قدم اکھڑ گئے، بس ایک رحمتِ

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جو پہاڑ بن کر کھڑے تھے، اور صحابہ کرامؓ کو اپنی طرف بلا رہے تھے: اللہ کے بندو! ادھر آؤ! لیکن یہ آواز مسلمانوں سے پہلے کافروں تک پہنچ گئی، انہیں معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں، وہ ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ اسلامی جھنڈا لئے کھڑے تھے، جن پر مشرک لگاتار حملے کرتے جا رہے تھے، لیکن وہ شیر کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مشرکین کو ہٹاتے جا رہے تھے، آخر وہ مقابلہ کرتے کرتے شہید ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا، ایک اور حملہ ہوا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا مقابلہ کر کے جنت میں میرا پڑوسی کون بنے گا؟ اس پر انصاری صحابہ کرام نے ان کا مقابلہ کیا، اور مقابلہ کرتے کرتے سات صحابی شہید ہو گئے، ادھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تیروں کی بارش برسا رہے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے خوش ہوئے کہ اپنا ترکش (تیروں والا تھیلا) بھی ان کو دے کر فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! مارو ان کو!

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے گیارہ مشرکوں کا مقابلہ اکیلے کیا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس جوش سے مشرکین سے جنگ کرتے رہے کہ ان کا ایک ہاتھ ہی سن ہو گیا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے فرمایا: ''جس نے دن میں چلتا پھرتا جنتی دیکھنا ہو وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کی تو ساری جنگ ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ (ابن ہشام: ۶۲/۲)

دندان مبارک کی شہادت

اس موقع پر دشمنوں کی آخری کوشش یہی تھی کہ کسی طرح ہم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں! نعوذ باللہ! عتبہ ابن ابی وقاص نام کے ایک مشرک نے ایک بڑا پتھر اٹھا کر مارا، جس سے

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کے سامنے والے دندان مبارک میں سے دائیں طرف کا دانت مبارک شہید ہوگیا، ہونٹ مبارک زخمی ہوگیا، عبداللہ ابن شہاب نام کے ایک دوسرے ظالم مشرک نے حملہ کر کے پیشانی مبارک زخمی کردی، اتنے میں ایک مشہور پہلوان عبداللہ ابن قمیہ نے کندھے پر تلوار کا حملہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے، اس لئے زخم تو نہیں لگا لیکن دو مہینے تک اس کا درد باقی رہا، اس بد بخت نے دوسرا حملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کیا، خود (لوہے کی ٹوپی) کی دو کڑیاں آپ کے رخسارِ مبارک میں گھس گئیں، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ زخمی ہوگیا اور خون سے چہرہ مبارک تر ہوگیا۔

صحابہ کرام نے اس حملہ کا بھی مقابلہ کیا، مدینہ منورہ سے دوڑ کر کچھ عورتیں بھی پہنچ گئیں تھیں، پھر باقی عورتیں تو پانی وغیرہ پلانے کا کام کر رہی تھیں، لیکن ام عمارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مشرکین کا برابر مقابلہ کر رہی تھیں، انہوں نے ابن قمیہ کو پیچھے ہٹانے کے لئے اس پر تلوار کے دو حملے کئے، مگر اس نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں، اس لئے وہ زخمی تو نہیں ہوا لیکن پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگیا، ہاں! اس نے ان کے کندھے پر تلوار کا وار کیا، جس سے گہرا زخم لگ گیا، جس کا نشان مرتے دم تک باقی رہا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اور اس کا اثر

اس موقع پر کسی شیطان نے یہ جھوٹی خبر پھیلا دی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، اس سے پہلے سے زخموں سے چور مسلمان اور نڈھال ہو گئے، لیکن دلیر اور بہادر صحابہ کرام نے کمزوروں کو بھی ہمت دلوائی۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کچھ صحابہ کرام کو دیکھا کہ پریشان بیٹھے ہوئے ہیں، پوچھا کیا ہوا ہے؟ کہنے لگے! کیا کریں! پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں، حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بچ کر کیا کرو گے؟ اٹھو! اور اس

دین کی خاطر تم بھی جان قربان کر دو، جس دین کے پیچھے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، یہ کہہ کر کافروں پر ٹوٹ پڑے، کچھ آگے نکلے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مل گئے، انہوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ فرمانے لگے: سعدؓ مجھے احد پہاڑ کی اس طرف سے جنت کی خوش بو آ رہی ہے، پھر برابر مقابلہ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔

اسی طرح ایک دوسرے صحابی حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو دیکھا کہ کچھ گو مگو سوچوں میں پڑی ہوئی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، اب کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا: او میری قوم کے لوگو! رحمتِ عالم ﷺ اگر شہید ہو گئے ہیں تو خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے! اٹھو! تم بھی اس دین کے پیچھے اپنی جان قربان کر دو، جس دین پر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، پھر اپنی قوم کے لوگ لے کر خالد بن ولید کے گھوڑے سواروں پر حملہ کر دیا، آخر وہ اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے، لیکن خالد بن ولید اور اس کے ساتھیوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

ایک مہاجر صحابیؓ نے ایک انصاری صحابیؓ کو دیکھا جو خون میں لت پت بس آخری سانسیں لے رہے تھے، مہاجر نے کہا: ''بھائی! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے! انصاریؓ اس حالت میں بھی بولے اور کہنے لگے: حضور پاک ﷺ نے دین پہنچانے کا اپنا کام کر دیا، اب اس دین پر جان و مال قربان کرنا تمہارا کام ہے۔

ان ہمت والی باتوں سے مسلمانوں کی جان میں جان پڑ گئی، ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے، اکھڑے ہوئے قدم جم گئے، صحابہ کرام پھر جمع ہونے لگ گئے، یہ الگ بات ہے کہ اس گھمسان کی جنگ میں اپنے ساتھیوں کا بھی پتہ نہیں چل پا رہا تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں غلطی سے شہید ہو گئے، لیکن اب دوبارہ قدم جم رہے تھے، کافر بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو رہے تھے، عام صحابہ کرام کو ابھی بھی غم اس بات کا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

سب سے پہلے حضرت ابی ابن کعبؓ کی نظر یتیمِ مکہ، حبیب کبریا، رحمتِ عالم پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی، انہوں نے زور سے نعرہ لگایا: لوگو! پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کر کے چپ رہنے کا حکم فرمایا، کہ کافروں کو معلوم نہ ہوجائے، مگر صحابہ کرام تک آواز پہنچ چکی تھی، وہ سب اس طرف دوڑ پڑے، سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی طلحہ کو سنبھالو، حضرت طلحہؓ زخموں سے چور چور ہوچکے تھے، مالک بن سنانؓ نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک چہرہ سے خون صاف کر رہے ہیں، انہوں نے چوس کر وہ خون صاف کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے تھوک دو، لیکن انہوں نے محبت میں تھوکنے سے انکار کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا اس کو جہنم کی آگ کبھی نہیں چھوئی گی ''

(ابن ہشام: ۶۲/۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خَود (لوہے کے ٹوپ) کے کنڈے (کڑیوں) کو مبارک چہرہ سے نکالنے کے لیے نیچے ہوئے ہی تھے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خدا کا واسطہ دے کر کہا: ''یہ موقع تو مجھے دے دو! پھر دانتوں سے آہستہ آہستہ اس کڑی کو کھینچنے لگے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو، آخر وہ کڑی نکالنے میں کامیاب ہوگئے، لیکن اس کی وجہ سے ان کا دانت بھی ہل گیا، بلکہ گر ہی گیا، پھر دوسری کڑی بھی اسی طرح نکال لی جس سے ایک اور دانت گر گیا، لیکن انہیں اپنے دانتوں کا خیال ہی نہ تھا، بس رحمتِ عالم ﷺ پر قربان کرنے کی خوشی تھی۔

ادھر کافروں کو بھی اندازہ ہوگیا کہ رحمتِ عالم ﷺ اسی جگہ ہوسکتے ہیں، انہوں نے پوری طاقت کے ساتھ یہاں حملہ کیا، مگر صحابہ کرام کی قربانیوں کے سامنے ان کی طاقت کچھ نہ کر سکی، صحابہ کرام نے پہلے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اونچی جگہ پہنچانے کی کوشش کی، مشرک بھی سمجھ گئے کہ اگر یہ اونچی جگہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تب تو یہ بچ جائیں گے، اور کامیاب ہوجائیں گے، اس لئے انہوں نے بڑے زوروں کا حملہ کیا، ایک بڑا طاقت ور پہلوان عثمان بن عبداللہ

آگے ہوا،لیکن حارث ابن صمہؓ کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا، پھر دوسرا پہلوان عبداللہ ابن جابر اکڑتا ہوا راستہ میں آ گیا، حضرت ابو دجانہؓ جن کے پاس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تلوار تھی، اور آج انہوں نے سر پر لال پٹی باندھی ہوئی تھی، وہ آگے ہوئے اور اس کے دو ٹکڑے کر دیے، اتنے میں ایک مکی سردار ابی ابن خلف گھوڑے پر سوار حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑتا ہوا آ گیا، وہ نعرے لگا رہا تھا کہ اگر آج یہ میرے ہاتھوں بچ گئے تب میں نہیں بچ سکوں گا، صحابہ کرام اس کا کام کرنے ہی والے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو آنے دو جس وقت وہ قریب آیا، وہ لوہے کی ٹوپی اور لوہے کے کرتے میں ڈوبا ہوا تھا بس گردن پر ذرا سی جگہ خالی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں پر ایک برچھا پھینک کر مارا جس سے ذرا سا زخم لگ گیا، وہ گھوڑے پر سے گرتا گرتا چلاتا ہوا واپس بھاگا، اس کے ساتھیوں نے غیرت دلائی کہ اتنے سے زخم کی وجہ سے تو اتنا چلا رہا ہے؟ اس نے کہا: '' مجھے ایسی تکلیف ہو رہی ہے! اگر یہ سارے لشکر کو بانٹ دی جائے تو سارے مرجائیں گے، خدا کی قسم مجھے محمد نے قتل کر دیا، لوگوں نے تسلی دی! کہنے لگا: انہوں نے مجھے مکہ میں کہا تھا کہ میں ہی تجھے قتل کروں گا، ان کی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوتی، اگر یہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تب بھی میں مرجاتا، پھر اسی طرح چیختا چلاتا واپس مڑا اور سرف نام کی جگہ پر پہنچ کر مرگیا۔ (البدایہ والنہایہ:۳۵/۴)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ سلم اور اسلامی لشکر محفوظ جگہ پر

آخر کار صفوں کو چیرتے چیرتے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اونچی محفوظ جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے، ایک اونچی چٹان پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چڑھنے میں کچھ مشکل پیش آ رہی تھی، حضرت طلحہؓ بیٹھ کر سیڑھی بن گئے، اور ایک دوسرے صحابی نے سہارہ دیا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مونڈھے پر پیر مبارک رکھ کر اوپر چڑھ گئے، ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لے آئے، جس سے آپ ﷺ نے چہرہ مبارک صاف فرمایا، مگر

خون ابھی بھی بند نہیں ہو رہا تھا، حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ کے لیپ سے خون بند کیا۔ ابوسفیان نے اپنی فوج لے کر یہاں آخری حملہ کرنے کی کوشش کی؛ لیکن صحابہ کرام نے اوپر سے پتھروں کی بارش برسا کر ان کے منہ پھیر دیے، اس طرح کافر آخر ناکام ہو گئے۔ اور اس مار دھاڑ کا کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے، بلکہ آخری مرحلہ پر مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا۔

کافروں نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے مسلمانوں کی لاشوں کے ناک، کان اور دوسرے اعضاء کاٹ کر مثلہ بنانا شروع کر دیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاشِ مبارک کو بطورِ خاص چیر پھاڑ دیا، جب کہ رحمت عالم، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی ان کے لئے دعا فرما رہے تھے:

''اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ ☆ .

ترجمہ: یا اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما کیوں کہ وہ مجھے جانتے نہیں ہیں''۔

ابوسفیان نے ایک پہاڑی پر چڑھ کر زور سے آواز لگائی! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنھما کے نام لے لے کر بلانے لگا، جب کوئی جواب نہیں آیا تو بولا یہ سب شہید ہو چکے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہیں گیا، انہوں نے فرمایا: او خدا کے دشمن! یہ سب کے سب ابھی زندہ ہیں، تیری بات سن رہے ہیں، پھر اس نے حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ اور باتیں کہیں، اور کہنے لگا آئندہ سال اسی دن ہمارے اور تمہارے درمیان ایک اور جنگ ہو گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے کہہ دو ٹھیک ہے، طے ہو گیا، اور ساتھ ہی میدان بدر بھی طے ہو گیا۔

اس کے بعد مکی فوجوں نے واپسی کا انتظام کر لیا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص بھیج کر تحقیق کروائی کہ دیکھو! ان کا کیا ارادہ ہے؟ اور کہاں کا ہے؟ معلوم ہوا وہ مکہ کی طرف واپس جا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا: ''اگر یہ مدینہ منورہ پر حملہ کا ارادہ کریں گے تو ہم بھی ضرور ان کا مقابلہ کریں گے۔

لاشوں کی تلاش اور جنگ کا نتیجہ

میدان خالی ہونے پر معلوم ہوا کہ ستر صحابہ کرام کو شہادت کا اونچا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے، جن میں شہیدوں کے سردار رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ بھی تھے، جن کی چیری پھاڑی مثلہ کی ہوئی لاش دیکھ کر خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت دکھی ہوگئے، اور ان کی بہن حضرت صفیہؓ جس وقت ان کو دیکھنے آئیں، انہیں وہاں جانے سے اس ڈر سے روک لیا گیا کہ شائد برداشت نہ کرسکیں، لیکن انہوں نے فرمایا: ''کیوں نہیں! جب کہ یہ سب کچھ اللہ کے راستہ میں ہوا ہے پھر ہم کیوں نہ برداشت کریں، چنانچہ دیکھ کر صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن' پڑھا اور بخشش کی دعا کر کے چپ ہوگئیں، انہیں شہیدوں میں مصعب ابن عمیرؓ اور بدبخت ابوعامر راھب فاسق جو اصل میں مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا، لیکن اسلام کی روشنی سے گھبرا کر یہ اندھیرے کا پجاری مکہ چلا گیا تھا۔ اور آج مکی فوج کا بڑا سردار بنا ہوا تھا، اس کے بیٹے بھی تھے، جنہیں عرش سے فرشتے غسل دینے آئے تھے، یعنی حضرت حنظلہؓ! کچھ لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں کی لاشیں مدینہ منورہ لے جا رہے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سب کے لئے احد کے میدان میں ہی قبریں بنائی گئیں، اور سب کے سب یہاں ہی دفن کیے گئے۔ غریبی کی بھی عجیب شان تھی، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان دینے والے کتنے حضرات ایسے بھی تھے کہ انہیں پورا کفن بھی نصیب نہیں تھا، حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی چادریں بھی پوری نہیں تھیں، اگر سر پر ڈالتے تو پیر ننگے ہو جاتے، اور اگر پیروں پر رکھتے تو سر ننگا ہو جاتا، حکم ہوا سر کو چادر سے ڈھانپ دیا جائے اور پیروں پر اذخر نام کی گھاس ڈال دی جائے۔ اس طرح ستر صحابہ کرام کی آخری آرام گاہ احد پہاڑ کا دامن بنا، شائد یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اس پہاڑ کی طرف دیکھتے تو فرماتے: ''ھٰذَاجَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنَحْنُ نُحِبُّہٗ '' یہ ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے پیار کرتا ہے، اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔ ادھر مشرکین کا بھی کچھ کم نقصان نہیں ہوا تھا، ایک اندازہ کے مطابق

کوئی ۳۸ / لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا، ان کی لاشوں کا کیا ہوا؟ کوئی تفصیل نہیں ملتی اندازہ یہی ہے کہ وہیں کہیں جنگ بدر کی طرح کسی جگہ صحابۂ کرام نے ہی دفنائی ہوں گی۔

اسلامی لشکر مدینہ کی جانب

ہماری یہ چھوٹی سی کتاب ہے، اس میں تفصیل کہاں آسکتی ہے! ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ احد میں شہید ہونے والے ستر خوش نصیبوں میں سے کچھ لوگوں کی قربانیوں کی جھلک دکھائی جائے، سیرت لکھنے والوں نے یہاں حضرت سعد ابن ربیعؓ، حضرت عمرو بن حریثؓ، یعنی حضرت اصیرمؓ، حضرت عبداللہ ابن عمروؓ، حضرت عبدالرحمٰن ابن جحش، حضرت عمرو ابن جموعؓ، حضرت حنظلہؓ، جنہیں غسل دینے کے لئے عرش کے فرشتے اتر آئے تھے، حضرت مصعب ابن عمیرؓ اور حضرت حمزہؓ کی قربانیوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بڑی کتابوںؒ میں یہ واقعات پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان ستر ساتھیوں کو دفن کر کے راستہ بدل کر مدینہ منورہ کی جانب اس طرح مڑے کہ دل تو دکھوں سے چور چور تھا ہی، جسم مبارک بھی زخموں سے بھرا ہوا تھا، یہی حال باقی صحابہ کرام کا بھی تھا، لیکن سب اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی، صبر وشکر کے پہاڑ بنے ہوئے تھے، مرد تو تھے ہی مرد!! مدینہ منورہ کی عورتوں کی بھی عجیب شان تھی۔

راستہ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتی بہن (سالی) حضرت حمنہ بنتِ جحش آئیں انہیں بتایا گیا کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ شہید ہوگئے ہیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھ کر مغفرت کی دعا کر کے چپ ہوگئیں، پھر کسی نے بتایا کہ آپ کے ماموں حضرت حمزہؓ بھی شہید ہوگئے، انہوں نے پھر وہی کلمات دھرائے اور صبر کیا، لیکن جس وقت انہیں ان کے شوہر حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی شہادت کا معلوم ہوا تو بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی، مگر پھر بھی انہوں نے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھ کر بخشش کی دعا کر کے صبر کر لیا، اس موقع پر رسول پاک صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت کے لیے شوہر کا ایک الگ مقام ہوتا ہے''

(ابنِ ہشام: ۲/۷۸)

ایک اور انصاری عورت کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کو شوہر اور بھائی ساتھ ہی والد تینوں کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ تینوں شہید ہو گئے ہیں، اس نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بخیر ہیں، اور بحمد اللہ بالکل ٹھیک ہیں، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک نظر پڑتے ہی اچانک ان کے منہ سے نکلا ''کُــــــلُّ مُصِیبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ'' ترجمہ: آپ کے بعد ہر ایک مصیبت آسان ہے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی والدہ صاحبہ دوڑتی ہوئی آئیں، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وجہ سے ذرا رک گئے، اور ان کے بیٹے حضرت عمرو بن معاذؓ کی شہادت پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی، کہنے لگیں: جب آپ کو دیکھ لیا، پھر کوئی مصیبت، مصیبت رہی ہی نہیں''۔ حفیظ جالندھری نے اپنے الفاظ میں خوب منظر کشی کی ہے:

نہ شوہر کا نہ بیٹوں کا نہ بھائی کا خیال آیا
رسول اللہ کیسے ہیں یہی لب پر سوال آیا
رسول اللہ سلامت ہیں ملی اس کو نوید آخر
شبِ غم میں نظر آئی ضیائے صبح عید آخر

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ام سعد! خوش ہو جاؤ! اور شہیدوں کے گھر خوش خبری سنا دو کہ آپ کے سارے شہید جنت کے باغوں اور چشموں میں خوشی سے سیر کر رہے ہیں، ان کے اہلِ خانہ کے بارہ میں ان کی شفاعت قبول ہو گئی ہے، کہنے لگیں: '' حضرت! آپ ان کے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے بھی دعا فرمادیں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمادی۔

مدینہ منورہ پہنچے تو یہ ہفتہ اور اتوار کے بیچ والی رات یعنی ۷/شوال ۳ھ کی رات تھی، سب لوگ زخموں سے چور چور تھے، مگر اس کے باوجود یہ رات ہنگامی اعلان کے ساتھ گزاری گئی، مدینہ

پاک کے راستوں، گلیوں اور چوکوں پر خاص کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر خاص پہرہ اور چوکیداری کا انتظام کیا گیا؛ کیوں کہ ڈر تھا کہ مشرک کہیں پلٹ کر دوبارہ مدینہ منورہ پر حملہ نہ کر دیں۔

غزوہ حمراء الاسد

۱۶ یا ۸؍ شوال ۳ھ یعنی اتوار کے دن معلوم ہوا کہ مکہ کے مشرک احد سے نکل کر روحاء نام کی جگہ میں رکے ہوئے تھے کہ اچانک انہیں خیال آیا کہ ہم نے جنگ جیتی یا ہاری؟ بڑے سردار کہہ رہے تھے کہ جیت لی، مگر وہ نوجوان جن کی رگوں میں جوانی کا خون گردش کر رہا تھا وہ کہہ رہے تھے اگر جیت لی تو ہم میدان سے کام ختم کرنے سے پہلے واپس کیوں آئے؟ اس پر لشکر کے سردار ابوسفیان کو بھی خیال آیا کہ مسلمان تو نڈھال ہو چکے تھے، ہمیں مدینہ پر حملہ کر کے اس چراغ کو ہمشہ کے لئے بجھا ہی دینا چاہئے تھا، اس پر صفوان نے کہا: ''مسلمان اس وقت زخمی شیر کی طرح پورے جوش میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ تمہارا ہی کام ہو جائے، ابھی یہ باتیں چل ہی رہی تھیں کہ مدینہ میں خزاعہ قبیلے کے سردار معبد خزاعی - جو مسلمان تو نہیں ہوئے تھے لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے اور تعزیت کر کے واپس جا رہے تھے - کہ وہ یہاں پہنچ گئے، انہوں نے ابوسفیان سے کہا: ''مسلمان اتنی بڑی فوج لے کر تیرا پیچھا کر رہے ہیں کہ تو کبھی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا، یہ بات سنی تھی کہ سارے لشکر کی ہوا نکل گئی۔

ادھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے ہی مکی لشکر کے واپس پلٹنے کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بھیج کر احد میں شریک ہونے والے سارے صحابہ کرام کو بلوا لیا، صحابہ کرام زخموں سے چور چور تھے، لیکن حکم ملتے ہی اک دم جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: بس وہی لوگ ساتھ جائیں گے جو احد میں شریک تھے، عبداللہ ابن ابی منافق بھی کہنے لگا کہ مجھے بھی اجازت دو میں بھی ساتھ چلوں گا، لیکن اس بے شرم کو بالکل اجازت نہیں دی گئی، اس کے مقابلہ

میں حضرت جابر بن عبداللہ جن کے والد حضرت عبداللہ احد میں شہید ہو گئے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ احد میں والد صاحب گئے تھے؛ اس لئے مجھے گھر رہنا پڑا، اب مجھے اجازت دی جائے، انہیں اجازت دے دی گئی۔

ابوسفیان اور مکی لشکر کو جس وقت اس حقیقی تیاری کا پتہ چلا، ان کے تو ہوش اڑ گئے، اور سب مکہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن جاتے جاتے قبیلہ قیس کے ایک شخص ابونعیم کو کچھ دے کر تیار کیا کہ تم ہماری طرف سے مسلمانوں کو ڈراؤ! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے کوئی ۱۳/۱۴ رکلومیٹر دور، حمراء الاسد تک ان کا پیچھا کیا، اور جب معلوم ہوا کہ وہ بھاگ گئے ہیں، تو یہیں کچھ دن قیام فرمایا جہاں صحابہ کرام نے کچھ تجارت کر کے نفع کمایا اور مسلمانوں کا رعب بھی سارے علاقے کے دل پر بیٹھ گیا، یہیں پر ابونعیم نے مسلمانوں کو قریشی لشکر سے ڈرانے کی کوشش کی؛ لیکن صحابہ کرام ڈرتے کیا؟ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اور تازہ دم ہو گئے۔ قرآن کریم نے ان احوال پر اس طرح تبصرہ فرمایا:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ☆فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِيْمٍ ☆ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَاتَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ☆

ترجمہ: وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ''یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لئے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا، اور وہ بول اٹھے کہ: ''ہمارے لئے اللہ کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے''۔ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے، اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے''۔ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہذا اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ اور بس

میرا خوف رکھو۔ (آلِ عمران:۳/۱۷۲/۱۷۴/۱۷۵)

غزوۂ احد کی فتح اور ہار اور پھر فتح پر قرآنی تبصرہ

جس طرح غزوہ بدر کے بعد سورہ انفال میں غزوہ بدر میں ہونے والی باتوں پر تبصرہ فرمایا گیا، بالکل اسی طرح غزوہ احد میں پیش آنے والے سارے حالات پر سورہ آل عمران کی ساٹھ آیات نازل ہوئیں، جن کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ غزوہ احد پر ایک طرح کا خدائی تبصرہ ہے،

ان آیات کی تفصیل تو تفسیروں میں دیکھی جا سکتی البتہ چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے: غزوہ احد میں مسلمانوں کا بہت بڑا نقصان ہوا تھا، ہاں! یہ بات الگ ہے کہ مکی فوجوں کا بھی کچھ کم نقصان نہیں ہوا، اور شکست وہ بھی کسی کو نہیں دے سکے، ہم اس جنگ کو تین دوروں میں بانٹ سکتے ہیں: پہلے دور میں یقیناً مسلمان کامیاب تھے، اور مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ دوسرے دور میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا، لیکن انہوں نے میدان نہیں چھوڑا، نیز وہ کافروں کا گھیرا توڑ کر اونچی جگہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ تیسرے دور میں مشرک مدینہ پر حملہ کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے نہیں کیا، اور نہ مسلمانوں سے مال غنیمت چھین سکے، اور نہ آخری فیصلے کے لئے جنگ کر سکے؛ بلکہ اس زمانے میں کسی فوج کو پچھاڑنے کی جو سب سے بڑی نشانی تھی کہ غالب فوج کم از کم تین دن تک میدان میں رہ کر دشمن کو للکارتی رہتی تھی، مکی فوج یہ بھی نہ کر سکی، بلکہ مکی فوج تو مسلمانوں سے بھی پہلے میدان چھوڑ کر بھاگ گئی تھی، پھر اس کو جیت جانا ہم کیسے مان لیں!

لیکن مسلمانوں کا اتنا بڑا نقصان ہوا کیوں؟ اللہ تعالی کی مدد تھوڑی دیر بند کیوں ہوئی؟ قرآن کریم نے اس کے تقریبا ۱۳ جواب دیے ہیں، اور اصل راز بیان فرما کر اس کے پیچھے چھپی ہوئی حکمت سے پردہ اٹھایا ہے، مثلا یہ حکمت کہ مسلسل لگا تار کامیابی کے ساتھ تو ہر کوئی اسلام کا دعویدار اور مدعی بن سکتا ہے، ان مصیبتوں کے ساتھ ہی تو سچے جھوٹے، کھرے کھوٹے، کالے سفید، کچے

پکے، اور مومن ومنافق کی پہچان ہوتی ہے، عبداللہ ابن ابی جیسے دل کے کالے تو ایسے ہی موقع پر سامنے آسکتے ہیں، ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی کہ ان مصیبتوں کے ساتھ ہی تو ایمان والوں کو اونچے اونچے مرتبے اور خوش نصیبوں کو شہادت کے درجے نصیب ہوتے ہیں، اور دین کے سچے عاشقوں کو اپنی عاشقی دکھانے کا موقع ہاتھ آتا ہے، لیکن اصل بات جو گھما پھرا کر کئی کئی بار بیان فرمائی گئی تا کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی کامیابی نہ ہتھیاروں کے زور پر ہے، اور نہ فوجوں کی کثرت پر! اور نہ ہی لشکر کی بہادری پر ہے، بلکہ بڑے بڑے بزرگوں کے ساتھ ہونے پر بھی نہیں؛ کیوں کہ کائنات میں جتنے بڑے بزرگ ہو سکتے تھے وہ تو سب احد میں موجود تھے! وہ بات یہ ہے کہ ایمان والوں کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار صرف اور صرف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر اور سنتوں پر عمل کرنے میں ہے۔

دیکھو! یہاں غلطی سب سے نہیں ہوئی، بلکہ سات سو میں سے صرف چالیس آدمیوں سے ہوئی تھی، وہ بھی اجتہادی غلطی ہوئی تھی، وہ بھی شیطان کے وسوسہ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ دیکھیے قرآن کریم:

اِنَّ الَّـذِيْـنَ تَـوَلَّـوْا مِـنْـكُـمْ يَـوْمَ الْتَـقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا☆

ترجمہ: تم میں سے اس دن جن لوگوں نے پیٹھ پھیری جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، درحقیقت ان کے بعض اعمال کے نتیجے میں شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا تھا۔

(آل عمران: ۱۵۵)

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ پہلی غلطی مالِ غنیمت کا خیال آنا تھا، جس کی وجہ سے شیطان کو وسوسہ کا موقع ہاتھ لگ گیا، چونکہ ایک غلطی دوسری غلطی کو دعوت دیتی ہے اس لیے دوسری غلطی یہ ہوگئی کہ وہ پہاڑی پر سے نیچے اتر آئے، اور اس غلطی کے لئے بھی آخر میں یہ اعلان ہو گیا کہ

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ☆

ترجمہ: اور یقین رکھو کہ اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے (آل عمران:۱۵۵)

یہ اعلان کئی کئی بار کیا گیا، لیکن اس اجتہادی اور معاف ہو جانے والی غلطی کا بھی یہ نتیجہ نکلا کہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ اصل میں اس کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے کامیابی اور ناکامی کے راز واضح کیے جا رہے تھے، اسی لئے ساری حکمتوں اور سارے رازوں کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کرتے ہوئے اعلان فرمایا گیا:

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَاغَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَاالَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ☆

ترجمہ: اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں تنہا چھوڑ دے، تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مؤمنوں کو چاہئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں (آل عمران:۱۶۰)

یعنی تمہاری کامیابی اور ناکامی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کہ اگر اس کی مدد ساتھ ہو تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آسکتی! اور اگر کبھی تمہارے اعمال کی وجہ سے اس کی مدد تمہارے ساتھ نہ ہو تو پھر تم ہی بتاؤ دنیا میں کون تمہارا مددگار ہو سکتا ہے؟

ایمان والوں کو بس اللہ تعالیٰ پر ہی یقین کرنا ہے، اور وہ طریقے ڈھونڈنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کس طرح آتی ہے؟ جواب صاف ہے کہ جب جنگ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہو اور نظر اس کی مدد پر ہو اور عمل اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر کیا جا رہا ہو، پھر دنیا میں ایمان والوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اس کا نظارہ بدر کے میدان میں کروایا دیا گیا تھا۔ جب ۳۱۳ نہتے کمزوروں نے ہتھیاروں میں ڈوبی ہوئی ایک ہزار فوج کو کھلے میدان پچھاڑ دیا تھا، اسی سورہ آل عمران میں غزوہ احد کے تذکرہ سے پہلے یہی بات بیان فرمائی گئی ہے، دیکھیے:

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ فَاتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ☆

ترجمہ: اللہ نے تو جنگ بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ لہذا صرف اللہ کا خوف دل میں رکھو، تاکہ تم شکرگزار بن سکو۔

(سورہ آل عمران ر۱۲۳)

اور اگر جنگ اس کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں اور ان کی سنتوں کی مخالفت کر کے ہوگی تو اس کا نقشہ احد میں دکھادیا گیا، اس پر اس طرح تبصرہ فرمایا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ☆

ترجمہ: اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا، جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا۔ تم میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے، اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے ان سے تمہارا رخ پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا، اور اللہ مؤمنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۱۵۲)

میں نے یہ بات ذرا تفصیل سے لکھی ہے؛ کیوں کہ آج دنیا میں ایمان والے بہت کچھ کر رہے ہیں اور اپنی ناکامیوں پر رودھو بھی رہے ہیں؛ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ناکامی سے دوچار کیوں ہو رہے ہیں، اس لئے کہ فرض چھوڑے جا رہے ہیں، سنتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، اور دعا یہ مانگ رہے ہیں کہ ہمیں کامیابی نصیب ہو جائے! کیسے ہو سکتی ہے؟ کیوں نہیں غزوہ احد پر غور کرتے! اور کیوں نہیں سورہ آلِ عمران پڑھتے! ایک بات اور ہے کہ نظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو! نہ اپنی تعداد پر اور نہ ہتھیاروں پر! اس کے لئے غزوہ حنین پر غور کر لیجیے اور سورہ توبہ

پڑھیے!

آج دنیا میں اس طرح کی جتنی بھی کوششیں کی جارہی ہیں اکثر جگہ اس میں اس بات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا جارہا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کینسر کے مریضوں کو اوپر سے مالش کرتے رہیں اور اندر کی گندگی اپریشن کر کے نہ نکالیں، بیماری اصل میں اندر چھپی ہوئی بے دینی ہے، وہ جب تک نہیں جاتی تو ظاہری محنت سے کچھ نہیں ہوتا۔

رجیع کا دردناک قصہ

غزوہ احد میں مکہ کے قریش اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام ہوگئے تھے، کیوں کہ ستر مسلمان بیشک شہید ہوگئے تھے، لیکن مدینہ کی اسلامی حکومت تو پہلے سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوگئی تھی، حمراء الاسد تک قریشیوں کا پیچھا کرنا اس بات کا زندہ ثبوت تھا، اس لئے احد کے بعد انہوں نے گھناونے طریقوں سے مسلمانوں کو ستانا شروع کردیا۔

رابغ اور جدہ کے درمیان عضل او رقارہ نام کے دو قبیلے رہتے تھے، قریشیوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ان کو اکسانا شروع کردیا، چنانچہ ۴ھ صفر کے مہینہ میں عضل اور قارہ کے کچھ لوگ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہمارے قبیلے اور ہمارے علاقہ کے لوگ اسلام کو بہت چاہتے ہیں، اسکی تعلیمات کے لئے تڑپ رہے ہیں، آپ کچھ پڑھے لکھے مسلمان ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، تاکہ وہ ان کو ٹھیک طرح سے تبلیغ کرسکیں، رحمتِ عالم ﷺ نے ان کی باتوں کا اعتبار فرمایا اور حضرت عاصم بن ثابتؓ کی سرداری میں دس صحابہ کرام کو ان کے ساتھ بھیج دیا، لیکن ان کے دلوں میں چور چھپا ہوا تھا جس وقت یہ صحابہ کرام رجیع نام کے کنویں کے پاس پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے، ان کافروں نے غداری کی بنولحیان قبیلہ کے لوگ ساتھ لے کر ان پر حملہ کردیا، حضرت عاصم ابن ثابتؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑی پر چڑھ گئے، دشمنوں نے دوسو تیرانداز لے کر ان کو گھیر لیا، اور قسم کھا کر کہنے لگے: ”کہ

آپ نیچے آجائیں ہم آپ کو قتل نہیں کریں گے''، حضرت عاصم بن ثابتؓ نے فرمایا: ''میں کسی کافر کے عہد ومعاہدہ کا اعتبار نہیں کرسکتا، آخر دونوں جماعتوں میں جنگ چھڑ گئی، جس میں سات صحابہ کرام شہید ہوگئے جن میں حضرت عاصمؓ بھی تھے، انہوں نے شہادت کے وقت دو دعائیں کیں:
ایک یہ کہ اے خدا! تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حال کی خبر فرمادے (بخاری) اور ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے حبیب ﷺ کو خبر دے دی۔

دوسری دعا یہ فرمائی کہ میرے خدا! آج میں تیرے دین کی حفاظت کرتے کرتے جان دے رہا ہوں، تو اپنے کرم سے میرے جسم یعنی لاش کی حفاظت فرمایئے! یہ دعاء اس لئے فرمائی؛ کیوں کہ جنگ احد میں ان کے ہاتھوں مکہ کی ایک بوڑھی سلافہ بنت سعیدہ کے دو بیٹوں کا قتل ہوا تھا، تو اس نے اعلان کیا تھا کہ جو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر لا کر دے گا، اس کو سو اونٹ دوں گی، اور ان کی کھوپڑی میں شراب پی کر اپنا دل ٹھنڈا کروں گی۔

شہادت کے بعد مکہ کے مشرک ان کا سر لینے کے لیے آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے بھڑوں کا ایک بہت بڑا غول ان کی لاش کی چاروں طرف اس طرح بٹھادیا کہ کافر ان کے قریب بھی نہ پھٹک سکے پھر رات اس زور سے سیلاب آیا کہ لاش ہی گم ہوگئی۔ (ابن ہشام: ۲/۱۳۱)

باقی بچے تین صحابہ کرامؓ یعنی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن طارقؓ، کافروں نے ان کے ساتھ بڑے وعدے کئے کہ آپ نیچے آجاؤ، ہم کچھ نہیں کریں گے، لیکن وہ جیسے ہی پہاڑ سے نیچے اترے کافروں نے ان کو باندھنا اور مشکیں کسنا شروع کردیا، اس پر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تمہاری پہلی غداری ہے، اور یہ کہہ کر زمین کے ساتھ ایسے چمٹ گئے کہ کافر لاکھ کوشش کے باوجود ان کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکے، آخر بے بسی کی حالت میں اسی جگہ انہیں شہید کردیا۔ اور ابن ہشام کی روایت ہے کہ انھوں نے زبردست مقابلہ کیا آخر وہ شہید ہوگئے۔

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید ابن دثنہ رضی اللہ عنہ کو وہ باندھ کر مکہ لے گئے، وہاں حضرت خبیبؓ کو حارث ابن عامر کے بیٹوں نے خرید لیا کہ ہمارے باپ کو انہوں نے بدر میں مارا تھا، ہم اس کے بدلے ان کو قتل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کریں گے، اور حضرت زیدؓ کو صفوان ابن امیہ نے خرید لیا، جس کا باپ امیہ ابن خلف بدر میں مارا گیا تھا۔

پھر صفوان بن امیہ نے تو حضرت زید ابن دثنہ ؓ کو اسی وقت قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر تنعیم میں بھیج دیا، جہاں قتل کا تماشہ دیکھنے اور نظارہ کرنے کے لئے ایک خلقت جمع تھی، اسی موقع پر ابوسفیان نے کہا تھا: زید! کیوں! کیا تو یہ بات پسند کرے گا کہ تیرے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کئے جائیں، اور تجھے چھوڑ دیا جائے، پھر تو آرام سے اپنے بیوی بچوں میں رہے؟ حضرت زیدؓ نے بہت آرام واطمینان سے جواب دیا کہ مجھے یہ بات بھی برداشت نہیں کہ میری رہائی کے بدلے میں دو جہاں کے بادشاہ اللہ کے حبیب ﷺ کو کانٹا بھی چبھے! کافر یہ بات سن کر حیران وششدر رہ گئے، اور آخر وہ قتل کر دیے گئے۔ رضی اللہ عنہ

حضرت خبیبؓ کافی عرصہ تک بھوکے پیاسے ان کی قید میں رہے، آخر جس وقت انہوں نے قتل کا منصوبہ بنایا، مکہ میں تماشا دیکھنے کے لئے عام اعلان کیا گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث کی بیٹی زینب سے (جو بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں) صفائی کے لئے استرہ مانگا۔ وہ استرہ دے کر اپنے کام میں لگ گئی، اتنے میں اس کا چھوٹا سا بچہ کھیلتا کھیلتا حضرت خبیبؓ کی گود میں جا بیٹھا، اس نے جیسے ہی بچہ ان کی گود میں دیکھا تو ایک چیخ نکل گئی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس! تو کیا سوچتی ہے؟ کیا میں تمہاری غداری کی سزا اس معصوم بچے کو دوں گا؟ اور اس معصوم بچے کو قتل کر دوں گا؟ مسلمان ایسی بات کبھی نہیں کر سکتا، (اسی پر بعد میں حضرت زینبؓ کو ایمان نصیب ہوا) حضرت زینبؓ بنت حارث ہی کی یہ روایت بھی ہے کہ میں نے قید میں ان کے پاس انگور کے بڑے بڑے گچھے دیکھے جب کہ اس وقت مکہ میں انگور کیا؟ کھجور بھی نہیں تھیں، یہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

آخر وہ بھی قتل کے لئے حرم سے باہر تنعیم لے جائے گئے، جہاں قتل اور سولی کا منظر دیکھنے کے لئے بہت بڑی خلقت آ جمع ہوئی تھی۔ تنعیم پہنچ کر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے مکہ کے سرداروں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، انہوں نے نماز کی اجازت دے دی، پھر بڑے اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا: ''دل کر رہا تھا کہ اور لمبی لمبی رکعت پڑھتا؛ لیکن مجھے یہ خیال رہا کہ تم سوچو گے کہ موت کے ڈر سے یہ لمبی لمبی نمازیں پڑھ رہا ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ''حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے موت سے پہلے نماز پڑھنے کی رسم جاری کی، جس پر ان کے بعد بہت سارے خوش نصیبوں نے عمل کیا تا کہ انسان کی زندگی کا آخری کام نماز پڑھنا ہو جائے۔

حضرت خبیبؓ کو بھی سولی پر چڑھانے سے پہلے بہت لالچیں دی گئیں کہ وہ کسی طرح اپنے موقف سے پیچھے ہٹ جائیں، حضرت سعید ابن عامر رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں یہ اس وقت چھوٹی عمر کے تھے اور سولی کا تماشا دیکھنے کے لئے سب سے آگے آگے کھڑے تھے، انہیں حضرت خبیبؓ کی ثابت قدمی دیکھ کر ایمان نصیب ہو گیا تھا، پھر بعد میں جس وقت وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حمص کے گورنر بنائے گئے تو وہاں کے لوگوں نے شکایت کی کہ وہ اچانک بے ہوش ہو جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجہ معلوم فرمائی، تو انہوں نے فرمایا: مجھے کوئی مرگی وغیرہ نہیں پڑتی! بلکہ میں جس وقت حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کی بات یاد کرتا ہوں تو بے ہوش ہو جاتا ہوں، (کہ انہوں نے اسلام کی خاطر اللہ تعالیٰ کی محبت میں کیسی قربانی دی!)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دکھ بھرے قصہ پر بہت زیادہ صدمہ ہوا، کافروں نے حضرت خبیبؓ کی نعش مبارک سولی پر لٹکتی ہوئی ہی چھوڑ دی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد ابن اسودؓ لاش دفن کرنے کے لئے بھیجے، انہوں نے حضرت خبیبؓ کی نعش اتار کر دفن فرمائی، چالیس دن ہو چکے تھے لیکن نعش مبارک بالکل تازہ تھی۔

حضرت خبیبؓ نے سولی سے کچھ دیر پہلے اس موقع پر کچھ اشعار پڑھے تھے، جن میں آخر کے

یہ دو اشعار آپ بھی پڑھ کر ان کے دلی ارمان کا اندازہ کر سکتے ہیں:

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰہِ مَضْجَعِیْ

وَذَالِکَ فِیْ ذَاتِ اِلٰہِ وَاِنْ یَشَاء یُبَارِکُ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

ترجمہ: میں مسلمان ہو کر شہید ہو جاؤں پھر مجھے اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کہ اللہ کے راستے میں کس پہلو پر گروں اور جب یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے ہے پھر وہ چاہے تو ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے ایک ایک جوڑ میں برکت عطا فرمادے! (بخاری۴۰۸۶، زرقانی:۶۸/۲)

بئر معونہ کا دردناک حادثہ

اللہ تعالیٰ کے امتحان بھی عجیب ہوتے ہیں، اوپر بیان کردہ رجیع والے قصے کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا، کہ اسی صفر کے مہینے ۴ھ میں ایک اور بہت ہی دردناک قصہ پیش آ گیا، مکہ اور عسفان کے درمیان بنو عامر، بنو سلیم، بنو ہذیل نام کے قبیلے رہتے تھے، یہاں سے بنو عامر قبیلہ کا ابو براء عامر بن مالک نام کا ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی، لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہنے لگا: میں بھی اس بارے میں سوچوں گا اور اگر آپ کچھ صحابہ کرام کو ہمارے علاقہ میں بھیج دیں گے جو لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کریں، تو اس طرف کے سارے لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان لوگوں پر بھروسہ نہیں''، اس نے کہا: ''ہمارے قبیلے کا سردار میرا بھتیجا عامر بن طفیل ہے، آپ ان کو میری پناہ میں بھیجو میں ان کا ذمہ دار ہوں''۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ صفہ میں سے بخاری شریف کی روایت کے مطابق ستر صحابہ کرامؓ چن چن کر جو قرآن کریم کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے کی وجہ سے قاری کہلائے جاتے تھے، حضرت منذر ابن عدیؓ کی قیادت میں اس علاقے میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ان کے ساتھ بھیج دیے، یہ سفر طے کرتے کرتے بئر معونہ کے اس کنویں تک پہنچ گئے، جس کنویں کے نام پر اس

علاقہ کو بئر معونہ کہا جاتا تھا۔ یہاں پہنچ کر مشورہ کے ساتھ سب نے حضرت حرام ابن ملحانؓ صحابی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر وہاں کے سردار عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، اس ظالم کو پہلے ہی سارا قصہ معلوم ہو چکا تھا، اس نے خط مبارک پڑھا بھی نہیں تھا کہ منصوبہ کے مطابق اپنے ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے ان کی پیٹھ کے پیچھے سے چھپ کر ایسا برچھا مارا جو سینہ سے پار ہو گیا، حضرت حرامؓ کی زبان سے بے ساختہ نکلا ''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ '' کعبہ کے رب کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا''۔

عامر بن طفیل نے دوسرے صحابہ کرامؓ کو قتل کرنے کے لئے اپنے قبیلے بنو عامر کو جنگ پر ابھارنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس کے چچا ابو براء کی پناہ دینے کی وجہ سے انکار کر دیا، اس پر اس نے دوسرے قبائل کو دعوت دی، جس پر عصیہ، رعل، اور ذکوان نام کے قبیلے اس کی مدد کرنے آ گئے، سب نے مل کر ان نیک ہستیوں کے قافلے پر حملہ کر دیا، صحابہ کرامؓ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن آخر کار سب ہی شہید ہو گئے، بس ایک صحابی حضرت کعب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نعشوں کے نیچے کسی طرح بچ گئے۔ جو پھر غزوہ خندق تک زندہ رہے اور غزوہ خندق میں شہید ہو گئے۔

اور دو صحابۂ کرام حضرت منذر بن محمدؓ اور حضرت عمرو ابن امیہ ضمریؓ اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے وہ اس لئے بچ گئے، انہوں نے جس وقت حادثہ والی جگہ کوّے اڑتے دیکھے تو وہ پریشان ہو گئے، یہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں! سارے ساتھی شہادت کے تخت پر سو رہے ہیں، آپس میں مشورہ کیا، حضرت عمرو ابن امیہؓ نے فرمایا: ہم سیدھے مدینہ چلتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دیتے ہیں، حضرت منذرؓ نے فرمایا: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وحی کے ذریعہ بھی خبر ہو جائے گی، لیکن ہم شہادت کا موقع کیوں ہاتھ سے جانے دیں، دونوں نے کافروں کا مقابلہ کیا، حضرت منذرؓ کو تو شہادت کا اونچا مرتبہ نصیب ہو گیا، لیکن حضرت عمرو ابن امیہ ضمریؓ گرفتار ہو گئے، عامر ابن طفیل کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی ہوئی تھی اس نے ان

کی پیشانی کے بال کاٹ کر ماں کی منت میں یہ آزاد کر دیے۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دردناک قصہ سنایا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے پر اتنا دکھ ہوا کہ اتنا دکھ کسی اور پریشانی اور مصیبت پر نہیں ہوا تھا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان دو دردناک قصوں کے بعد آپ ﷺ نے ۳۰؍دن تک فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھی اور ان قبائل کا نام لے لے کر ان کے لئے بددعاء فرمائی، ۳۰؍دن بعد جس وقت یہ وحی نازل ہوئی کہ صحابہ کرام کو ان شہیدوں کی طرف سے یہ خبر دی جائے کہ ''ہم اپنے رب سے ایسے حال میں ملے کہ وہ ہم سے راضی اور ہم اس سے راضی ہیں (بخاری شریف ۴۰۸۸)

پھر آپ ﷺ نے قنوت نازلہ پڑھنی چھوڑ دی، دراصل ان دردناک قصوں نے احد کے زخموں پر بھی نمک چھڑک دیا تھا۔

ان شہیدوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام، اور حضرت رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے والے حضرت عامر ابن فہیرہ ؓ بھی تھے، شہادت کے وقت ان کی زبان پر بھی بے ساختہ ہی یہ الفاظ آ گئے تھے ''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ'' رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا، یہ الفاظ سن کر ان کو شہید کرنے والا جبار ابن سلمی حیران و ششدر ہو گیا کہ اس میں کامیاب ہونے والی کیا بات ہے؟ لیکن جب اس پر گہرائی سے غور و فکر کیا نیز کچھ دوسرے ایمان والوں سے اس کا مقصد دریافت کیا تو اللہ نے اس کو بھی ایمان نصیب فرما دیا، بلکہ مزید ان کے ساتھ دوسرے بہت سے حضرات بھی اسی جملہ کی برکت سے نورِ ایمان سے منور ہو گئے۔

قبیلہ بنو نضیر کے یہود کی غداری اور اس کی سزا

بیر معونہ کے حادثہ میں بچ جانے والے صحابی حضرتِ عمرو ابن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ کی طرف واپس آ رہے تھے، تو ایک مقام پر آرام کے لئے سایہ میں تشریف فرما ہوئے تھے کہ اچانک وہاں قبیلہ بنو کلاب کے دو آدمی بھی آ بیٹھے، تھوڑی دیر بعد ان دونوں کی آنکھ لگ گئی،

حضرتِ عمرو ابن امیہ ضمریؓ نے ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا۔

حضرت عمرو ابن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تو یہ سوچ رہے تھے کہ میں نے اپنے ۶۸ ساتھیوں میں سے کم سے کم دو کا بدلہ تو لے لیا، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔

حضرت عمرو ابن امیہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر بئر معونہ کی تفصیل سے خبر دی، جس پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہوئے، لیکن جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے قتل کی خبر ہوئی تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور زیادہ صدمہ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ کیا کر دیا آپ نے! بیشک یہ لوگ کافر تھے، لیکن ہماری ان سے تو کوئی جنگ نہیں تھی۔ ہم کسی کے جرم کی سزا کسی دوسرے کو تو نہیں دے سکتے!

پھر ارشاد فرمایا: ''اس پر تو ہمیں دیت دینی پڑے گی، ابھی یہ باتیں چل ہی رہی تھیں کہ بنوکلاب کے لوگ آپہونچے کہ آپ کے ساتھی نے ہمارے دو جوانوں کو قتل کر دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک ہمارے بندے سے غلطی ہوئی ہے، ہم اس کی دیت ضرور ادا کریں گے۔ یہ قتل چوں کہ غلطی اور بھول سے ہوا تھا؛ اس لئے اس کی دیت سب نے مشترک طور پر ادا کرنی تھی، جس کے لئے سب نے چندہ دینا تھا، اور معاہدہ کے مطابق یہودی قبیلہ بنونضیر نے بھی اس چندہ میں شریک ہونا تھا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی چندہ کے سلسلے میں، ان کے محلے میں تشریف لے گئے، وہ ظاہری طور پر بڑے اچھے اخلاق اور میٹھے انداز سے پیش آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکان کی منڈیر کے نیچے بٹھا کر کہنے لگے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ دیر یہاں آرام فرمائیں، ہم خود چندہ جمع کر کے لاتے ہیں، مگر اندر جاتے ہی ان کی نیت بدل گئی اور کہنے لگے، اس سے اچھا موقعہ اور کون سا ہاتھ آئے گا، پھر صلاح و مشورہ کر کے چکی کا وزنی (پاٹ) چھت پر چڑھانے لگے کہ اوپر سے گرا کر-نعوذ باللہ- اس چراغ کو ہمیشہ کے لئے بجھا ہی دیتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ آرام سے بیٹھے ہوئے تھے ، کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس ناپاک سازش کی خبر دی ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ سے وہاں سے اٹھے اور سیدھے مدینہ منورہ تشریف لائے ، تھوڑی دیر تک صحابہ کرام بھی انتظار کر کے واپس مدینہ منورہ کی طرف لوٹ آئے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ساری بات بتائی اور حکم دیا کہ ان ناپاکوں کو اس پاک زمین سے نکالنا ضروری ہے ، ان گندے لوگوں کو یہ مقدس سرزمین قبول نہیں کر رہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نوٹس بھیج دیا کہ تم ناپاک لوگ اس پاک زمین کو فوراً خالی کر دو۔ یہودی بہت ڈرپوک قوم تھی وہ کبھی بھی کسی دور میں بھی مردِ میداں نہیں رہے تھے ، ان کا کام تو ہمیشہ سے دوسروں کو بھڑکانا اور سازش کرنا تھا ، پھر بنوقینقاع کی جلاوطنی اور کعب ابن اشرف یہودی کے قتل نے تو ان کی کمر ہی توڑ دی تھی۔ لیکن ایک تو اوپر گزرے ہوئے دو واقعات یعنی بئر معونہ اور رجیع کے بعد وہ شیر ہو گئے تھے اور ان کے دلوں میں شیطانی سازشیں جنم لینے لگ گئیں تھیں کہ جس طرح ان لوگوں نے دھوکہ سے اتنے مسلمانوں کو قتل کر دیا ، ہم بھی تو ایسا کر سکتے ہیں۔ دوسرے عبداللہ ابن ابی منافق نے ان کو پیغام بھیجا کہ تم ڈٹ کر رہنا ، پیچھے نہ ہٹنا ، ہتھیار نہ ڈالنا میں بہت بڑی جماعت لے کر تمہاری مدد کے لئے آ رہا ہوں۔ ان دونوں باتوں کی وجہ سے ان کے سسکتے ہوئے جسم میں پھر سے جان پڑ گئی اور انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ کو صاف صاف جواب دے دیا کہ آپ ﷺ جو کر سکتے ہیں کر لیں ، ہم ہتھیار ڈالنے والے نہیں ہیں۔

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی یہ جواب سن کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور مقابلہ کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ حالات بہت مشکل تھے احد کی لڑائی کے زخم ابھی تازہ ہی تھے ، کہ مسلمانوں کی دو تبلیغی جماعتیں دھوکے سے قتل کر دی گئیں تھیں ، لیکن اس وقت یہودیوں کی للکار کا جواب نہ دینا

بھی بہت خطرناک تھا؛اس لئے ان کا مقابلہ کیا گیا، یہودی اپنے قلعوں میں چھپ گئے اور چھت پر سے پتھر مارنے لگ گئے نیز قلعوں کی برجیوں میں سے تیر برسانے لگے،لیکن صحابہ کرام نے انہیں گھیرے میں لے لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے دلوں میں ایسا رعب اور ڈر ڈالا کہ صرف چھ دنوں میں اور بعض روایات کے مطابق پندرہ دنوں میں ان کی ہوا اکھڑ گئی اور وہ ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہوگئے۔اصل میں یہودی منافقوں کو سچا سمجھ رہے تھے۔ان کا خیال تھا کہ یہ ہماری مدد کے لئے ضرور آئیں گے، جب کہ منافق جو مسلمانوں کے ساتھ غداری کر سکتے تھے وہ ان کے ساتھ بے وفائی کیوں نہ کرتے؟ وہ بالکل ان کی مدد کے لئے نہیں آئے۔نیز ان کا اپنا قبیلہ بنوقریظہ بھی ان کی مدد کے لئے نہیں آیا۔

یہودیوں نے گزارش کی کہ ہمیں مدینے سے جانے دیا جائے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمالی بل کہ انہیں یہ اجازت بھی دے دی کہ تم ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ سامان لے جاسکتے ہو لے جاؤ! لیکن ہتھیار نہیں لے جاسکتے، اس پر انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے اپنے گھر گرانے اور دروازے نکالنے شروع کر دیے!

جس پر قرآن کریم نے اس طرح تبصرہ فرمایا:

هُوَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَاظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ☆

ترجمہ: وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافرلوگوں کو ان کے گھروں سے پہلے اجتماع کے موقع پر نکال دیا۔(مسلمانو) تمہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے، اور وہ بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے، پھر اللہ ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود

اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے۔لہذا اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔ (الحشر:۲)

یہاں سے نکل کر اکثر یہودی تو اپنے سردار حی ابن اخطب اور سلام بن الحقیق کی سرداری میں خیبر کی طرف جلا وطن ہوگئے ، اور کچھ خیبر کے بجائے شام کی طرف چلے گئے ،صرف دو خوش نصیبوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوگئی،حضرت یامین بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید بن وہبؓ جو اپنے گھروں میں ہی آرام سے رہے۔

منافقوں نے ان کو کس کس طرح دھوکہ دیا قرآن پاک نے اس کو اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان فرمایا:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِهِمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَکُمۡ وَلَانُطِیۡعُ فِیۡکُمۡ اَحَدًا اَبَدًا وَاِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّکُمۡ وَاللّٰهُ یَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ☆ لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا لَایَخۡرُجُوۡنَ مَعَهُمۡ وَلَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَایَنۡصُرُوۡنَهُمۡ وَلَئِنۡ نَّصَرُوۡهُمۡ لَیُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَایُنۡصَرُوۡنَ ☆

ترجمہ: کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جنہوں نے منافقت سے کام لیا کہ وہ اپنے بھائیوں سے جو کافر اہل کتاب میں سے ہیں یہ کہتے ہیں کہ:''اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور تمہارے بارے میں کبھی کسی اور کا کہنا نہیں مانیں گے،اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں ۔ یہ پکی بات ہے کہ اگر ان (اہلِ کتاب) کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے،اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔اور اگر بالفرض ان کی مدد کریں گے بھی تو پیٹھ پھیر کے بھاگیں گے۔ پھر ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ (الحشر:۱۱-۱۲)

پوری سورہ حشر اسی پر تبصرہ ہے،اسی لئے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما سورہ حشر کو سورۃ بنی نضیر بھی فرماتے تھے۔آپ بھی ایک بار اس سورہ کو مکمل پڑھ کر اس غزوہ کو سمجھنے کی کوشش

کریں!

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جانے کے بعد ان کے باغوں اور زمینوں کے بارے میں انصار سے مشورہ کیا اور فرمایا: ''کہ اگر آپ چاہیں تو میں یہ باغات اور زمینیں مہاجرین کو دے دوں تا کہ وہ اپنے اپنے مکانات بنالیں، اور تمہارے اوپر سے ان کا بوجھ ہلکا ہوجائے''؟ انصار نے عرض کیا: ''ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ باغات اور زمینیں سب کچھ ہمارے بھائیوں کو دے دیا جائے، لیکن وہ ہمارے ہی گھروں میں رہیں؛ کیوں کہ ہمارے بچے ان کی جدائی برداشت نہیں کرسکیں گے۔ قرآن پاک نے انصار کی اس قربانی کا اس طرح تذکرہ فرمایا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ☆

ترجمہ: اور وہ (دوسروں کو) اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، چاہے ان پر تنگ دستی کی حالت گزر رہی ہو۔ اور جو لوگ اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو جائیں، وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ (الحشر:۹)

پھر آپ نے ان کے باغات اور زمینیں غریب مہاجروں کے درمیان بانٹ دیے، اور جو لوگ انصار میں سے غریب اور مستحق تھے ان کو بھی اس میں سے حصہ عطا فرمایا۔

بنونضیر کا یہ یہودی قبیلہ کافی مالدار تھا، ہتھیار بھی بہت تھے، اور قلعے بھی ان کے بہت مضبوط تھے، اس کے باوجود ان کے ہتھیار ڈالنے اور جلاوطنی اختیار کرنے سے سارے عرب میں مسلمانوں کی بہادری کی دھاک بیٹھ گئی، اور سارے عرب میں ان کا رعب جم گیا۔ اسی لئے اس کے بعد مسلمانوں کے کسی قافلے پر حملہ کرنے اور قتل کرنے کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ**

نیز دیہاتی مشرکین پر رعب ڈالنے کے لئے صحابہ کرام کے کچھ قافلے عرب کے دور دراز علاقوں اور دیہاتوں کی طرف روانہ فرمائے گئے؛ تا کہ وہ بھی کسی مسلمان پر حملہ کرنے کا خیال نہ

کرسکیں ۔بل کہ کچھ جگہ خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے ۔جس کا ذکر کچھ سیرت نگاروں نے کیا ہے،جس میں ذات الرقاع نام کا غزوہ بھی ہے۔لیکن غزوہ ذات الرقاع کا ذکر یہاں کرنا مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ اکثر محققین کے مطابق وہ غزوہ خندق کے بھی بعد میں پیش آیا تھا۔ہم بھی اس کا ذکر وہیں کریں گے۔ان شاء اللہ۔

غزوہ بدر دوم یا بدرِ صغری

مکی سردار ابوسفیان نے غزوہ احد میں اعلان کیا تھا کہ اگلے سال ہماری اور تمہاری جنگ پھر بدر کے میدان میں ہوگی ،اور مسلمانوں نے اس کا یہ چیلنج اور للکار قبول بھی کر لی تھی ۔اب ۴ھ کا سال بہت تیزی سے گزر رہا جا رہا تھا؛اس لئے صحابہ کرام اور رحمتِ عالم ﷺ نے ابوسفیان کی تحدی اور للکار کے لئے تیاری شروع کردی ۔پھر شعبان ۴ھ میں رسول اکرم ﷺ ۱۵۰۰ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر میدان بدر کی طرف روانہ ہوگئے ۔ادھر ابوسفیان نے بھی مکہ میں اس جنگ کا اعلان کردیا۔جس پر بہت بڑی فوج جمع ہوگئی،لیکن ابوسفیان جنگ کے نتیجے سے خوب واقف تھا،اس کی دلی مرضی جنگ نہ کرنے کی تھی ،لیکن بزدلی کا طعنہ برداشت کرنا بھی آسان نہیں تھا،اس لئے وہ مکہ سے لشکر کو لے کر بدر کی طرف چل تو پڑا،لیکن حالات کی تحقیق وتفتیش کرتے کرتے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔مقصد یہ تھا کہ اگر اسلامی لشکر آنے میں ذرا بھی دیر کرے گا تو میں لوگوں میں اعلان کردوں گا کہ مسلمان ڈر گئے ہیں ،انہوں نے ہماری للکار کا جواب نہیں دیا؛اس لئے اب ہمیں بدر جانے سے کیا فائدہ ؟ لیکن مکہ سے کچھ دور مرالظہران نام کی جگہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر تو بدر پہنچ بھی چکا ہے ۔اس پر وہ حیران ہوگیا اور اس نے اپنا لشکر جمع کر کے ایک عجیب تقریر کی کہ لوگو!جنگ کے لئے موسم بھی اچھا ہونا چاہئے ،جس میں جانور پیٹ بھر کر گھاس کھاسکیں ،اور لوگ بھی سیر ہوکر دودھ پی سکیں ، یہ تو خشک سالی کا وقت ہے،اور قحط پڑا ہوا ہے،اس میں کیا جنگ کریں گے،لشکر بھی جنگوں سے تھکا ہوا تھا اس نے بھی کہا: بیشک ، بیشک !اس طرح سارے واپس

مکہ چلے گئے۔ اور ابوسفیان نے کچھ چرواہوں اور گڈریوں کو پیسے دے کر تیار کیا کہ تم بدر جا کر مسلمانوں کو ڈراؤ کہ مکہ کے لوگوں نے تمہارے لئے ایک زبردست فوج تیا کر لی ہے۔

ادھر اسلامی لشکر رحمتِ عالم ﷺ کی سرپرستی میں ٹھیک وقت پر بدر پہنچ کر مکی لشکر کا انتظار کرنے لگ گیا اور آٹھ دن تک صحابہ کرام ان کے انتظار میں یہاں رہے، ان دنوں میں ایک تو وہاں کے لوگوں سے تجارت کر کے کچھ نفع کمایا، دوسرے اس علاقے کے دیہاتیوں پر مسلمانوں کا دبدبہ اور رعب بیٹھ گیا۔ اور کچھ کے ساتھ صلح اور امن کا معاہدہ بھی ہو گیا، آٹھ دن کے بعد یہ اسلامی لشکر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دنیا و آخرت کا نفع جمع کرتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف واپس روانہ ہوا، علامہ سیوطیؒ اور کچھ دوسرے مفسر حضرات فرماتے ہیں کہ سورہ آلِ عمران کی یہ آیات اسی موقع کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ واللہ اعلم

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ☆ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ☆ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ☆

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا فرمانبرداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لئے زبردست اجر ہے۔ وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ’’(یہ مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لئے (پھر) سے جمع ہو گئے ہیں؛ لہذا ان سے ڈرتے رہنا، اور اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ’’ہمارے لئے اللہ کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ (آلِ عمران: ۱۷۱-۱۷۴)

دومۃ الجندل کا غزوہ

بدرِ صغریٰ سے کامیاب واپس آنے سے پورے عرب میں مسلمانوں کی بہادری کا چرچا ہو رہا تھا، اور ہر طرف امن اور صلح کی ہوائیں چلنے لگ گئی تھیں، مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کا بہت اچھا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ منافق اور یہودیوں جیسے دشمن بھی خاموش ہو گئے تھے۔ کوئی کسی مسلمان پر یا کسی اسلامی قافلے پر حملے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ چھ مہینے اسی طرح گزرے کہ اچانک یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی کہ شام کے راستے میں دمشق سے کچھ پہلے دومۃ الجندل نام کی جگہ رہنے والے قبیلے ایک تو راستے چلتے مسافروں کو لوٹ رہے ہیں دوسرے مدینہ پاک پر حملہ کے لئے فوج جمع کر رہے ہیں، رحمتِ عالم ﷺ نے خبر کی اچھی طرح تحقیق فرمائی اور جب معلوم ہوا کہ خبر سچی ہے تو ایک ہزار صحابہ کرام کو ساتھ لے کر انہیں کے علاقے میں جا کر ان کو سبق سکھانے کا فیصلہ فرما دیا، اس سفر کا یہ نیا طریقہ تھا کہ رات بھر سفر کرتے اور سورج نکلتے ہی غاروں وغیرہ میں چھپ جاتے تا کہ دشمن کو خبر نہ ہو سکے اور وہ جنگ کی تیاری نہ کر سکے۔

دومۃ الجندل پہنچ کر اچانک ان کے مویشیوں اور چرواہوں پر حملہ کر دیا گیا، کچھ ہاتھ لگے، کچھ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے پھر جس وقت ان کے قبائل کو اس اچانک حملہ کا علم ہوا، وہ بھی ڈر کر اپنے علاقے سے بھاگ کھڑے ہوئے، رحمتِ عالم ﷺ کا مقصد بھی ان کو ڈرانا ہی تھا، یہاں کئی دن قیام فرما کر اس علاقے میں دائیں بائیں کئی قافلے روانہ فرمائے۔ دین اسلام کی دعوت دی گئی، نیز دل کے بیماروں اور بدمعاشوں کو ڈرایا گیا۔ ایک بڑے قبیلے کے سردار عیینہ ابن حصن کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بھی ہوا۔ اس طرح اسلامی لشکر اپنے مقصد میں کامیاب و کامران مدینہ منورہ کی جانب واپس لوٹا، اور اس مہم سے سارے عرب کے حالات مسلمانوں کے حق میں سازگار ہو گئے۔ منافقوں کی شرارتیں بھی کچھ دیر کے لئے تھم گئیں، یہودیوں کے دو قبیلے تو مدینہ منورہ سے چلے گئے تھے، ایک بنو قریظہ بچ گیا تھا، وہ بھی ڈر کے مارے معاہدہ پر عمل کرنے کا

خیال کرنے لگ گیا، بلکہ عرب کے دیہاتیوں اور مکہ کے مشرکوں کو بھی سانپ سونگ گیا کہ اب مسلمان کمزور نہیں ہیں، وہ اپنے دشمن کے پیچھے دومۃ الجندل تک بھی جا سکتے ہیں۔

غزوہ خندق اور تمام لشکروں کا حملہ

دومۃ الجندل کی مہم کے بعد عرب میں جو امن و امان کی ہوائیں چلنے لگیں تھیں، اس پر ساری مخلوق خوش تھی، سب کے دل خوشی میں مگن تھے، مگر دنیا کی بدترین مخلوق یہودی جل بھن کر راکھ ہو رہے تھے، خاص کر بنونضیر اور بنوقینقاع وغیرہ کے وہ یہودی جو مدینہ منورہ سے انکی گھٹیا اور کمینی حرکتوں کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے تھے، ان کے پیٹ میں زیادہ ہی درد ہو رہا تھا۔ پہلے تو انہوں نے مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والی جنگ پر نظر رکھی ہوئی تھی کہ مشرک مسلمانوں کو ختم کر دیں گے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لئے تو حالات اور سازگار ہو رہے ہیں، سارے عرب میں وہ اپنے دین کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ اس پر انہوں نے سازشوں اور مکر و فریب کے جال بننے شرع کر دیے۔

روایات میں آتا ہے کہ بنونضیر کے کچھ جانے پہچانے پڑھے لکھے سردار حُیّ ابن اخطب کی قیادت میں مکہ مکرمہ گئے، جہاں انہوں نے مکہ کے مشرک سردار ابوسفیان، عکرمہ ابن ابی جہل وغیرہ سے ملاقات کر کے انہیں مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا، مکی سرداروں کو بدر صغری کی جنگ میں نہ جانے کا طعنہ دیا اور ساتھ میں یہ یقین بھی دلایا کہ ہماری ساری یہودی قوم آپ کے ساتھ ہے۔ نیز بنوغطفان وغیرہ عرب کے دوسرے قبائل کو بھی ہم تیار کر لیں گے۔ مکی سردار بدرِ صغری میں نہ جانے کی ذلت اور رسوائی کو مٹانے کے لئے تیار ہو گئے، چونکہ اس بار انہیں یقین تھا کہ یہ آخری لڑائی ہوگی اور اس لڑائی میں مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

یہ یہودی بنوغطفان قبیلے کے سرداروں سے بھی ملے اور ان سے بھی وعدہ کیا کہ اگر تم اس مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دو گے تو ہم خیبر کے باغوں میں سے آدھی کھجوریں تمہیں ہر سال

دیا کریں گے۔ بنوغطفان بھی لالچ کے مارے تیار ہوگئے، پھر مکہ کے مشرکوں اور بنوغطفان نے اپنے ساتھ اور قبائل بھی گانٹھنے شروع کردیے اس طرح بنواسد اور بنوسلیم بھی تیار ہوگئے۔ ایک تاریخ طے کرکے سب نے قسمیں کھائیں کہ اس بار کوئی مسلمان زندہ نہیں بچنا چاہئے!

ادھر مدینہ منورہ میں رحمتِ عالم ﷺ اور صحابہ کرام بھی حالات سے بے خبر رہنے والے نہیں تھے۔ ہر وقت ان کی انگلیاں حالات کی نبض پر رہتی تھیں، معلوم ہوتے ہی رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کرام کو بلاکر مشورہ فرمایا، ہر صحابی نے اخلاص کے ساتھ اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کافی بڑی عمر کے صحابی تھے، اصل ایران کے رہنے والے تھے، انہوں نے فرمایا: ’ہمارے ملک ایران میں جب بھی کوئی ایسا خطرناک حملہ ہوجاتا تھا تو ہم بستی کی چاروں طرف گہری خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کرلیتے تھے، سب نے یہ رائے پسند فرمائی ادھر مدینہ منورہ کا جغرافیہ ایسا تھا کہ ایک طرف گھنے باغ تھے جہاں سے حملہ نہیں ہوسکتا تھا۔ دو طرف ترچھے نوکیلے پتھر تھے جن کے اوپر اونٹ، گھوڑے چل نہیں سکتے تھے، بس ایک شام والی طرف خالی تھی، اسی طرف سے اتنا بڑا لشکر حملہ کرسکتا تھا، بس اسی طرف خندق کھودنے کا فیصلہ ہوگیا، تقریباً تین ہزار کا لشکر خندق کھودنے کے آلات وسامان لے کر رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ جمہور کے قول کے مطابق ۸/ذیقعدہ ۵ھ کو اس میدان میں آگیا، رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے نشان لگائے اور دس دس صحابۂ کرام کو دس دس گز لمبی اور پانچ پانچ گز گہری اور چوڑی اتنی کہ سوار پار نہ کرسکے تقسیم کرکے دے دی۔

سردی کا سخت ٹھنڈا موسم تھا، قحط سالی کا زمانہ بھی تھا، لیکن صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بھوکے پیاسے لگے ہوئے تھے؛ کیوں کہ نبیوں کے سردار رحمتِ عالم ﷺ خود ان کے ساتھ مزدوروں کی طرح دوڑ بھاگ فرمارہے تھے، حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
’’میں نے خود دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ خندق میں سے اس طرح مٹی نکال رہے تھے کہ دھول کی وجہ سے شکم مبارک کی ساری چمڑی چھپ گئی تھی، اور آپ ﷺ حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ

عنہ کا یہ رجز پڑھتے جا رہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَااھْتَدَیْنَا فَلَاتَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتُ الاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا
اِنَّ الْاُلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

ترجمہ: اے اللہ! اگر آپ نہ عطا فرماتے تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی، نہ ہی ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔ بس آپ ہم پر سکون نازل فرمائیے! اور اگر کبھی ہماری کفار سے ملاقات ہو ہی جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھیے!۔ انہوں نے ہم پر بہت ظلم کئے ہیں، لیکن اگر یہ فتنہ وآزمائش میں مبتلا کرنا چاہیں گے تو ہم کبھی سر نیچا نہیں کریں گے۔ (بخاری ۴۰۹۹)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نے نبی اکرم ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر کمر سیدھی رکھنے کے لئے باندھے ہوئے پتھر دکھائے، تو رسول اکرم ﷺ نے اپنا مبارک شکم دکھایا جس پر ایک کے بجائے دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ (ترمذی)

ایک صبح رحمتِ عالم ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام سردی کے موسم میں سخت ٹھنڈ میں خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں تو آپ ﷺ کی مبارک زبان پر بے ساختہ یہ رجز آ گیا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

ترجمہ: اے اللہ! بیشک زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، آپ انصار ومہاجرین کی بخشش فرمادیں۔ انصار ومہاجرین اس پر خوش ہوگئے اور ان کی زبان پر بھی اچانک ہی اس کا یہ جواب آ گیا:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِھَادِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا

ترجمہ: ہم وہی ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے کہ جب تک ہم زندہ رہیں گے جہاد کرتے رہیں گے۔

کھدائی میں اللہ کی قدرتوں کا نظارہ

خندق کی کھدائی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بھی کچھ عجیب وغریب مناظر سامنے آئے، صحابہ کرام بھوکے، خالی پیٹ کھدائی کررہے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو رحمتِ عالم ﷺ کے مبارک چہرے پر بھوک کے اثرات دیکھ کر برداشت نہیں ہوا، انہوں نے چھوٹا سا بکری کا بچہ ذبح کیا اور ان کی اہلیہ نے کوئی ڈھائی کلو جو پیسے، پھر رحمتِ عالم ﷺ کو بڑے راز کے ساتھ خفیہ طور پر دعوت دی کہ آپ ﷺ اپنے کچھ ایک ساتھی لے کر چپکے سے تشریف لے آویں۔

لیکن رحمتِ عالم ﷺ خندق کھودنے والے سارے صحابہ کرام کو ساتھ لے کر تشریف لے آئے، جن کی تعداد اس وقت ایک ہزار تھی، پھر اپنے مبارک ہاتھوں سے خود کھانا تقسیم کرنا شروع فرمایا، سب نے پیٹ بھر بھر کر سیر ہو کر کھانا کھایا جب کہ ابھی ہانڈی میں گوشت باقی تھا، اور روٹی پکانے والوں کے پاس ابھی گوندا ہوا آٹا بھی ختم نہیں ہوا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حضرت رحمتِ عالم ﷺ کا معجزہ تھا۔ (بخاری ۴۱۰۲)

کھودتے کھودتے ایک اتنا سخت پتھر آ گیا کہ سب کے سب بے بس ہو گئے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، شکم مبارک سے کپڑا ہٹایا جس پر کمر سیدھی رکھنے کے لئے پتھر باندھا ہوا تھا، کیونکہ تین دن سے کسی نے کچھ نہیں کھایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھوڑے کی ایک ہی چوٹ ماری کہ وہ پتھر ایسے ہو گیا جیسے ریت کا ڈھیر۔

اوپر نیچے سے فوجیں آ گئیں

تین دن یا بقول بعض چھ دنوں میں یہ خندق مکمل ہوئی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتیں اور بچے ایک قلعے میں محفوظ کر کے کچھ حضرات کو پہرے کے لئے رکھ دیا جن میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور کچھ کہتے ہیں کہ ۲۰۰ حضرات پہرے دار تھے، جن کے امیر حضرت

سلمہ بن اسلمؓ تھے، پھر تین ہزار کا لشکر لے کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں تشریف لائے ہی تھے کہ کافروں کی دس ہزار فوج نے احد میں پڑاؤ ڈال دیا، جن میں چار ہزار مکہ کے قریشیوں کے علاوہ بنوغطفان، بنواسد، بنوسلیم اور یہودیوں کا چھ ہزار کا لشکر تھا۔

پھر مل کر مدینہ پاک پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ کے قریب ہوئے، لیکن اپنے سامنے گہری خندق دیکھی تو حیران وششدر رہ گئے، کہ یہ کیا ہو گیا! بلکہ کچھ ایک نے تو تبصرہ کر ہی دیا کہ یہ ایک ایسی چال ہے جس سے عرب کے لوگ واقف نہیں تھے، یقیناً یہ کسی باہر والے کی سکیم ہے۔ اسلامی لشکر نے تیروں اور پتھروں کی برسات کر کے یہ لشکر خندق سے پیچھے ہی روک دیا۔

ابھی تک مدینہ پاک کے اندر رہنے والے آخری یہودی قبیلہ بنوقریظہ نے کسی غداری یا معاہدے کے توڑنے کا اعلان نہیں کیا تھا، نہ ہی ان کا کوئی ارادہ تھا، لیکن خیبر سے آئے ہوئے یہودی قبیلہ بنونضیر نے انہیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے سخت کوشش اور محنت کی، آخر کار بنونضیر کا سردار حیی ابن اخطب خود بنوقریظہ کے سردار کعب کے پاس گیا، کعب نے اسے دیکھ کر اپنے قلعے کا دروازہ ہی بند کر لیا، لیکن وہ مسلسل دروازہ بجاتا رہا یہاں تک کہ اس نے دروازہ کھول دیا اور حی ابن اخطب کی محنت سے آخر غداری کا فیصلہ کر دیا؛ بل کہ اپنی ساری قوم کو غداری کے لیے تیار کر لیا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام نے انہیں سمجھایا بھی، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ نہ ہی ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جانتے ہیں اور نہ کسی معاہدے کو جانتے ہیں اس طرح باہر کی دس ہزار فوج کے ساتھ ساتھ اب اندر کے چھپے ہوئے دشمن یہودی بھی میدان میں کود پڑے۔ قرآن کریم نے اس پر اس طرح تبصرہ کیا ہے:

اِذْجَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْزَاغَتِ الْاَبْصَارُوَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا☆

ترجمہ: اس وقت کو یاد کیجیے! جب وہ فوجیں تم پر حملہ کے لئے تمہاری اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے آ رہی تھیں، اور جب آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آ رہے تھے،

اورتم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے خیالات کرنے لگ گئے تھے۔

(سورہ احزاب:۱۰)

ادھر مسلمانوں کی صفوں میں چھپے ہوئے منافقوں کی منافقت بھی سامنے آنے لگ گئی، پہلے تو انہوں نے فوجوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمانی کا اعلان کیا کہ کہاں گئے اللہ تعالیٰ کے وہ مدد والے وعدے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو یقین دلا رہے تھے کہ خدا ضرور ہماری مدد کرے گا اس کا کیا بنا؟ اب کیا ہوگا؟ قرآن کریم نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا:

وَاِذْيَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّاوَعَدَنَااللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا☆

ترجمہ: اور جب منافق لوگ، اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے تو ہمارے ساتھ بس دھوکے ہی کا وعدہ کیا تھا''۔

(سورہ احزاب کی:۲۱)

اس کے مقابلے میں پکے سچے مخلص ایمان والوں کو لشکروں کا یہ طوفان دیکھتے ہی یاد آ گیا کہ یہی وہ آزمائشیں ہیں جن کے لئے ہمیں پہلے سے بار بار آگاہ کیا جا رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے وعدے بالکل سچے تھے، اب ان کے پورے ہونے کا وقت آ گیا ہے، وہ ضرور پورے ہوں گے اس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا:

وَلَمَّا رَاَالْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَامَاوَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ☆

ترجمہ: اور جس وقت ایمان والوں نے وہ لشکر دیکھے، تو وہ بول پڑے کہ یہ تو وہی (وقت) ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان واطاعت میں اور اضافہ ہوگیا۔ (الاحزاب:۲۲)

خندق پار کرنے کی کوشش اور حضرت علیؓ کا مقابلہ

خیر! مشرکین نے کئی جگہوں سے خندق پار کرنے کی سخت کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہوسکے، دور سے پتھر مارتے اور تیر چلاتے رہے، صحابہ کرام بھی تیروں اور پتھروں کی بارش کر کے مقابلہ کرتے رہے کہ وہ خندق کے قریب ہی نہ آسکے، ہاں! اس میں کبھی کبھی ایسی مصروفیت بھی ہوئی کہ نماز پڑھنے کے لئے بھی فرصت نہیں تھی، جس میں ایک دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی عصر کی نماز قضا ہوگئی، (بخاری ۴۱۱۲) اور ایک دن ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہوگئیں مسند شافعی میں اس کی تفصیل ہے کہ مسلسل تیروں اور پتھروں کی برسات میں اپنی جگہ سے ہٹنا بھی ممکن نہیں تھا، یہ اسی دن کی بات ہے جب چار کافر ایک تنگ جگہ سے خندق پار کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے، ان میں سے ضرار اور ہبیرہ تو یہاں کا رنگ دیکھ کر بھاگنے میں کامیاب ہوگئے (کچھ لوگوں نے ان کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل کا بھی ذکر کیا ہے) جب کہ نوفل واپس بھاگتا بھاگتا خندق میں گر گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی وہ تڑپ رہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے تلوار نکالی اور اس کا کام تمام کر دیا، بس ایک عمرو ابن عبدود رہ گیا جو غزوہ بدر میں زخمی ہو کر بھاگا تھا، اور اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں اس کا بدلہ نہیں لوں گا تب تک سر میں تیل نہیں ڈالوں گا، اس کے لئے مشہور تھا کہ یہ ایک ہزار سواروں کا مقابلہ اکیلا ہی کرسکتا ہے، اس نے عرب کے رواج کے مطابق اپنے مقابلے کے لیے للکار لگائی کہ کوئی ہے جو میرے مقابلے کے لئے آئے! تو شیر خدا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اس کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے یہ کافی عمر رسیدہ تجربہ کار اور ماہر جنگ تھا، اس نے پوچھا تو کون ہے حضرت علیؓ نے فرمایا علی ابن ابی طالب! وہ کہنے لگا تو چھوٹا ہے میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتا حضرت علیؓ نے فرمایا لیکن میں تیری گردن تیرے تن سے جدا کرنا چاہتا ہوں اس پر وہ غصے میں آ گیا اور چھلانگ مار کر اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا، اپنے گھوڑے کے دونوں پیر کاٹ دیے کہ اب واپسی کا کوئی

خیال نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تیرے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی تجھ سے تین چیزوں میں سے ایک چیز کی مانگ کرتا ہے تو تو ایک ضرور مان لیتا ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ضرور صحیح ہے! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر میں سب سے پہلے تجھے خدا تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ تو واپس چلا جا شاید تجھے بعد میں اللہ کے دین کو ماننے کی توفیق ہو جائے۔ اس نے کہا میں عرب کی عورتوں کے طعنے نہیں سن سکتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر تیسری ایک ہی بات بچی کہ دو دو ہاتھ ہو ہی جائیں۔ یہ بات سننی تھی کہ وہ بجلی کی طرح چمکا اور بادلوں کی طرح گرج کر حضرت علیؓ پر حملہ کر دیا، حضرت علیؓ نے اس کی تلوار کو ڈھال پر روکا مگر تلوار ڈھال سے پار ہو کر ان کے ماتھے تک پہنچ گئی جس سے ماتھے پر ایک خراش سی لگ گئی۔ لیکن جب وہ حملہ کر کر کے تھک گیا حضرت علیؓ نے اس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ بیچ سر سے پورے جسم کے برابر دو ٹکڑے ہو گئے اور کچھ کہتے ہیں کہ سیدھا کندھے سے نیچے تک الگ کر کے چھوڑ دیا اس کے ساتھ نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے سارے صحابہ کرام سمجھ گئے کہ کام ہو گیا ہے۔

عمرو ابن عبدود کے قتل ہونے سے مشرکین میں خوف و دہشت کا ماحول بن گیا پھر کسی کو خندق پار کرنے کا کیا! قریب آنے کا خیال بھی نہیں آیا۔

خدائی مدد اور جنگ کا فیصلہ

مشرکین کے گھیرے اور محاصرے کو ۱۵/ دن ہو چکے تھے وہ اتنے محاصرے کے لئے نہ تیار تھے نہ انتظام کر کے آئے تھے دس ہزار لوگوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا آسان کام نہیں تھا بے شک بنوقریظہ کے یہودی انہیں کھانا پہنچانے کی کوشش تو کر رہے تھے لیکن کب تک؟ اس طرح فوج کمزور ہوتی جا رہی تھی اوپر سے اللہ تعالیٰ کی یہ مدد آ گئی کہ اس قدر آندھی اور طوفان چل پڑا جس کی وجہ سے ان کے خیمے اڑنے لگ گئے، اونٹ بھاگنے لگ گئے، چولہوں پر چڑھائی ہوئی

دیگیں الٹی ہوگئیں۔ساتھ ساتھ فرشتوں کالشکر بھی آ گیا جس کا قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے:

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَ تْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْداً لَّمْ تَرَوْهَا وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا☆

ترجمہ:اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو! جب کہ (تم پر حملہ کے لئے) لشکر آ گئے تھے، پھر ہم نے ان پر ایسی ہوا اور ایسے لشکر بھیجے جو تمہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے، اورتم جو کچھ کر رہے تھے اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا تھا۔ (سورہ احزاب:۹)

ادھر بنوغطفان قبیلے کے ایک بزرگ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایمان نصیب ہو گیا جو کہ مشرکین اور یہودیوں کے بیچ میں معتبر تھے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان قبول کرنے کے بعد عرض کیا کہ ابھی میرے ایمان کا کسی کو کچھ پتہ نہیں ہے کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ میں کوئی تدبیر کروں؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضرور کیجئے کیونکہ جنگ چلا کی اور تدبیر ہی کا نام ہے۔ (مستدرک حاکم)

انہوں نے ایسی تدبیر کی جس سے بنوقریظہ اور مکی لشکروں کے درمیان باہم لڑائی لگ گئی دونوں ایک دوسرے کو شک کی نظر سے دیکھنے لگ گئے۔انہوں نے بنوقریظہ سے کہا کہ یہ باہر کے لوگ کہیں واپس نہ ہو جائیں؟ کہ پھر مسلمانوں کا مقابلہ تمہیں اکیلے ہی کرنا پڑے، میرا مشورہ ہے تم لوگ ان سے کچھ بڑے سردار بطور ضمانت لے لو؛ تا کہ وہ انہیں چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں۔پھر قریشیوں سے کہا: یہودیوں کا کچھ بھروسہ نہیں کہیں وہ تمہارے جوان تم سے مانگ کر مسلمانوں کے حوالے نہ کردیں! اس بات سے ہوشیار رہنا! پھر کیا تھا!!

جیسے ہی یہودیوں نے مشرکین سے کہا کہ بھروسے کے لیے آپ کچھ جوانوں کو ہمارے پاس چھوڑ دو، تا کہ ہم انہیں بطور ضمانت اپنے پاس رکھ سکیں، اس پر مشرکین کے کان کھڑے ہو گئے اور آپس میں لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا۔

اس طرح مکی فوج بددل ہوگئی، ہوا کے طوفان نے بھی وہ بے بس کردئے تھے، آخرکار بغیر کسی نتیجے کے ایک دوسرے کو، کوستے ہوئے ناکامی اور نامرادی کے ساتھ واپس مڑے، اور اللہ تعالی نے فرمایا:

وَرَدَّاللّٰہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِغَیۡظِھِمۡ لَمۡ یَنَالُوۡاخَیۡرًاوَکَفَی اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الۡقِتَالَ وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیۡزًا☆

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرا ہوا اس طرح واپس کردیا کہ وہ کچھ حاصل نہ کرسکے اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی طرف سے جنگ کے لئے کافی ہوگیا، اور اللہ تعالی زبردست طاقت والا، اور غلبے والا ہے۔ (سورہ احزاب:۲۵)

اس خندق والے غزوہ کے لیے سورہ احزاب کو پڑھیں جس میں اس غزوے پر خدائی تبصرہ ہے۔

غزوہ بنو قریظہ

۱۵/دن بھوک پیاس برداشت کرتے ہوئے سخت مصروفیات کے ساتھ کافروں کا مقابلہ کر کے ابھی صحابۂ کرام گھروں کی طرف واپس ہوئے ہی تھے، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی جنگی ہتھیار اتارنے کی سوچ ہی رہے تھے، کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے، اور فرمانے لگے کہ: ''اے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہتھیار کیسے اتار رہے ہیں، جب کہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں اتارے، آپ ابھی تشریف لے چلیں اور بنو قریظہ کو ان کی غداری کی سزا دیں''۔

اس پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا: آپ میں سے ہر کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے محلے میں جا کر ہی پڑھے، صحابہ کرام غزوہ خندق سے تھکے ہارے ہوئے تھے، بہت سارے زخمی بھی تھے، لیکن اسی حال میں وہ اس حکم پر لبیک لبیک کہتے ہوئے دوڑ پڑے پھر کسی نے اس حکم کے لفظوں پر عمل کرتے ہوئے: بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھی، اور کچھ نے مقصد پر عمل

کرتے ہوئے: راستے میں پڑھ لی تاکہ قضا نہ ہو جائے۔

بنو قریظہ جنگ کے لئے تیار ہو گئے، انہیں اپنی غداری یاد تھی، صحابہ کرام نے بھی انہیں گھیرے میں لے لیا، پورے ایک مہینے تک ان کے قلعے کا محاصرہ رکھا، ایک مہینہ بعد جب انہوں نے پیغام بھیجا کہ حضرت سعد بن معاذؓ ہمارے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے ہم مان لیں گے کیونکہ اسلام کی روشنی سے پہلے دور جہالت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ اوس اور قبیلہ بنو قریظہ آپس میں دوست تھے۔

لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اسی جنگ میں زخمی ہوئے تھے، ایک کافر کے تیر سے کلائی کی رگ کٹ گئی تھی، اور اس وقت زیرِ رلاج تھے پھر بعد میں اسی زخم کی وجہ سے شہادت کا درجہ بھی نصیب ہوا، انہیں ان یہودیوں پر بہت غصہ تھا کہ انہوں نے اتنی پرانی دوستی کا کچھ لحاظ نہیں رکھا اور غداری کر دی، لیکن انہوں نے اپنے غصے پر فیصلہ نہیں کیا، بلکہ تورات کے مطابق فیصلہ فرمایا، کہ ان کے جوان قتل کئے جائیں، بوڑھے، عورتیں اور بچے قیدی بنائے جائیں، تورات میں آج بھی غداروں کی یہی سزا موجود ہے، اور اسی کے مطابق صحابہ کرام نے بنو قریظہ کو سزا دی۔

قرآن کریم نے اس پر اس طرح تبصرہ فرمایا:

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا☆

ترجمہ: اور اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے ان کی پشت پناہی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گھروں سے اور ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ایک گروہ کو تم قتل کر رہے تھے، اور ایک گروہ کو قیدی بنا رہے تھے۔ (سورہ احزاب: ۲۶)

بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو بھی قتل کیا گیا، اس نے مرتے وقت جو لفظ کہے اُن سے صاف صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس بات کو تسلیم کر رہا تھا کہ یہ ہماری شرارتوں کا نتیجہ ہے، ہم پر ظلم نہیں ہو رہا ہے، بلکہ ہماری یہ سزاء انصاف پر مبنی ہے۔

اسی طرح حیی ابن اخطب بنونضیر کا سردار جو بنونظیر کے ساتھ مدینہ سے جلاوطن ہوا تھا اور اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد کیا تھا کے میں آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کروں گا جب کہ آج مشرکین کی فوج لے کر وہی آیا تھا بنوقریظہ بھی غداری کے لیے اسی نے تیار کئے تھے، وہ بھی خندق کی جنگ کے بعد یہاں ہی چھپا ہوا تھا، اس کو بھی باندھ کر جس وقت قتل کے لئے لایا گیا، اس نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں نے تمہارے ساتھ دشمنی کی لیکن آج میں اس کے لیے اپنے آپ کو ملامت نہیں کرتا کیونکہ جو خدا تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرتا ہے آخر کار ذلیل ہو کر ہی مرتا ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۲۴۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی سمجھ رہے تھے کہ ہمارے گناہوں کی یہی سزا ہونی چاہیے!

حضرت ثمامہ ابن اثال کی گرفتاری اور قبولِ اسلام

اس خندق والی جنگ کے بعد سارے عرب میں اسلامی طاقت کا احساس ہو گیا تھا، کئی لوگ جو سر اٹھانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، وہ یہودیوں کا نتیجہ دیکھ کر دبک گئے تھے، پھر بھی دور دراز کے دیہاتی لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کی ضرورت اب بھی باقی تھی تا کہ کسی تبلیغی قافلے پر حملہ نہ کر سکیں اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے دین کی دعوت دینے کے لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھوٹے چھوٹے قافلے روانہ فرمائے، انہی میں سے ایک قافلہ تہامہ نجد وغیرہ کے علاقے کی طرف روانہ فرمایا، وہاں کے لوگوں کو جیسے ہی اسلامی قافلے کا پتہ لگا، وہ سب چھپ گئے، لیکن یہاں سے واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تہامہ کا سردار ثمامہ بن اثال مل گیا، جس نے بعد میں بتایا کہ میرا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا، اور سیرت حلبیہ میں یہ بھی ہے کہ دل میں یہ چور بھی چھپا ہوا تھا کہ اگر موقع ہاتھ آ گیا تو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ نے ثمامہ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے اور فرمایا: ثمامہ تیرا کیا حال ہے؟اس نے کہا: اچھا ہوں! اور ساتھ ہی بڑی عقلمندی سے کہا: کہ اگر آپ میرے قتل کا حکم دیں گے، تو ایک قاتل کو قتل کریں گے، اور اگر آپ مہربانی کر دیں گے تو شکر کرنے والے پر مہربانی کریں گے، اور اگر آپ کو کچھ مال چاہیے تو جتنا مانگیں گے اتنا دوں گا۔

حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا، دوسرے دن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ثمامہ تیرا کیا حال ہے؟ اس نے پھر پرانا جواب اسی طرح دھرا دیا۔

تیسرے دن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ثمامہ تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: میں نے اپنا جواب دے دیا ہے۔ دراصل رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مسلمانوں کی عبادت کا طریقہ اور اچھے اخلاق دکھانا چاہتے تھے۔

تیسرے دن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو، صحابہ کرام نے اس کو آزادی دے دی، ثمامہ آزاد ہو کر کھجوروں کے ایک باغ میں گیا، اچھی طرح نہا دھو کر صاف ہو کر آ گیا، اور عرض کیا مجھے کلمہ پڑھاؤ، مجھے اسلام سکھاؤ، اس طرح انہیں اسلام کی دولت نصیب ہو گئی، سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے عجیب باتیں بتائیں کہ اے حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام سے پہلے مجھے سب سے زیادہ اگر کسی پر غصہ آتا تھا تو وہ صرف آپ ﷺ ہی پر آتا تھا! اور اب مجھے آپ سے بڑھ کر کسی سے پیار نہیں ہے اسلام سے پہلے مجھے مدینہ کی زمین سے زیادہ کسی زمین سے نفرت نہیں تھی لیکن اب مدینہ سے بڑھ کر کسی شہر سے محبت نہیں ہے اور اس سے پہلے مجھے اسلام سے زیادہ کوئی دین برا نہیں لگتا تھا لیکن اب اسلام کی طرح کوئی بھی دین اچھا نہیں لگتا۔

انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں اپنے وطن سے عمرہ کرنے جا رہا تھا، اب عمرے کا کیا حکم ہے؟ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام قبول کرنے کی مبارک بادی دی اور عمرہ کرنے

کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے، ایک سردار نے کہا: ثمامہ! تو بھی صابی بن گیا ہے، یعنی بے دین ہو گیا ہے! انہوں نے غیرت سے جواب دیا کہ میں بے دین نہیں ہوا، بلکہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کر لیا ہے، اور یاد رکھو اب ملک یمامہ سے تمہارے لئے اناج کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا جب تک کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دے دیں، مکہ میں سب سے زیادہ غلہ یمامہ سے ہی آتا تھا۔

پھر اپنے ملک یمامہ میں پہنچتے ہی اپنی قوم سے کہہ کر مکہ والوں کا غلہ بالکل بند کروا دیا، مشرکین مکہ کی قحط کی وجہ سے آنکھیں سفید ہونے لگ گئیں، آخر کار مجبور ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ایک شخص کو بھیجا کہ ہمارا غلہ جاری فرما دیں، رحمت للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ والے یاد تھے جنہوں نے مکہ میں ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، پھر بدر، احد اور خندق کے موقع پر مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے لئے قسمیں کھائیں اور حملے کیے تھے، لیکن رحمت والے کی یہی شان تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھوایا کہ اسلام کا یہ طریقہ نہیں آپ ان کے ملک کی طرف غلہ جانے دیں، انہوں نے حکم ملتے ہی ساری رکاوٹیں ختم کر دیں۔

یہ اخلاق اور کردار دیکھ کر یمامہ کے دوسرے لوگوں کو بھی ایمان نصیب ہو گیا۔

غزوہ بنو مصطلق اور منافقوں کی سازشیں

یہ جنگ میدان کے اعتبار سے کوئی بڑی جنگ نہیں تھی کیونکہ اس میں کافر مقابلہ کر ہی نہیں سکے، لیکن نتیجے کے اعتبار سے اور منافقوں کی سازشوں کے اعتبار سے یہ بہت ہی مشہور جنگ ہے۔

اس کی تاریخ کے بارے میں کافی اختلاف ہے کچھ حضرات ۴ھ اور کچھ ۵ھ اور کچھ ۶ھ بیان کرتے ہیں، جمہور کی تحقیق یہ ہے کہ یہ جنگ شوال ۵ھ میں ہوئی تھی، (وفاء

الوفاء:۲۴۲/۱) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک معلوم ہوا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مریسیع نام کے کنویں کے پاس رہنے والی قوم بنو مصطلق کے سردار حارث ابن ابی ضرار نے بڑی فوج جمع کر لی ہے اور رات دن مدینہ پاک پر حملہ کرنے آنے والا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کو جاننے کے لئے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ بھیجے، انھوں نے آکر خبر دی کہ اطلاع سچی ہے اور حملہ ہونے ہی والا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دے دیا، سب کام بہت جلدی کر کے ایک دن صبح سویرے ہی ان پر چھاپا مار دیا، وہ اس اچانک حملے کا مقابلہ نہیں کر سکے، ان کے جنگی جوان تو جنگلوں کی طرف بھاگ گئے، لیکن بوڑھے، عورتیں، بچے کوئی دوسو گھر کے لوگ گرفتار ہو گئے، مال مویشی چوپائے بھی بڑی تعداد میں قبضہ میں لے لئے گئے، مگر بنو مصطلق کے لوگ یہودیوں کی طرح کوئی پڑھا لکھا بد باطن گروہ نہیں تھا، بل کہ ان پڑھ سیدھے سادھے لوگ تھے، اُن تک تو بس کسی طرح اسلام کا سچا پیغام پہنچانے کی ضرورت تھی اور یہ کاروائی اسی لئے تھی، پھر یہی ہوا، مدینہ منورہ پہنچتے ہی مال مویشی اور قیدی صحابۂ کرام کے درمیان تقسیم کر دئے گئے، قیدیوں میں حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں، ان کا تعلق بڑے گھر سے تھا، حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ جن کی قید میں یہ تھیں انہوں نے فرمایا: اگر آپ آزادی چاہتی ہیں، تو اتنی رقم دے دیں، میں آپ کو آزاد کر دوں گا، یہ چندے کے لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اپنی ساری پریشانی سنائی اور چندے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھے اس سے اچھی بات نہ بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا! وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ پسند کریں تو میں یہ رقم ادا کر کے آپ کو آزاد کروا دوں، پھر اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ نکاح کر لیں، انہوں نے عرض کیا: مجھے منظور ہے، اس طرح انھیں ایمان کی دولت بھی نصیب ہو گئی اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آکر امت کی ماں ہونے کا شرف بھی!!

صحابہ کرام کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ بنو مصطلق تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار

بن گئے ہیں، انہوں نے فوراً وہ سارے قیدی آزاد کر دیے، اس کا اس قبیلے پر ایسا اثر ہوا کہ وہ واپس جا کے سارے ہی مسلمان ہو گئے، جو سات سو کے قریب قریب تھے۔

(سیرت حلبیہ، ابن ہشام: ۲/۲۱۵)

ادھر حارث ابن ابی ضرار اپنی صاحبزادی کو چھڑانے کے لیے کافی اونٹ لے کر مدینہ منورہ پہنچے، مگر دو عمدہ قسم کے اچھے اونٹ ایک جنگل میں چھپا دیے کہ واپسی میں یہ ساتھ لیتا جاؤں گا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر درخواست کی کہ میری بیٹی آپ کے یہاں گرفتار ہے آپ یہ سارے اونٹ لے لیں اور اسے آزاد کر دیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ اونٹ آپ فدیہ میں دے رہے ہیں! اور جو کام کے اونٹ آپ نے فلانی جگہ چھپائے ہوئے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ انہوں نے کہا: آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، کیوں کہ ان کا تو کسی کو پتہ ہی نہیں تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ اپنی صاحبزادی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے ہی پوچھ لیں وہ کیا چاہتی ہیں؟ حارث ابن ابی ضرار نے صاحبزادی سے پوچھا انہوں نے فرمایا: میں نے تو اللہ تعالی اور اس کے حبیب ﷺ کو پسند کر لیا ہے یعنی اسلام قبول کر لیا ہے، یہ منظر دیکھ کر اور اونٹوں کی وہ بات سن کر انہیں بھی ایمان کی دولت نصیب ہو گئی رضی اللہ عنہ۔

(وفاء الوفاء: ۱/۲۴۲)

منافقوں کی منافقت کس طرح چھلکی؟

اس غزوہ میں غنیمت کی لالچ میں منافقوں کی بھی بڑی تعداد چل پڑی تھی، لیکن اس مبارک سفر میں بھی ان کی منافقت چھلک چھلک کر باہر آ رہی تھی، واپسی پر ایک مہاجر حضرت جہجاہ ابن سعید غفاری رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری حضرت سنان ابن و برجہنی رضی اللہ عنہ کی پانی کے کنویں پر کچھ ناراضگی ہو گئی، مہاجر نے انصاری کو لات مار دی، اس پر دونوں جھگڑنے لگ گئے، پھر انصاری نے کہا: او انصاریو! اس کے مقابلے میں مہاجر نے کہا: او مہاجرو! دونوں جماعتیں طیش

میں آ گئیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے ہی معلوم ہوا آپ فوراً تشریف لے گئے دونوں جماعتوں کو سمجھایا اور فرمایا: یہ اپنے اپنے خاندان اور برادری کے نعرے؟ ابھی میں تمہارے بیچ موجود ہوں پھر یہ جہالت والے نعرے؟ یہ بدبودار باتیں؟ انہیں چھوڑ دو! بات آئی گئی ہو گئی، لیکن وہ اندر کے کالے منافق جو ہر وقت موقع کی تلاش میں بیٹھے رہتے تھے، مسلمانوں کو اور خاص رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جنہوں نے غزوہ احد اور خندق میں اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا، وہ اس موقع پر خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے؟

منافقوں کے سردار عبداللہ ابن اُبی کو جیسے ہی پتہ لگا اس نے اپنی پارٹی کو جمع کر لیا، کہ دیکھو؟ یہ پردیسی لوگ تمہارے ٹکڑوں پر پلنے والے آج تمہیں ہی گھورتے ہیں، ہماری مثال تو ایسی ہو گئی کہ اپنے کتوں کو پالو تاکہ وہ موٹے ہو کر تمہیں کاٹیں، پھر اور چلا کر بولا، اب مدینہ میں جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو یہاں سے نکال باہر کرے گا، اس کا اشارہ یہ تھا کہ میں عزت والا ہوں اور-نعوذ باللہ- رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ذلیل ہیں، یہ ساری باتیں سن کر ایک چھوٹی عمر کے صحابی حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیں، اس بدبخت کو بلایا گیا، وہ بالکل انکار کر گیا، بلکہ اس طرح اپنی صفائی پیش کی کہ اس کی پارٹی تو اس کے ساتھ تھی ہی کچھ اور سیدھے سادھے مسلمان بھی شک میں پڑ گئے کہ شاید حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ نے ہی بات پوری نہیں سنی تھی، اور ایسی ہی آگے بیان کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ذرا ناراض ہو کر فرمایا: شاید تم نے سنا کچھ اور! اور سمجھا کچھ اور! اس پر وہ بہت شرمندہ اور غمگین ہو گئے، جس پر عرش سے قرآن پاک نازل ہو گیا، جس سے منافقین کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ گیا، دیکھیے قرآن کریم:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَاتُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَايَفْقَهُوْنَ ☆ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ ☆

ترجمہ: یہی تو ہیں جو کہتے ہیں کہ جولوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ: ''اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا'' حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور اس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔ (النور: ۷-۸)

اللہ تبارک وتعالی کی عجیب شان دیکھیں! اسی منافق عبداللہ ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہؓ پکے سچے مومن اور صحابی تھے جس وقت قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا تو یہ تلوار لے کر باپ کے سامنے کھڑے ہو گئے، کہ تجھے مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تو یہ نہ کہہ دے کہ تو ذلیل اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں ''مرتا کیا نہ کرتا'' آخر کار اس نے یہ بات کہہ دی، تب انہوں نے اس کو آگے جانے دیا۔

حضرت عائشہؓ پر منافقین کی تہمت اور قرآن کریم کی صفائی

منافق مسلمانوں کی آستینوں میں چھپے ہوئے وہ سانپ اور بچھو تھے کہ جو کام یہودی، عیسائی اور مشرک خود نہیں کر سکتے تھے وہ اس کمینی قوم سے کرا لیتے تھے، آج تک عرب کے مشرکین نے حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادوگر ہونے، شاعر اور کاہن ہونے، اور دیوانہ ہونے کا الزام لگایا، باپ دادا کے راستے کو چھوڑنے کا طعنہ دیا لیکن سارے عرب میں کوئی ابوجہل جیسا ذلیل بھی ایسا نہیں کھڑا ہو سکا جو اخلاق اور کردار میں کوئی کمی نکال سکتا! یہ کام یہودیوں نے اپنے چیلے منافقوں سے کروایا، اس میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت تک اس طرح کے کمینے کام کرنے کے لئے یہودی عیسائی نام کے مسلمان اسی طرح کے منافق پیدا کرتے رہیں گے، جو

سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کی شکل میں آسمان کی طرف تھوکنے کا کام کر کے اپنا ہی منہ کالا کرتے رہیں گے۔

غزوہ بنو مصطلق میں بھی اسی طرح کی ایک بات پیش آ گئی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سفر میں ازواج مطہرات میں سے کسی نہ کسی کو ساتھ لے جانے کا تھا، اس سفر میں حضرت امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، سفر سے واپسی پر ایک جگہ قافلے نے پڑاوَ ڈالا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صبح سفر سے پہلے اپنی ضرورت کے لیے باہر گئی ہوئی تھیں، جہاں انہیں کچھ دیری ہو گئی، چونکہ ان کا ہار ٹوٹ گیا تھا جس کے موتی چننے میں وقت لگ گیا، قافلہ چل پڑا اور جو لوگ ان کی پالکی اٹھا کر اونٹ پر رکھنے کے ذمہ دار تھے انہوں نے پالکی اٹھا کر اونٹ پر رکھ دی، ان کے ہلکا ہونے کی وجہ سے یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس میں کوئی نہیں ہے، لگام پکڑنے والے نے لگام پکڑ لی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس وقت واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے، وہ یہیں آرام کے لیے لیٹ گئیں کہ جس وقت میری تلاش شروع ہو گی واپس یہیں آئیں گے، ورنہ قافلہ نہ جانے کس طرف گیا ہو اور میں کہاں نکل جاؤں! حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جو قافلہ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے تاکہ کوئی گری پڑی چیز رہ گئی ہو تو یہ اسے اٹھا کر لے آئیں، جب وہ یہاں پہنچے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا! کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا، دیکھتے ہی زور سے کہا: اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ یہاں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ لگ گئی تھی یہ بات سنتے ہی وہ جاگ گئیں اور جاگتے ہی چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ پیچھے رہ گئیں ہیں، انہوں نے اونٹ بٹھایا اور خود ایک طرف ہو گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر بیٹھ گئیں، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ لگام پکڑ کر چل پڑے، ذرا سی بھی کوئی بات چیت نہیں کی، سلام بھی نہیں کیا، خیر خیریت بھی نہیں پوچھی! دوپہر کے وقت جب قافلے والے

ایک جگہ پڑاؤ کے لئے سامان اُتار رہے تھے کہ یہ پہنچ گئے، کسی کو کوئی خیال بھی نہیں آیا، اور نہ ہی پاک دل لوگوں کے دلوں میں کوئی خیال آ سکتا تھا، لیکن عبداللہ ابن ابی اور اس کی بد بخت پارٹی کو بل پڑنے شروع ہو گئے، انہوں نے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کو بد نام کرنے کا زبردست موقع ہے، پھر انہوں نے جھوٹی کہانی بنانے کے لیے تانا بانا تیار کرلیا، اور کہانی گھڑنا شروع کردی، مدینہ پاک پہنچ کر سارے اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے لیکن منافق بس اپنی منافقت میں مشغول رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اچانک بیمار ہو گئیں اور لگاتار ۳۰ دن بیمار رہیں، اس درمیان مدینہ پاک میں منافقوں نے جھوٹی خبریں گھر گھر پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی! یہاں تک کہ منافقوں کے علاوہ تین پکے سچے مسلمان حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اور حضرت حمنہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی ان کی سازشوں کے چکر میں آ گئے، انہوں نے اور تو کچھ نہیں کہا، صرف اتنی بات کہہ دی کہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، کیا معلوم کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے، بس اسی طرح کی باتوں پر ان کی بھی پکڑ ہو گئی، ۳۰/ دن بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ سے اس سازش کا پتہ لگا، تو ان کے پاؤں تلے زمین نکل گئی! رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مائیکے جانے کی اجازت مانگی تا کہ تحقیق کرسکیں، گھر جا کر اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھا انہوں نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: یہ بس جلن اور حسد کا نتیجہ ہے تو صبر کر! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو دن اور دو رات مسلسل آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کی برسات میں گذاریں، اور ٹھنڈ میں ایسا بخار چڑھ گیا کہ گھر کے سارے کپڑے ان پر ڈال دیے لیکن سردی ختم نہیں ہوئی۔ (بخاری: ۴۱۴۱ کتاب المغازی حدیث الافک)

دو دن بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ نور کے دوسرے رکوع کی دس آیتیں نازل ہوئیں جن میں حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی اور منافقوں کے جھوٹے ہونے کا بیان ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ کے کرم سے منافق ذلیل وخوار ہو گئے اور ایمان

والوں کا سر عزت سے اونچا ہو گیا۔

جو تین سچے مسلمان اس تہمت میں پھنس گئے تھے انہیں اسی اسی کوڑے مار کر خدائی حکم کے مطابق پاک کر دیا گیا، رہے منافق! تو ان کے بارے میں کچھ حضرات کی تحقیق ہے کہ انہیں بھی سزا دی گئی، لیکن جمہور کا خیال ہے کہ ان ناپاکوں کو آخرت کی سزا کی خاطر دنیا میں بالکل چھوڑ دیا گیا، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مخالفوں کو مخالفت پر سزا دی گئی۔

ایک بار اسی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو سچے صحابی تھے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں اپنے والد کی گردن اڑا کر آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور نیک سلوک کرنے کا حکم دیا۔ (وفاءالوفاء:۱/۲۴۳)

اس واقعہ کے بعد منافق بہت بدنام ہو گئے، ہر شخص ان کے اعمال پر نظر رکھنے لگا، یہاں تک کہ مدینہ پاک کی پاک زمین ان کے لئے تنگ ہو گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور صلح حدیبیہ

۶ھ میں رحمتِ عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے ہیں، جہاں عمرہ کے بعد کچھ ساتھی سر منڈوا رہے ہیں اور کچھ بال کٹوا رہے ہیں؛ صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کا گھر دیکھے ہوئے چھ سال گزر گئے تھے۔ جس کے لئے وہ تڑپ رہے تھے، رحمتِ عالم ﷺ نے جیسے ہی خواب بتایا ہر ایک دل میں حرم پاک اور بیت اللہ شریف کی محبت ٹھاٹھیں مارنے لگ گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

سب نے ضد کر لی کہ پھر ابھی عمرے کے لئے چلیں گے، نبی اکرم ﷺ بھی تیار ہو گئے۔ مدینہ منورہ اور آس پاس کی بستیوں میں بھی اس بات کا اعلان ہو گیا۔ ایمان والے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کو سچ سمجھتے تھے؛ اس لیے وہ فوراً تیار ہو گئے۔ ہوتے ہوتے تقریباً چودہ سو

یا دوسری روایت کے مطابق پندرہ سو صحابہ کرامؓ سامانِ سفر لے کر مستعد ہو گئے۔ انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ وہاں کیا ہوگا؟ مکہ والوں سے کئی بڑی بڑی جنگیں ہو چکی ہیں، پھر وہ کیسے اجازت دیں گے؟ ایسی کوئی بات دل و دماغ میں آئی ہی نہیں؛ کیوں کہ نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب پر تھی۔

لیکن منافق بالکل تیار نہیں ہوئے، وہ صرف گھروں میں بیٹھ کر اس بات پر تبصرے کر رہے تھے کہ یہ کیسے سانپ کے بل میں ہاتھ دے رہے ہیں؟ بس ایک منافق جد بن قیس ساتھ گیا، لیکن منافقت کرنے سے وہ اس راستے میں بھی باز نہ آیا۔

ذیقعدہ ٦ ھ کی پہلی تاریخ کو یہ مبارک قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا، عرب کے رواج کے مطابق عمرے کے سفر میں بھی قربانی کے جانور ساتھ لے لئے، ذوالحلیفہ پہنچ کر عمرے کا احرام باندھا گیا، اور قربانی کے جانوروں کو بھی خاص نشانی لگائی گئی جس سے پتہ چل جائے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور یہ عمرے والوں کا قافلہ ہے۔

خانہ کعبہ سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش بلکہ جتن

ادھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک صاحب جن کے مسلمان ہو جانے کی خبر عام لوگوں کو نہیں تھی، ان کو مکہ کے مشرکین کی خبر لانے کے لئے بھیج دیا! جس وقت انصار اور مہاجرین صحابہ کرام کا یہ قافلہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں عسفان کے نزدیک پہنچا تو انہوں نے آ کر خبر دی کہ قریش کو اس سفر کا پتہ چل چکا ہے، اور انہوں نے آپس میں قسمیں کھائی ہیں کہ ہم مسلمانوں کو کسی بھی حال میں مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس لئے آس پاس کے گاؤں کے لوگوں کی ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ وہ راستوں پر نظر رکھیں اور پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیں۔ اس مقصد کے لئے خالد بن ولید، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے ساتھ دو سو گھوڑے سوار لے کر مکہ سے نکل پڑا ہے۔

ٹکراؤ کوٹالنے کی کوشش

رابغ نام کی جگہ کے قریب پہنچ کر پتہ لگا کہ خالد ابن ولید دوسو گھوڑ سواروں کو لے کر رابغ اور جحفہ کے درمیان کراع الغمیم پر راستہ روکنے کے لئے پہنچ گیا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ چوں کہ اس مبارک سفر میں لڑائی اور خون خرابے سے بچنا چاہتے تھے، اسی لئے قربانی کے جانور جن پر قربانی کی نشانی لگی ہوئی تھی ساتھ تھے۔ جنگ کے ہتھیار بھی مکمل نہیں تھے۔ بس جیسے عام مسافر تلوار ساتھ رکھتا تھا ویسے ہی تلوار ساتھ تھی اور بس! اس لئے آپ ﷺ کو جیسے ہی پتہ چلا تو آپ ﷺ نے کراع الغمیم کا مشہور راستہ چھوڑ کر، پہاڑوں، اور تنگ گھاٹیوں کا راستہ اختیار فرمالیا، اس طرح مکی قافلے کو کچھ پتہ ہی نہیں چلا اور نبی اکرم ﷺ مکہ سے بس ۱۵ ر کلومیٹر پیچھے حدیبیہ نام کی جگہ تک پہنچ گئے، جس کو آج شمیسی کہتے ہیں، یہاں پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا جو پہلے ہی سوکھ رہا تھا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں ختم ہوگیا، صحابہ کرامؓ نے پیاس کی شکایت کی، جس پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے ترکش (تھیلے) میں سے تیر نکال کر دیا جیسے ہی وہ تیر کنویں میں مارا تو پانی ابلنے لگا، جو کہ سارے لشکر کے لئے کافی ہوگیا۔ (ابن ہشام: ۲۳۲/۳)

یہاں پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے حضرت خراش ابن امیہؓ کو قریش کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں؛ بلکہ عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں اور عمرے سے قریشی قانون کے مطابق بھی کسی کو روکا نہیں جا سکتا۔

لیکن قریش حضرت خراش ابن امیہ ؓ پر ٹوٹ پڑے، ان کا اونٹ بھی چھین کر ذبح کر دیا، آخر کچھ لوگوں نے بیچ میں پڑ کر کسی طرح ان کو چھڑا لیا، تو وہ بھاگ کر واپس حدیبیہ پہنچ گئے۔

بدیل ابن ورقا کی ثالثی

تب تک بنوخزاعہ جو مسلمان تو نہیں ہوئے تھے، لیکن ہمیشہ مسلمانوں کی طرفداری کرتے

تھے۔ان کا بڑا سردار بدیل ابن ورقاءآ گیا،اس نے بتایا کہ قریش نے راستوں پر اور تمام پانیوں پر اپنے پہریدار بٹھائے ہوئے ہیں ۔ جو تمہیں حرم جانے سے روکیں گے ، انہوں نے قسمیں کھا کھا کر وعدے کئے ہیں کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم مسلمانوں کو بیت اللہ شریف تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ہم لڑائی جھگڑا کرنے نہیں آئے ،ہم تو بس عمرہ کرنے آئے ہیں، اور قریش کو تو لڑائیوں نے تباہ کر دیا ہے، انہیں کافی نقصان پہنچ چکا ہے۔ان کے لئے یہی بات بہتر ہے کہ وہ کچھ وقت کے لئے میرے ساتھ صلح کا اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرلیں ۔میرے اور باقی عربوں کے درمیان سے ہٹ جائیں ،لیکن اگر وہ اس بات پر راضی نہ ہوئے تو پھر اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں اس وقت تک اللہ کے راستے میں لڑوں گا جب تک کہ یا تو خدا کا دین غالب آ جائے ، یا اس کے راستے میں میری جان چلی جائے۔

بدیل نے کہا: اچھی بات ہے! میں آپ کی یہ باتیں مکہ والوں تک پہنچا دوں گا، پھر دیکھتے ہیں وہ کیا جواب دیں گے۔ یہ بات کہہ کر بدیل مکہ کے سرداروں کے پاس گیا۔اور ان کو جمع کر کے کہا: میں ان کے پاس سے آرہا ہوں میں نے ان سے ایک بات سنی ہے اگر تم اجازت دو تو میں کہوں؟ اس پر بیوقوف لوگ بولے : رہنے دو ہمیں ان کی کوئی بات نہیں سننی ۔لیکن سمجھدار لوگوں نے کہا: نہیں ،نہیں! آپ بتائیں! کیا بات سنی ہے؟ اس پر بدیل نے وہ ساری باتیں جو نبی کریم ﷺ سے سنی تھیں بتا دیں ۔قریش نے اس پر مکرز بن حفص اور پھر حُلیس بن علقمہ کو اپنا ترجمان بنا کر بھیجا، حلیس نے واپس آ کر بڑی انصاف کی بات کہی ،اس پر قریش کے چھوٹی عمر کے سردار بھڑک اٹھے کہ تجھے پتہ ہی نہیں چلا ،تو ،تو دیہاتی بیوقوف آدمی ہے۔اس پر حلیس کو بھی غصہ آ گیا،اس نے بھی کھری کھری سنا دی۔اتنے میں ایک بڑی عمر کے آدمی عروہ بن مسعود نے مداخلت کی۔

عروہ بن مسعود ثقفی کی ثالثی اور صحابہ کرامؓ کی محبت کا منظر

عروہ بن مسعود نے کہا: قریشیو! بتاؤ! کیا میں تمہارے لئے باپ کی جگہ اور تم میرے لئے اولاد کی جگہ نہیں ہو؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! اس نے کہا: تمہیں میرے بارے میں کوئی بدگمانی تو نہیں؟ لوگوں نے کہا: بالکل نہیں، اس نے کہا: پھر مجھے جانے دو، میں خود ان سے کچھ باتیں کروں گا''۔لوگوں نے کہا:''بیشک آپ جائیں''۔ (سیرۃ المصطفٰی وفی ابن ہشام عکسہ)

اس طرح عروہ بن مسعود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے بھی وہی باتیں فرمائیں جو بدیل ابن ورقاء سے فرمائی تھیں۔عروہ نے جواب دیا:''اے محمد! (ﷺ) اگر جنگ ہوگئی اور آپ ہی غالب آگئے اور آپ نے اپنی قوم کا، کام تمام کرہی دیا، پھر بتاؤ کیا آپ سے پہلے کوئی ایسا عربی انسان گزرا ہے، جس نے اپنی ہی قوم کو ختم کر دیا ہو؟ اور اگر کبھی ایسا ہوا کہ نقشہ بدل گیا یعنی آپ کے مخالف غالب آگئے تو مجھے آپ کے ساتھ ایسے لوگ نظر آرہے ہیں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غصہ آگیا، انہوں نے غصہ میں بڑی کڑوی باتیں کہہ دیں کہ جا تو اپنے بت لات کے ستر کو چاٹ، تو کیا سوچتا ہے کہ ہم رحمتِ عالم ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟

عروہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب دیا گیا! ابوبکر صدیقؓ! اس نے کہا: خدا کی قسم ان کا مجھ پر ایک احسان ہے، جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا، ورنہ تو میں ان کی اس بات کا جواب ضرور دیتا۔یہ بات کہہ کر عروہ پھر نبی کریم ﷺ سے گفتگو کرنے لگ گیا اور عرب کے رواج کے مطابق بات بات پر نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک کو ہاتھ لگا رہا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی کھڑے تھے، اور انہوں نے سر پر خود پہنی ہوئی تھی، اس لئے عروہ انہیں پہچان نہ سکا، ورنہ وہ تو اس کے سگے بھتیجے تھے۔ انہوں نے فرمایا: اپنے ہاتھ کو اس مبارک داڑھی سے پیچھے رکھو ورنہ یہ ہاتھ واپس نہیں جائے گا''، عروہ نے پوچھا یہ کون؟ بتایا گیا مغیرہ ابن

شعبہؓ اس نے پہچان لیا، دور جہالت کی ایک بات یاد کروا کر کہنے لگا: او غدار! میں ابھی بھی تیرے جرمانے بھر رہا ہوں، تو بھول گیا؟ اصل میں جہالت کے دور میں حضرت مغیرہؓ سے کچھ قتل ہو گئے تھے۔ جن کی دیت چچا نے بھری تھی، وہ وہی بات یاد کروا رہا تھا۔

عروہ یہ باتیں بس یوں ہی دکھانے کے لئے کر رہا تھا، ورنہ اس کو تو سب کچھ معلوم تھا جس کا اظہار اس نے واپس جا کر مکہ والوں سے کیا، اس نے واپس جا کر کہا: ''اے قریشیو! میں ایران کے بادشاہ کسریٰ اور روم کے بادشاہ قیصر اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس جا چکا ہوں، لیکن قسم بخدا جو بات میں محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں دیکھ کر آیا ہوں وہ تو میں نے کہیں بھی نہیں دیکھی۔ محمدﷺ جب بات کرتے ہیں تو ان کے ساتھی ایسے چپ ہو جاتے ہیں جیسے بے جان لکڑیاں ہیں وہ کھنکھارتے ہیں تو عقیدت مند ساتھی تھوک نیچے گرنے نہیں دیتے بلکہ ہاتھوں اور اپنے منہ پر مل لیتے ہیں۔ وہ وضو کرتے ہیں تو بابرکت پانی حاصل کرنے کے لئے ایسے ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے لڑائی ہونے لگی ہے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ لڑائی میں سب سے اہم اور ضروری چیز تو امیر کی اطاعت ہوتی ہے، اور صحابہ کرامؓ تو اپنے نبی کے ایک معمولی سے اشارے پر جان دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، پھر ان کے ساتھ لڑائی کوئی آسان کام نہیں ہے۔

مشرکین کا اچانک حملہ اور حضورﷺ کی طرف سے معافی

خیر! یہ باتیں تو ابھی چل ہی رہی تھیں، اچانک مکہ کے کچھ شرارتی اور لڑاکو قسم کے لوگوں نے سوچا ایسا نہ ہو کہ اس طرح کوئی صلح ہو جائے اور ہمیں جنگ کا موقع نہ ملے، انہوں نے رات کے اندھیرے میں اچانک حملہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ پھر ستر یا اسی لوگوں نے رات کو چھپ کر اس مبارک قافلے پر حملہ کر دیا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ہم بے خبری میں حملہ کر کے مسلمانوں کو قتل کر دیں گے۔ انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیں گے، لیکن نبی کریمﷺ نے پہرے کا پورا انتظام

فرمایا ہوا تھا۔نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سب کے سب گرفتار ہو گئے۔ یہ ایک بڑی شرارت تھی حق تو یہ تھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جاتا،لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے سب کو معاف فرما کر واپس بھیج دیا۔

حضرت عثمانؓ کی سفارت اور ''بیعتِ رضوان''

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ابھی تک مکہ والوں کی جانب سے تو لوگ آ رہے ہیں،لیکن ہم نے باقاعدہ کوئی آدمی مسلمانوں کا سفیر و ترجمان بنا کر صلح کے لئے نہیں بھیجا! اس کے لئے حضرت عمرؓ کا نام بھی آیا لیکن پھر نبی کریم ﷺ کے داماد حضرت عثمانؓ کو طے کیا گیا، کہ آپ مکہ والوں کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم جنگ کرنے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں۔اور ساتھ ہی مکہ کے کمزور مسلمانوں کو یہ خوشخبری بھی دے دو کہ اب قریب ہی اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کر دے گا۔

حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ دار ابان ابن سعید کی پناہ لے کر مکہ تشریف لے گئے۔ جہاں کچھ لوگوں نے سب سے پہلے ان کے کپڑوں پر اعتراض کیا:'' آپ نے لنگی (تہبند) اونچی کیوں باندھی ہوئی ہے؟ جس کا جواب انہوں نے غیرتِ ایمانی کے ساتھ دیا کہ ''جن کے ساتھ میری دوستی ہے وہ ایسے ہی کرتے ہیں''۔ پھر قریش نے ان سے کہا:'' آپ طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں،لیکن محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ہم اجازت نہیں دے سکتے،مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اکیلے طواف کرنے سے انکار فرما دیا۔

آخر انہوں نے اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کو مکہ میں روک لیا،لیکن حدیبیہ میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔اس پر نبی اکرم ﷺ کو بہت صدمہ اور دکھ ہوا کہ اس طرح اگر سفیروں کو قتل کرنے کا سلسلے شروع ہو گیا تو دنیا میں کوئی کسی پر بھروسہ ہی نہیں کر سکے گا،تو ساری دنیا میں بدامنی اور ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پہنچتے ہی تمام صحابہ کرام کو بلا کر فرمایا:''حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے'' اس بات کے لئے آخری دم تک جنگ کرنے اور اللہ کے راستے میں قربانی دینے پر بیعت کرو! یہ بات فرما کر نبی کریم ﷺ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرام نے بڑے جوش کے ساتھ بیعت کرنی شروع کردی، حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین تین بار بیعت کی، ایک منافق جد ابن قیس کو چھوڑ کر سارے صحابہ کرامؓ نے بیعت کی، حالانکہ ان کے پاس تلوار کے علاوہ اور کوئی جنگ کا سامان بھی نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کو اخلاص والی یہ بیعت اتنی پسند آئی کہ قرآن کریم میں اس طرح اس کا تذکرہ فرمایا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ☆

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جس وقت وہ آپ کے ہاتھوں پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ (سورہ فتح:۱۸)

یہ بیعت ہر ایک صحابی سے مصافحہ کر کے لی گئی، آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: ''یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے، مطلب یہ تھا کہ اگر وہ یہاں ہوتے تو وہ بھی اسی طرح بیعت کرتے۔

صلح کا معاہدہ اور صلح نامہ

بعد میں پتہ چلا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر جھوٹی تھی اور حضرت عثمانؓ تشریف بھی لے آئے۔ لیکن بیعت کی یہ باتیں اور یہ جذبات جب مکہ والوں تک پہنچے تو مشرکین مکہ کے ہوش اڑ گئے، کچھ تو پہلے ہی نرم ہو گئے تھے جب مسلمانوں نے اسی گرفتار شدہ لوگوں کو چھوڑا تھا، اب ان کو احساس ہوگیا کہ ہمارے لئے صلح کرنے سے بہتر کوئی بات نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے بہت ہی ہوشیار اور گردشِ زمانہ کے ماہر جہاں دیدہ شخص سہیل ابن عمرو کو صلح کی شرطیں طے کرنے کے لئے بھیجا۔ اس کو دیکھتے ہی رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ''یہ بندہ یقیناً صلح کے لئے آرہا ہے، اور جب پتہ چلا کہ یہ سہیل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سہیل ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہارا معاملہ سہل

کر دیا ہے‘‘۔

سہیل نے کافی دیر بات کی جس پر صلح بھی ہوگئی اور صلح کی مندرجہ ذیل یہ شرطیں بھی طے ہوگئیں:

۱-اس سال مسلمان اسی طرح واپس چلے جائیں گے، عمرہ نہیں کریں گے، ہاں اگلے سال آسکتے ہیں، لیکن ان کے پاس صرف سوار مسافر کے ہتھیار یعنی میان میں رکھی ہوئی تلوار ہوگی، وہ عمرہ کریں گے کوئی ان کے ساتھ شرارت نہیں کریگا، مکہ والے تین دن تک کے لئے مکہ مکرمہ کو مسلمانوں کے لئے خالی کردیں گے۔

۲-دس سال تک دونوں جماعتیں جنگ بند رکھیں گی، کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

۳-عرب کے قبیلوں میں سے جو مسلمانوں کے ساتھ ملنا چاہتا ہے، وہ ان کے ساتھ مل سکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ ملنا چاہتا ہے وہ ان کے ساتھ مل سکتا ہے، لیکن جو قبیلہ جس کے ساتھ مل جائے گا وہ اس کا حصہ بن جائے گا۔ اس کے ساتھ زیادتی اصل جماعت کے ساتھ زیادتی سمجھی جائے گی۔

۴-قریش کا جو بندہ مسلمان ہوکر مدینہ جائے گا اس کو واپس مکہ بھیجا جائے گا۔ لیکن اگر کبھی اللہ نہ کرے کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ آئے گا اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

یہ بہت ظلم اور ناانصافی کی شرطیں تھیں، لیکن آپ ﷺ نے سبھی شرطیں مان لیں، صحابہ کرامؓ کو اس پر بہت دکھ تھا، لیکن نبی کریم ﷺ کے سامنے چپ تھے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو لکھنے کا حکم ہوا، تو فرمایا: لکھو!

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سہیل نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کون ہے، ہمارے پرانے طریقے پر لکھو:

بِاسۡمِکَ اَللّٰهُمَّ

یہ بہت بے ہودہ بات تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صبر وتحمل فرماتے

ہوئے فرمایا: ''اسی طرح لکھ دو'' ۔ پھر صلح نامہ کا مضمون لکھنا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لکھو! یہ وہ بات ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے صلح ومصالحت کی ہے۔ سہیل نے فوراً اس بات پر اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو اللہ کا رسول مان لیں تو خانہ کعبہ سے کیوں روکیں! جھگڑا ہی اسی بات کا ہے، آپ (ﷺ) اپنے نام کے ساتھ اپنے والد محترم کا نام لکھوائیں! نہ کہ رسول اللہ!

رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں چاہے تم نہ مانو! یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹا کر اس کی جگہ ''محمد بن عبد اللہ'' لکھ دو! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں اپنے ہاتھوں سے یہ مبارک لفظ نہیں مٹا سکتا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے بتاؤ کہاں لکھا ہے''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انگلی سے بتایا، نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے قلم زد کر دیا اور فرمایا: ''اب لکھ دو۔ خیر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ ضد بھی مان لی اور ساری شرطیں لکھ کر صلح نامہ تیار کر دیا! (ابن ہشام: ۲۳۹/۳)

زنجیروں میں جکڑے ہوئے ابوجندلؓ اور مسلمانوں کا کڑا امتحان

ابھی صلح نامہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ یہاں ایک بڑی آزمائش آ پڑی۔ وہ یہ کہ ابھی صلح نامہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ صلح نامہ لکھوانے والے سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ جو پکے سچے مسلمان تھے، لیکن گھر والوں نے زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ کہ کہیں مسلمانوں سے نہ مل جائیں۔ یہ کسی طرح بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے مکہ سے نکلے اور اسی حدیبیہ والے میدان میں پہنچ کر مسلمانوں کو دکھایا کہ دیکھو! تمہارے ایمانی بھائی کا کیا حال ہے؟ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے کہا: ابھی صلح نامہ پورا نہیں ہوا، دستخط نہیں ہوئے، اس لئے انکو ہمارے ساتھ جانے دو، سہیل نے کہا: بلکل نہیں''، پھر صلح نہیں ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا اسی طرح ایک آدمی مجھے مانگا ہوا ہی دیدو''، اس نے کہا: '' یہ بھی نہیں

ہوسکتا''۔اس طرح حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ پھر سہیل کے حوالے کر دیے گئے !اس نے اتنے بڑے مجمع کے سامنے ان کو گریبان سے پکڑ کر دھکا دیا، اور کہا: ''گھر کی طرف چل''، اور پھر ایک تھپڑ بھی مارا۔حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے چیخ مار کر کہا: ''او مسلمانو! مجھے پھر مشرکوں کے حوالے کیا جارہا ہے''۔ وہ مجھے میرے دین سے پھیرنے کے لئے اور تکلیفیں دیں۔صحابہ کرامؓ یہ باتیں سن کر غصے میں بھرے ہوئے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کے سامنے بالکل خاموش تھے، جیسا کہ ان کے ہونٹوں پر تالے لگے ہوں۔اور ہاتھ بندھے ہوئے ہوں۔نبی کریم ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: ''ابو جندل''ثواب کی امید پر صبر کرو، جلد ہی اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے چھٹکارے کا راستہ نکالیں گے، اب صلح ہو چکی ہے اور ہم وعدہ خلافی نہیں کرسکتے''۔(مسند امام احمد، البدایہ والنہایہ:۱۶۹/۴))

دل کے جذبات لے کر حضرت عمرؓ دربار نبوی میں

یہاں ذرا رک کر اس صلح نامے پر ایک نظر ڈالیں، اور حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کے قصے پر غور فرمائیں، کہ سب کچھ برداشت کرنا اور اپنے بھائی کو مشرکین کے حوالے کرنا کوئی آسان کام ہے؟ دلوں میں کیسے کیسے خیال بلکہ جذبات آئے ہونگے۔لیکن صحابہ کرامؓ کے ہونٹ سلے رہے، صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمت کر کے دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور ادب سے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ حق پر نہیں ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں!''عرض کیا: ''پھر ہم کیوں اس طرح دب کر صلح کریں؟''رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں، میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرسکتا، اللہ ضرور میری مدد فرمائے گا''۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال کریں گے؟''عرض کیا: ''یہ تو نہیں فرمایا تھا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ان کے سامنے بھی یہی باتیں پیش کیں۔تو عجیب اتفاق کہ انہوں نے بھی بالکل وہی جواب دیے، جو دربارِ نبوی ﷺ سے ملے تھے۔بس آخر میں یہ بات کہی کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھو، یہاں تک کہ موت آجائے؛ کیوں کہ خدا کی قسم آپ ﷺ حق پر ہیں۔

(کمارواہ ابن ہشام)

خدا اپنے رازوں کو خود جانتا ہے

اس سب کے پیچھے کیا راز تھے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔اور کچھ ایک راز اس نے سورہ فتح میں بیان بھی فرمادیے ہیں جو ان شاءاللہ آگے اسی بیان میں آرہے ہیں۔لیکن آگے بڑھنے سے پہلے پھر ایک بار حضرت عمرؓ کے قصے پر غور فرمایئے، یہ صرف ان کی اپنی بات نہیں، بل کہ شاید اس وقت سارے ایمان والوں کے یہی جذبات تھے، اور اللہ تعالیٰ یہ بات قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو سنانا چاہتا تھا، کہ شریعت کے احکام میں، نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں اور قرآن کریم کے ارشادات میں کچھ ایسے راز بھی ہوتے ہیں، جو وقتی طور پر کئی بار بڑوں بڑوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتے؛ بل کہ ظاہری طور پر کئی بار ان پر عمل کرنے میں نقصان ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن در حقیقت وہی کامیابی کا زینہ ہوتے ہیں؛ لہذا امتی کا کام آنکھیں بند کر کے نبی کریم ﷺ کی ایک ایک سنت پر عمل کرنا ہے۔خود حضرت عمرؓ کو بھی کچھ دیر بعد اپنی بات کا احساس ہو گیا تھا، بل کہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس بات کی وجہ سے کتنی نفل نمازیں پڑھیں، کتنے روزے رکھے، کتنی خیرات دی اور کتنے غلام آزاد کئے۔ (سیرتِ حلبیہ)

حدیبیہ سے واپسی

خیر! اس صلح کے بعد نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اپنے ساتھ لائے ہوئے قربانی کے جانور

یہیں حدیبیہ میں قربان کردیے جائیں، اور سر منڈوا کر احرام کھول کر واپسی کی تیاری کی جائے۔

صحابۂ کرامؓ کیوں کہ بغیر عمرہ کے اس واپسی پر بہت ہی دکھی تھے، اس وجہ سے کسی کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی، نبی کریم ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے یہ بات بیان فرمائی کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! مسلمانوں کے لئے صلح بہت گراں گذری ہے، دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں، بس خود اپنی قربانی کر کے سرِ مبارک منڈوائیں، پھر سب آپ کی اتباع کریں گے۔ آخر یہی ہوا، آپ ﷺ نے جیسے ہی قربانی کر کے سرِ مبارک منڈوایا، چودہ سو صحابہ کرامؓ نے اسی وقت اس پر عمل کیا، اور واپسی کے لئے تیار ہو گئے۔

سورہ فتح صلح حدیبیہ پر ایک خدائی تبصرہ

حدیبیہ والا یہ واقعہ کچھ زیادہ ہی عجیب و غریب واقعہ ہے۔ جس میں کتنی ہی ایسی عجیب باتیں ہیں، جو عام امت کو کیا سمجھ میں آئیں گی، خود صحابہ کرامؓ میں بھی زیادہ حضرات کو بالکل ہی عجیب لگ رہی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سارے رازوں سے پردہ ہٹاتے ہوئے ایک پوری سورت نازل فرمائی۔ یہ سورہ فتح ہے، جو واپسی میں کراع الغمیم پہنچ کر نازل ہوئی تھی۔ صحابہ کرامؓ اس کو اپنی ہار سمجھ رہے تھے۔ سورت کے شروع میں ہی فرمایا: ''یہ ہار نہیں ہے! بل کہ صاف صاف اور کھلم کھلا فتح ہے، اور یہ فتح اس بات کی نشانی ہے کہ جس کام کے لئے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، وہ اب منزل سے ہمکنار ہونے ہی والا ہے اور ایمان والوں کی قربانیوں کا اب دنیا آخرت میں واضح نتیجہ نکلنے والا ہے۔

پھر جب اس کی گہرائیوں میں ذرا غور کیا تو صاف صاف پتا چلا کہ یہ تو واقعتاً بہت بڑی فتح ہے یہ فتح کیسے تھی چند باتیں آپ بھی دیکھ لیجیے!!

۱-آج تک مشرکین حرم میں کسی کی شرکت برداشت ہی نہیں کرتے تھے۔کسی کو اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے،آج وہی لکھ کر دے رہے تھے کہ اس سال تم ہماری ناک رکھ لو،آئندہ سال تمہیں کھلی اجازت ہے،جس طرح چاہو عمرہ کرو،نماز پڑھو،تمہاری مرضی۔

۲-اور سب سے بڑا جھگڑا تھا ہی اس بات کا تھا کہ مسلمان کسی کو کھل کر اپنے دین کی دعوت نہیں دے سکتے تھے۔آج وہ صرف عرب نہیں بل کہ ساری دنیا کے لئے لکھ کر دے رہے تھے کہ جس کا دل چاہے وہ تمہارے ساتھ مل جائے،اور جس کا دل چاہے وہ ہمارے ساتھ رہے۔پھر دو سال کے اندر اندر اس کا نتیجہ بھی سب نے دیکھ لیا،خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ اور عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ جیسے بہادر جن پر مکہ والوں کو ناز تھا وہ سب اسلام کی گود میں تھے۔سارے عرب میں اتنی تیزی سے اللہ کا دین لوگوں کے دلوں میں اتر رہا تھا کہ صرف دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر رحمتِ عالم ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرامؓ تھے ۔

۳-اور تیسری اہم بات یہ کہ مکہ کے مشرک آج ذہنی شکست تسلیم کر رہے تھے! وہ اس طرح کہ انہوں نے مطالبہ کیا کہ اگر کوئی ہمارا بندہ تمہارے پاس جائیگا تمہیں واپس کرنا پڑے گا۔اس کا مطلب یہ تھا کہ لوگ ہمارے ساتھ رہنا نہیں چاہتے یہ ہم نے زبردستی روکے ہوئے ہیں ۔یہی بات نبی کریم ﷺ نے ایمان والوں کو سمجھائی تھی کہ جو ایمان والا ہوگا مکہ والے اس کو اگر باندھ کر بھی رکھیں گے،تب بھی اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکال دے گا،اور جو بندہ ہمارا ہوگا وہ ہمیں چھوڑ کر مکہ جائے گا ہی کب؟ جب تک اس کے دل میں ایمان ہوگا وہ کافروں کے ساتھ نہیں ملے گا،اور جب ایمان ہی دل سے نکل جائے گا! پھر وہ ہمارا کیسے رہے گا!

سورت کے دوسرے رکوع میں منافقوں کی منافقت اور ایمان والوں کے اخلاص کو واضح فرمایا گیا کہ ایمان والوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور نبی کریم ﷺ کی رفاقت میں کسی کی پرواہ نہیں کی،نہ بیوی بچوں کی،نہ گھر بار کی،اور نہ ہی مکہ والوں کی دشمنی کا خیال کیا،بس اللہ تعالیٰ کے توکل

پر چل پڑے، یہی ایمان کا تقاضہ ہے اور اسی کا ہر ایک مومن سے مطالبہ ہے۔ دوسری طرف منافق ہیں وہ کس طرح زمانے کی گردشوں کو دیکھتے ہیں! اور کس طرح ہر ایک چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں اور بات بات پر ضمیر کا سودہ کر دیتے ہیں۔

تیسرے رکوع میں صحابہ کرامؓ کے اخلاص کا ایسا دلچسپ مضمون ہے کہ شاید دوسری کسی جگہ قرآن کریم میں ایسی منظر کشی نہیں فرمائی گئی ہے، خاص طور سے بالکل خالی ہاتھوں جنگ کے لئے تیار ہو جانا، بیعت کرنی، اور کافروں کی جاہلانہ ضد کو برداشت کرنا، اور تقوے کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا، ان سب باتوں کو کتنے پیارے انداز میں بیان فرمایا گیا ہے! ایک آیت آپ بھی پڑھ لیجیے:

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا☆

ترجمہ: چنانچہ جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں اس حمیت کو جگہ دی جو جاہلیت کی حمیت تھی، تو اللہ نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں پر سکینت نازل فرمائی، اور ان کو تقوی کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اسی کے زیادہ حق دار اور اسی کے اہل تھے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الفتح:۲۶)

آخر میں اس بات کی تسلی دے کر کہ تم ضرور خانہ کعبہ میں جاؤ گے، اور عمرہ کر کے ضرور سر بھی منڈ واؤ گے، یہ بات پھر بیان فرمائی کہ اس کو ہار نہ سمجھو، یہ دین آیا ہی غالب ہونے کے لئے ہے، یہ مغلوب نہیں ہوسکتا، ہاں! لیکن دین کے خادموں کو صحابہ کرامؓ جیسی صفات بنانے کی ضرورت ہے، اس لئے سورت مبارکہ کے آخر میں صحابہ کرامؓ کی صفات کا ایسا زبردست نقشہ کھینچا ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا

سُجَّدًا یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا☆

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں! (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوگئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں، تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کرلیا ہے''۔ (الفتح:۲۹)

رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خاص طور سے حضرت عمرؓ کو یہ سورت سنائی، صحابہ کرامؓ نے حیرانگی سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ فتح ہے؟ (یعنی ہمیں تو ہار لگ رہی تھی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ بہت بڑی فتح ہے''۔

(مسند احمد، ابوداؤد، و بخاری ۳۱۸۲)

مظلوم عورتوں کا مسئلہ حل ہوگیا

صحابہ کرامؓ کا یہ قافلہ مدینہ کی طرف واپس ہونے ہی والا تھا کہ اچانک ایک دوسرا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا، وہ یہ کہ عقبہ ابن ابی معیط (جس نے مرے ہوئے اونٹ کی اوجڑی، نبی کریم ﷺ کے

اوپر سجدے کی حالت میں ڈالی تھی) اس کی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنھا ایمان قبول کر کے کچھ عورتوں کو جنہوں نے ایمان قبول کر لیا تھا، ساتھ لے کر آ گئیں، کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ معاہدے کے مطابق یہ ساتھ نہیں جا سکتی تھیں۔ صحابہ کرامؓ بہت پریشان ہو گئے۔ کہ اب تو ہمیں اپنی ایمان والی بہنیں بھی واپس کرنی پڑیں گی؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ واپس نہیں جائیں گی، صحابہ کرامؓ حیران تھے کہ پھر معاہدہ کس طرح پورا ہوگا؟ اتنے میں مکہ کے مشرک بھی آ گئے کہ ان کو وعدے کے مطابق واپس کرو۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہم نے مردوں کے بارے میں واپس کرنے کا معاہدہ کیا ہے، عورتوں کے بارے میں نہیں کیا۔ چنانچہ معاہدے والا صلح نامہ پڑھا گیا، اس میں یہی بات لکھی گئی تھی، اس طرح یہ واپس نہیں ہوئیں اور اس طرح ساری مظلوم عورتوں کا مسئلہ حل ہو گیا۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَاتَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَاهُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ مَا اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلَاتُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

ترجمہ: اے ایمان والو! جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں جانچ لیا کرو! اللہ ہی ان کے ایمان کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی عورتیں ہیں، تو تم انہیں کافروں کے پاس واپس نہ بھیجنا، وہ ان کافروں کے لئے حلال نہیں ہیں، اور نہ کافر ان کے لئے حلال ہیں۔ اور ان کافروں نے جو کچھ (ان عورتوں پر مہر کی صورت میں) خرچ کیا ہو، وہ انہیں ادا کر دو۔ اور تم پر ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں، جب کہ تم نے ان کے مہر ادا کر دیے ہوں۔ اور تم کافروں کی عورتیں اپنے قبضے میں نہ رکھو، اور جو کچھ تم نے (ان کافر بیویوں پر مہر کی صورت میں) خرچ کیا تھا، وہ تم

(ان کے نئے شوہروں سے) مانگ لو۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والا، بڑی حکمت والا ہے (سورہ ممتحنہ :۱۵)

کمزور مسلمانوں کا مسئلہ بھی حل ہو گیا

نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو مکہ کے ایک مظلوم مسلمان حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ جو کافروں نے جکڑ رکھے تھے، کسی طرح چھوٹ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے، یہ ابھی پہنچے ہی تھے کہ مکہ مکرمہ کے سرداروں کے بھیجے ہوئے دو آدمی بھی ان کو واپس لے جانے کے لئے مدینہ پہنچ گئے۔ ان دونوں نے مطالبہ کیا کہ معاہدے کے مطابق ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے وعدے کے مطابق یہ ان کے حوالے کر دیے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر یہ دونوں کھجور کھانے لگے، حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اوفلاں! تیری تلوار تو بڑی زبردست ہے، اس نے کہا: ''کیوں نہیں! میں نے اس کا بڑی بار تجربہ کیا ہے''، انہوں نے کہا ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ''! اس نے فوراً میان سے نکال کر ان کو دے دی، انہوں نے ایک ہی وار میں اس کا کام تو تمام کر دیا، اور دوسرا دیکھ کر بھاگ گیا، بلکہ بھاگتے بھاگتے مدینہ منورہ پہنچ گیا، نبی کریم ﷺ کو کہنے لگا، میرا ساتھی تو مار دیا گیا، اور میرا کام بھی کیا جانے والا ہے۔

اتنے میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے تو اپنا وعدہ پورا کر دیا، اور میرا ان سے کوئی معاہدہ ہے نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہت جنگ بھڑکانے ولا ہے، کاش کوئی اس کا ساتھی ہوتا، (بخاری ۲۷۳۲، مسند احمد: ۴/۳۳۱) وہ سمجھ گئے کہ میں پھر واپس کیا جاؤں گا، لہذا یہاں سے بھاگ کر سمندر کے کنارے چلے گئے، جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے، کچھ دنوں میں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ بھی بھاگ کر یہاں آ گئے، پھر تو بس جس جس مظلوم کو پتا چلتا تھا ادھر ہی آ جاتا تھا۔ اس طرح یہ ایک جماعت بن گئی، تو انہوں نے قریش کے سوداگری قافلوں کو

مار پیٹ کر اپنا گزارہ شروع کرلیا، کچھ دنوں میں ہی مکہ کے لوگ تنگ پڑ گئے، انہوں نے اپنا ایک آدمی مدینہ منورہ بھیج کر رشتہ داری اور خدا کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ ان لوگوں کو آپ اپنے پاس مدینہ منورہ ہی بلا لیں، تا کہ یہ کسی معاہدے کے ماتحت ہو جائیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آئندہ کوئی مدینہ منورہ آئے گا ہم اس کو بھی واپس نہیں مانگیں گے۔ اس طرح یہ مظلوم بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جس وقت یہ مدینہ منورہ تشریف لائے یہ ستر لوگ تھے، اور بعض نے تین سو تک کی تعداد لکھی ہے۔ سبحان اللہ! اللہ مظلوموں کے لیے کیسے راستے کھولتا ہے!!

مکہ مکرمہ کے جگر گوشے مدینہ میں

کچھ ہی دنوں کے بعد اکثر روایتوں کے مطابق ۸ ھ کے شروع میں مکہ کے سب سے بہادر تین آدمی: حضرت خالد ابن ولیدؓ، حضرت عمرو ابن العاص اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنھم مسلمان ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے، نبی کریم ﷺ نے ان کا زبردست استقبال فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے''۔ یہ صلح کا پہلا نتیجہ تھا، پھر اللہ کے کرم سے انہوں نے دین کی ایسی خدمات انجام دیں جن کو تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔

دنیا کے بادشاہوں کے نام خطوط

صلح حدیبیہ کیا تھی؟ ساری دنیا کے لئے دین کا راستہ کھل گیا، چاروں طرف دین کی روشنی پھیلنے لگ گئی، سارے عرب میں دین کی ہوا چل پڑی، مظلوموں، غلاموں اور زمانے کے اُتار چڑھاؤ میں دبے ہوئے لوگوں کے دل میں آزادی کی امیدیں انگڑائی لینے لگ گئیں، یہ سب لوگ اب آزادی سے مدینہ آ رہے تھے۔ ایمان قبول کر رہے تھے، بل کہ اپنے اپنے شہروں میں یہ روشنی لے کر جا رہے تھے، اور جن کے پاس کوئی لے جانے والا نہیں تھا، ان تک پہنچانے کے لئے

آزادی سے انتظامات کئے جارہے تھے۔ صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا گیا تھا، اب اس کا مطلب سمجھ میں آرہا تھا چوں کہ فتح کا مطلب ہے ''کھولنا'' یعنی اب تک دعوت اسلام کا جو دروازہ بند تھا، وہ اب کھل گیا ہے۔

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اُس عالمی کام کا آغاز فرمادیا تھا جس کے لئے آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، عرب کے سارے بڑے لیڈروں اور سرداروں کی ایک فہرست تیار کروائی گئی پھر عرب کے قریب قریب کے بادشاہوں کی ایک فہرست بنوائی گئی، پھر ایک ایک تک اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کی بھیجی ہوئی روشنی پہنچانے کے لئے ماہر اور تجربہ کار صحابہ کرامؓ تیار کئے گئے، خاص کر اس وقت کی سب سے بڑی بادشاہتوں یعنی روم اور ایران کے نام خط لکھے گئے، اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ بڑے بڑے بادشاہ مہر کے بغیر خط کو معتبر نہیں سمجھتے، اس لئے سب سے پہلے مہر مبارک بنوائی گئی۔ جو تین سطروں پر مشتمل تھی، یہ انگوٹھی مبارک میں رکھوائی گئی، پھر ہر ایک خط کے آخر میں مہر مبارک لگائی جاتی تھی، اس کی شکل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے: 

سیرت کی کتابوں میں تقریباً آٹھ خطوط کا تذکرہ ملتا ہے، یعنی (۱) روم کے بادشاہ ہرقل کے نام (۲) ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے نام (۳) مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے نام (۴) یمامہ کے بادشاہ ہوذہ ابن علی کے نام (۵) بحرین کے بادشاہ منذر بن ساوی کے نام (۶) دمشق کے بادشاہ حارث ابن ابوشمر غسانی کے نام (۷) عمان کے بادشاہ جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام (۸) اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی اصحمہ ابن ابجرؓ کے نام۔

حبشہ کا بادشاہ نجاشی یہ وہ مبارک آدمی ہے جس نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جانے والے صحابہ کرام کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی۔ اور عزت اور احترام کے ساتھ بھی رکھا تھا، انہوں نے خط کو بہت احترام کے ساتھ پڑھا پھر اللہ نے ان کو ایمان نصیب کر دیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی وفات کی خبر وحی کے ذریعے آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہی ان کی

غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

۲۔عمان کے بادشاہ جیفرؓ اور ان کے بھائی عبدؓ ان دونوں نے بھی نبی کریم ﷺ کے بھیجے ہوئے آدمی کی بہت عزت کی، اور کئی دن غور و فکر کرنے کے بعد ان کے ہاتھ پر ہی اسلام قبول کر لیا، ان کے ملک کی رعایا کے بھی بہت لوگ ایمان لے آئے رحمۃ اللہ علیہم۔

۳-بحرین کے بادشاہ منذر ابن ساویؓ کو بھی اللہ نے اپنے کرم سے ایمان نصیب کر دیا اور رعایا میں سے بھی بہت لوگ ایمان لے آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابی خط میں انکی تعریف بھی فرمائی اور انکو بادشاہی پر برقرار رکھا۔

۴-مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے بھی نبی کریم ﷺ کے بھیجے ہوئے قاصد کا احترام بھی کیا اور نبی کریم ﷺ کے لئے بہت سارے تحفے بھی بھیجے لیکن ایمان قبول نہیں کیا۔

۵-اسی طرح روم کے بادشاہ ہرقل نے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی تحقیق بھی اچھی طرح کی، اور کئی کئی بار اس بات کا اقرار بھی کیا کہ یقیناً یہ وہی آخری نبی ہیں، جو بالکل سچے ہیں اور عیسائی و یہودی انہی کے انتظار میں ہیں، خط بھی بہت احترام سے چاندی کے صندوق میں بند کر کے رکھا، لیکن ایمان صرف اسلئے قبول نہیں کیا کہ اگر میں ایمان قبول کروں گا تو عیسائی مذہب کے لوگ مل کر مجھ سے میری حکومت چھین لیں گے، بل کہ مجھے ہی جان سے مار دیں گے۔اس طرح دنیا کی لالچ میں آ کر سب کچھ جانتے ہوئے اس نے اپنی آخرت برباد کر دی۔

٦-یمامہ کے بادشاہ ہوذہ ابن علی نے آپ ﷺ کے قاصد کی عزت تو کی، لیکن بات بڑی بری کہی: یہ معاہدہ کرنے کی کوشش کی کہ اگر اسلام میں میری آدھی بادشاہت کو مان لیا جائے تو میں ایمان لے آؤں گا۔

۷-ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کسری بڑا بے وقوف جاہل تھا، اس نے خط مبارک پڑھ کر گرجنا شروع کر دیا، کہ کون ہے مجھے خط لکھنے والا؟ اپنا نام پہلے اور میرا نام بعد میں لکھا ہے، یہ کہہ کر خط پھاڑ دیا، حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کی بادشاہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا'' پھر

اسی طرح ہوا کچھ دنوں بعد ہی اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا، اور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اسی وقت اس کی خبر مدینہ میں دے دی۔

ان خطوط پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ جو خط عیسائی بادشاہوں کی طرف لکھے جاتے تھے، ان میں خاص طور سے اس آیت کو اہتمام سے لکھا جاتا تھا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ☆

(یہود و نصاری) سے کہہ دو کہ: ''اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہو، (اور وہ یہ) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو ہم رب نہ بنائیں۔ پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: ''گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں''۔ (آل عمران: ٦٤)

ہم اپنی اس چھوٹی سی کتاب میں خطوط کا تفصیل سے تذکرہ نہیں کر سکتے، لیکن یہ خطوط کیسے جاتے تھے؟ اور ان کا کیا نتیجہ نکلتا تھا؟ اس کے لئے ہم صرف ایرانی بادشاہ کسری خسرو پرویز کے خط کا تھوڑا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں تاکہ باقی کا اسی سے اندازہ ہو جائے!

اس کے لئے صحابہ کرامؓ میں سے بڑے بہادر صحابی حضرت عبداللہ ابن حذافہؓ سہمی کا انتخاب کیا گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آپ نے یہ خط اس کے ہاتھ میں دینا ہے''۔ وہ سب سے پہلے عراق کے گورنر سے ملے کہ میرے پاس ایک اہم خط ہے جو سیدھا تمہارے بادشاہ کسری کو دینا ہے، اس نے کہا مجھے دے دو، میں خود پہنچا دوں گا، انہوں نے فرمایا: ''نہیں! میں نے خود اپنے ہاتھ سے دینا ہے''، اس نے حکومت تک بات پہنچائی، جواب آیا کہ آنے دو، پھر وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کے محل تک پہنچ گئے، محل کے آفیسر نے کہا: ''اب مجھے دے دو، میں خود پہنچا دوں گا''، انہوں نے فرمایا: ''بالکل نہیں، مجھے اپنے ہاتھ سے دینا ہے''۔ بادشاہ کو جب اس

ضد کا پتا چلا، اس نے کہا: ''یہ حقیقت میں کوئی اہم خط ہے''۔ اس لئے اس نے پوری پارلیمنٹ بلائی، جس میں سب وزراء بلائے، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اندر بلائے گئے، جب وہ اندر پہنچے، انہوں نے دیکھا وہ ایک اونچے تخت پر رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، اس کا سیکریٹری دوڑ کر آیا کہ مجھے دے دو میں بادشاہ کو پکڑا دوں گا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات دہرائی کہ مجھے اپنے ہاتھ سے دینا ہے۔ بادشاہ نے کہا آنے دو! پھر انہوں نے وہ خط اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں دیا، اور آہستہ سے پیچھے ہٹتے ہٹتے دروازے تک پہنچ گئے، دیکھنے لگے کہ اب کیا ہوگا؟ اس نے عربی جاننے والے آفیسر کو بلا کر خط پڑھوانا شروع کیا جس میں یہ مضمون تھا: ''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے'' اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے ایران کے بڑے آدمی کسریٰ کی طرف، سلام اس پر جو سیدھے راستے پر چلے، اور خدا اور رسول پر ایمان لائے، اور یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں، میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، مجھے سارے ہی لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تاکہ جو زندہ ہے اس کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جائے، اور جو نہ مانے اس پر اللہ کی حجت مکمل ہو جائے، تم ایمان قبول کرلو سلامت رہو گے، نہیں تو مجوسیوں کے کفر کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہوگا''۔

بادشاہ بڑا متکبر اور بے وقوف تھا، پڑھنے والے نے جیسے ہی رحمتِ عالم ﷺ کا نام پڑھا، یہ بڑبڑانے لگ گیا کہ نعوذ باللہ یہ کون بے ادب ہے، جو میرے سے پہلے اپنا نام لکھتا ہے۔ پھر اور گرج گرج کر کہنے لگا: ''میری رعایا کا سب سے کم تر آدمی مجھے خط لکھتا ہے اور دعوت دیتا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

حضرت عبداللہ ابن حذافہؓ نے جیسے ہی اس کے منہ سے جھاگ نکلتے دیکھی، وہ آہستہ سے باہر نکل گئے، اور گھوڑا ایسا دوڑایا کہ مدینہ پہنچ کر ہی سانس لیا۔

ادھراس نے لوگوں کو پوچھا: کہاں ہے وہ پردیسی؟ تو جب پتا چلا کہ وہ تو چلے گئے ہیں، تو اس نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اپنے دو طاقتور آفیسر بھیج دو جو اس مدعی نبوت کو گرفتار کر کے میرے پاس لائیں۔

باذان نے دو پہلوان آدمی اس کام کے لئے بھیج دیے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے بادشاہ کا یہ احمقانہ پیغام پہنچایا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم کل میرے پاس آنا''، یہ دوسرے دن حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ تمہارے بادشاہ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر کے بادشاہی پر قبضہ کرلیا ہے''، وہ پریشان ہوگئے کہ ہم یہ کیا سن رہے ہیں؟ واپس یمن پہنچے، گورنر کو ساری بات بتائی، اس نے کہا: ''پھر تو یہ پکے نبی ہیں''، ابھی یہ باتیں چل ہی رہی تھیں کہ اتنے میں ایران سے یہ خبر آ گئی کہ سچ میں ہی خسرو پرویز کا قتل ہوگیا ہے۔ اس پر ان سب کو ایمان نصیب ہوگیا اور یمن ایران کے بجائے مدینہ منورہ کی جانب ہوگیا۔

حضرت عبداللہ ابن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی ایمانداری، بہادری اور وفاداری پر بھی غور کریں، اور خط مبارک کا نتیجہ بھی دیکھیں! اور اسی سے دوسرے خطوط کا بھی اندازہ لگالیں۔

خیبر کی جنگ

صلح حدیبیہ کی وجہ سے امن وامان اور چین وسکون کا وہ ماحول قائم ہوگیا تھا جس کے لئے پچھلے ۱۹؍سال سے صحابہ کرامؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانیاں دے رہے تھے۔ اس امن کے ماحول میں اللہ تعالیٰ کا دین اس کے بندوں تک آرام سے ہر جگہ پہنچایا جا رہا تھا، لیکن وہ یہودی جن کی دکان امن میں نہیں بلکہ ہنگامے اور بدامنی میں چلتی ہے، وہ اس پر خوش نہیں تھے، پھر اسلام کے تو وہ جان بوجھ کر پہلے دن سے ہی دشمن تھے، وہ کب خوش ہو سکتے تھے! خاص کر کے خیبر کے یہودی جو سارے عرب میں صرف لڑائی بھڑکانے کا پیشہ کرتے تھے، جو غزوہ خندق میں سارے عرب کو اکسا اکسا کر مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کے لئے لائے تھے۔ جنہوں نے

بنوقریظہ کے یہودی جنگ کے لئے تیار کئے تھے، وہ تو اس صلح پر حسد اور جلن سے مر رہے تھے، وہ کس طرح چپ ہو سکتے تھے، انکو تو پیٹ میں بل پڑ رہے تھے، انہوں نے دوبارہ مدینہ منورہ پر حملے کے لئے بنوغطفان کے مشرک تیار کرنے شروع کر دیے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ طے کر رہے تھے کہ ہم تم کو اپنی زمینوں کی کمائی میں سے ایک حصہ دے دیں گے، تم مسلمانوں کے خلاف ہمارا ساتھ دو۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان خبروں سے بے خبر نہیں تھے، حدیبیہ سے واپس مدینہ منورہ پہنچتے ہی تقریباً ایک مہینے بعد آپؐ نے صحابہء کرام کو تیاری کا حکم دے دیا، لیکن ساتھ جانے کیلئے صرف ان خوش نصیبوں کو اجازت ملی جو حدیبیہ میں ساتھ تھے اور اللہ نے حدیبیہ سے واپسی پر انکے دلوں کو تسلی دینے کیلئے فرمایا تھا کہ تمہیں آگے بہت ساری فتح اور غنیمتیں ملیں گی، لیکن خیبر کی فتح اور غنیمت تمہیں فوری طور پر ملنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھئے!

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا☆

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سے مالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے، جو تم حاصل کرو گے، اب فوری طور پر اس نے تمہیں یہ فتح دے دی ہے، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، تا کہ یہ مؤمنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے، اور تمہیں اللہ سیدھے راستے پر ڈال دے۔

(سورہ فتح: آیت: ۲۰)

کچھ اور خاص خاص مخلصوں کو بھی اجازت ملی جو اجازت سے صلح حدیبیہ کے موقع پر پیچھے رہ گئے تھے، اس طرح یہ سولہ سو کا مبارک قافلہ بن گیا۔ راستہ کے ماہر دو حضرات اور ساتھ تھے، انکے بتائے ہوئے خفیہ راستے کے ذریعے چھپتے چھپاتے یہ قافلہ اس طرح خیبر پہنچا کہ یہودیوں کو کچھ خبر ہی نہیں ہوئی، خیبر میں ایسی جگہ لشکر کا کیمپ لگایا گیا جو بنوغطفان اور یہودیوں کے درمیان آتا تھا، کیونکہ ڈر تھا کہ وہ یہودیوں کی مدد کیلئے آئیں گے، پھر ایسا ہوا بھی، لیکن جس وقت انہوں نے

دیکھا کہ ہمارے درمیان مسلمانوں کا لشکر ہے وہ چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔

جنگ کی ابتداء

خیبر مدینہ منورہ سے کوئی ۱۶۰ رکلومیٹر دور ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت وہاں پہنچے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ رات میں کسی پر حملہ کرنے کا نہیں تھا، اسلئے صبح کا انتظار کیا گیا، صبح یہودی کاشت کاری کے اوزار لیکر اپنے کھیتوں کی طرف نکلے ہی تھے کہ اچانک انکی نظر لشکر پر پڑ گئی وہ ''محمد والخمیس''، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سارا لشکر لیکر آ گئے ہیں، کہتے ہوئے واپس بھاگے، جلدی جلدی انہوں نے جنگ کی تیاری کی، (بخاری: ۴۱۹۷)

خیبر ایک بکھری ہوئی بستی تھی، اس میں چھوٹے قلعوں کے علاوہ آٹھ بڑے قلعے تھے، ایک ایک قلعے کا محاصرہ اور گھیراؤ کیا جا رہا تھا اور جب یہودی کسی اور بات پر نہیں آتے تھے تو انکے ساتھ جنگ ہوتی جا رہی تھی، لیکن وہ صحابہء کرام کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں پا رہے تھے، اس طرح ایک ایک قلعہ فتح ہوتا جا رہا تھا، آخر پھر ان کا ایک مضبوط قلعہ آ گیا، جس میں انکے پہلوان مرحب کا تخت تھا، اس کے لئے مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار لوگوں کا مقابلہ کر سکتا ہے، صحابہ کرام نے کچھ کوشش کی لیکن فتح نہیں ہوئی۔

جھنڈا شیر خدا کے ہاتھ میں

اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل جھنڈا اسکے ہاتھ میں دیا جائے گا جو اللہ اور رسول ﷺ سے بہت محبت کرتا ہے، اور وہ اللہ اور رسول ﷺ کو بھی بہت پیارا ہے۔ اللہ تعالی اسی کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائیں گے۔

یہ بہت بڑا انعام تھا، اسکو لینے کیلیے سب کے دلوں میں امیدیں انگڑائی لینے لگیں، لیکن صبح اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیؓ ابن ابی طالب کہاں ہیں؟

عرض کیا گیا: حضرت! انکی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ فرمایا: ''انکو ہی بلاؤ!'' وہ بلا کر لائے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر ذرا سا اپنا مبارک لعاب لگایا تو آنکھیں ایسی ہو گئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ پھر حضرت علیؓ کو جھنڈا دیکر فرمایا: جاؤ! اللہ کے راستے میں جہاد کرو، اور پہلے اللہ کے دین کی دعوت دو؛ کیونکہ اگر ایک آدمی بھی آپ کے ذریعے ایمان والا ہو گیا تو یہ آپ کے لئے عرب کی سب سے بڑی دولت سرخ اونٹوں سے بھی بہتر اور اچھی دولت ہے۔

(بخاری:۴۲۱۰)

حضرت علیؓ نے ایسے پیار سے دین کی دعوت دی جو دلوں کے اندر بس جانے والی تھی، لیکن یہودی جنگ کے لئے ہی مصر رہے، انکا پہلوان مرحب اکڑتا ہوا کندھے ہلاتا ہوا اس طرح میدان میں آیا کہ اس نے یہ شعر پڑھ کر اسلامی لشکر میں سے کسی آدمی کو اپنے مقابلہ کیلئے دعوت دی۔

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مُرَحَّبٌ شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبٌ

''خیبر کو اچھی طرح معلوم ہے میں مرحب ہوں'' ہتھیار لگانے والا، پہلوان اور تجربہ کار ہوں''۔

اسکے مقابلے میں اسلامی لشکر میں سے حضرت عامر ابن اکوعؓ یہ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں آئے۔

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ عَامِرٌ   شَاکِی السِّلَاحِ بَطَل مُغَامِرٌ

''خیبر اچھی طرح جانتا ہے میں عامر ہوں'' ہتھیار لگانے والا پہلوان اور جنگ کرنے والا''۔

اس نے حضرت عامرؓ پر حملہ کیا، انہوں نے اسکا حملہ اپنی ڈھال سے روک لیا، لیکن جب خود تلوار نکال کر اسکی پنڈلی پر ماری، تو تلوار چھوٹی ہونے کی وجہ سے ہٹ کر ان کے گھٹنے پر آ لگی اور اسی زخم سے شہید ہو گئے کچھ لوگ انکے بارے میں باتیں کرنے لگے کہ یہ تو اپنی ہی تلوار سے مارے گئے ہیں؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''انکے لئے دوہرا ثواب ہے''۔

پھر شیر خدا حضرت علیؓ خود اسکے مقابلے میں نکلے وہ یہ شعر پڑھتے جا رہے تھے۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہَ الْمَنْظَرَہْ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام غضبناک شیر رکھا ہے، میں جنگلوں کے شیر کی طرح ہوں اور بہت ڈراونا ہوں۔

یہ کہہ کر میدان میں آئے، پھر لہرا کر اس زور سے تلوار ماری کہ وہ سر سے لے کر کمر تک دو حصے ہو گیا، (یاد رہے ابن ہشامؒ اور حاکمؒ نے اس موقع پر حضرت علیؓ کے بجائے حضرت محمد ابن مسلمہؓ کا نام ذکر کیا ہے واللہ اعلم)

اس کو مرتا دیکھ کر اس کا بھائی یاسر میدان میں آ کے للکارنے لگا کہ کون میرا مقابلہ کر سکتا ہے، اس کے مقابلے کے لئے حضرت زبیرؓ نکلے ان کی والدہ بھی اس سفر میں ساتھ تھیں، انہوں نے دیکھ کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا میرا بیٹا قتل ہو جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، بل کہ تیرا بیٹا ہی اس کو قتل کر دے گا''، حضرت زبیرؓ کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا، آخر انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کا ایک کے بعد دوسرا قلعہ فتح ہونے لگ گیا۔

ایک غلام کا قصہ ایک سجدہ بھی نہیں کیا اور جنت مل گئی

ایک چرواہے نے دیکھا یہودی جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، اس نے پوچھا: ''تم کیا کر رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: ''اس آدمی کے ساتھ جنگ کرنے جا رہے ہیں، جو یہ دعوی کرتا ہے کہ میں نبی ہوں!''، اس کے دل میں نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا، وہ بکریاں چراتا اور ہانکتا ہوا کسی طرح نبی اکرم ﷺ تک پہنچ گیا، اس نے عرض کیا: '' آپ کیا فرماتے ہیں؟ اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟''، رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ''سلامتی والے مذہب کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور اس بات کی گواہی دیتا

ہوں کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اور یہ بات کہ پھر تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو'۔ اس نے کہا: ''کہ اگر میں ایمان قبول کرلوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت ملے گی''۔ بس غلام اسی بات پر ایمان لے آیا، پھر اس نے عرض کیا کہ میرے پاس یہ ریوڑ میرے مالک کی ملکیت ہے، اس کا کیا کروں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''راستے پر لگا کر اس طرف ہانک دو اور پیچھے سے کنکری ماردو، اللہ تعالیٰ آپ کی امانت ادا کروادے گا، انہوں نے اسی طرح کیا، اللہ کی کرنی بکریاں سیدھی گھر پہنچ گئیں، تو وہ یہودی کہنے لگا: چرواہا غلام پکا مسلمان ہوگیا ہے، تب ہی اکیلی بکریاں آئی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے جہاد پر تقریر فرما کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان کی قربانی دینے کا شوق دلایا، جنگ چھڑی اور فتح کے بعد شہیدوں میں اس غلام کی لاش بھی ملی، رحمتِ عالم ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: ''اس پر اللہ تعالیٰ نے کیا کرم کیا، میں نے اس کے سرہانے جنت کی دو حوریں دیکھیں ہیں حالانکہ ابھی تو اس کو ایک سجدہ کرنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ (دلائل النبوۃ، زاد المعاد)

اسی طرح ایک اور چرواہا بھی اس سفر میں ملا، اس نے کہا: یارسول اللہ! اگر میں ایمان قبول کرلوں، پھر اللہ کے دشمن یہودیوں کے ساتھ جنگ کے لئے شریک ہوجاؤں تو کیا مجھے بھی جنت نصیب ہوسکتی ہے؟ حالانکہ میں بہت کالا ہوں، میرا جسم خوشبودار بھی نہیں! مال بھی میرے پاس بہت کم ہے؟ رحمتِ عالم ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''بیشک تمہیں جنت نصیب ہوسکتی ہے''۔ یہ سن کر وہ جنگ میں گھس گئے یہاں تک کہ شہید ہوگئے، نبی اکرم ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت اچھی شکل دے دی، جسم خوشبودار بنادیا، اور مال بھی بہت سارا عطا کردیا۔

(دلائل النبوہ، زاد المعاد)

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

اس سفر میں ایک دیہاتی راستے میں ملے، ایمان نصیب ہوگیا، رحمتِ عالمﷺ نے اسلامی تعلیم اور تربیت کے لئے ان کو ایک پرانے صحابیؓ کے حوالے فرمادیا، خیبر کی فتح پر غنیمت کا مال تقسیم ہونے لگا، ان کا بھی حصہ نکالا گیا، وہ ساتھیوں کے ساتھ اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے، واپس آئے، ان کو ان کی غنیمت کا حصہ دیا گیا، وہ یہ حصہ لے کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یہ مال کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ آپ کا حصہ ہے''، وہ کہنے لگے: ''میں اس کے لئے تو آپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا''۔ پھر وہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ میں تو اس وجہ سے آیا تھا کہ مجھے یہاں ایک تیر لگے اور میں جنت میں چلا جاؤں، آپﷺ نے فرمایا: ''اگر آپ ارادہ میں سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح کردے گا''۔

پھر جس وقت دوسرے قلعے پر لڑائی بڑھکی یہ اس میں شریک ہو کر شہید ہوگئے، آپﷺ نے لاش دیکھ کر فرمایا: ''یہ وہ ہیں''؟ صحابہ نے عرض کیا: ''جی ہاں! وہی ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ سچا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی سچ کر دکھایا''۔

(نسائی، مستدرک حکم)

جیسا کہ ہم نے اوپر بھی عرض کیا کہ خیبر کی بستی کافی بکھری ہوئی تھی، اس لئے کافی دن لگ گئے بعض حضرات نے ایک مہینے سے بھی زیادہ لکھا ہے۔ لیکن ایک ایک کر کے سارا علاقہ فتح ہوگیا، اور پھر ایک معاہدے کے تحت خیبر اور اس کے آس پاس کی جگہ فدک اور وادی قریٰ ان سارے علاقوں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ یہودی یہاں رہ کر کاشت کاری کریں گے، لیکن زمین مسلمانوں کی شمار ہوگی، یہودی ان کے کاشت کار اور مزارع (بٹائی والے) شمار ہوں گے، پیداوار میں سے برابر دو حصے کر کے ایک حصہ یہودیوں کو اور ایک مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ حصے بانٹنے کے لئے مقرر کئے گئے، وہ فصل تیار ہونے پر ایسے

انصاف سے تقسیم کرتے کہ یہودی حیران ہوکر کہتے تھے: ''زمین آسمان ایسے ہی انصاف کی وجہ سے برقرار ہیں''۔ (فتوح البلدان بلاذری) ایک موقع پر یہودیوں نے چاپلوسی کی باتیں کیں، تاکہ یہ ہمیں پورا پورا حصہ دیں، اس پر حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ نے فرمایا: او یہودیو! مجھے کائنات میں تم سے زیادہ کسی سے نفرت نہیں - چونکہ تم جان بوجھ کر دشمن دین ہو - اور رحمت عالمﷺ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں؛ لیکن تمہاری نفرت اور ان کی محبت مجھے اس بات پر مجبور نہیں کرسکتی کہ میں ایک کھجور بھی تمہارے حصہ سے ان کے حصہ میں ڈال دوں؛ اس پر ایک بوڑھے یہودی نے کہا تبھی تو زمین وآسمان قائم ہیں۔ (حیاۃ الصحابہ)

بس ایک علاقہ تیماء ایسا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں سے جنگ نہیں کی، بل کہ خود ہی صلح کی پیش کش کی جس کی وجہ ان کی جان و مال سب محفوظ رہے، صرف اسلامی ملک کی رعایا کی وجہ سے جزیہ دینا طے ہوا اس کے ساتھ صلح اورامن کی ایک تحریر بھی انہیں تیار کر کے دے دی گئی۔

زہر دینے کا قصہ

خیبر کی فتح کے آخر میں یہ قصہ بھی پیش آیا کہ ایک یہودی سلام بن شکم کی بیوی زینب نے رحمتِ عالمﷺ کی دعوت کی، نبی کریمﷺ نے دعوت قبول فرمالی، اس نے لوگوں کو پوچھا کہ نبی کریمﷺ کھانے میں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند فرماتے ہیں، بتایا گیا شانے کا گوشت، اس نے بکری کے شانے میں اچھی طرح زہر ملا کر پکا کے پیش کیا، نبی اکرمﷺ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی کھا رہے تھے، بل کہ انہوں نے ایک لقمہ کھا بھی لیا تھا، لیکن نبی کریمﷺ نے جیسے ہی گوشت کا لقمہ لیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس گوشت نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیا کہ میرے اندر زہر ملایا گیا ہے، نبی کریمﷺ نے بشر بن معرور رضی اللہ عنہ کو بھی کھانے سے منع فرمایا کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔

پھر یہودیوں کو بلا کر پوچھا گیا: انہوں نے یہ بات تسلیم کی کہ ہم نے جان بوجھ کر اس میں زہر

ملایا تھا، نبی کریم صلی اللہ نے فرمایا: ''کیوں؟'' انہوں نے عجیب جواب دیا کہ ہم نے سوچا تھا کہ اگر آپ سچے ہوں گے تو آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اور- نعوذ باللہ- اگر جھوٹے ہوئے تو ہمیں نجات مل جائے گی۔

اس عورت کو بلا کر پوچھا گیا، اس نے بھی جرم کا اقرار کیا اور کچھ روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے اوپر والی بات دہرائی، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم اس کو قتل کر دیں! فرمایا: ''نہیں!''۔ (بخاری)

لیکن جب اس زہر کی وجہ سے حضرت بشر ابن معرورؓ کا انتقال ہو گیا تب اس کو بدلے میں قتل کیا گیا، اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا معجزہ دیکھ کر اس کو ایمان نصیب ہو گیا تھا۔ (بیہقی)

اس قصے میں ایک خاص بات پر غور کیجیے کہ جنگ اپنی جگہ لیکن دعوت دشمنوں کی بھی کی جاتی تھی، اور قبول بھی کی جاتی تھی۔ یعنی انسان اخلاق میں اتنے نہیں گرے تھے جتنے آج گر گئے ہیں۔

مہاجرینِ حبشہ کی واپسی

جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، ان کی بڑی تعداد تو آہستہ آہستہ واپس آ گئی تھی لیکن ابھی کچھ حضرات، یعنی حضرت جعفرؓ وغیرہ ادھر ہی تھے، اور ان کے ساتھ یمن کے حضرت ابوموسی اشعریؓ بھی تھے، حضرت ابوموسی اشعریؓ کوئی پچاس یا ۵۲ یا ۵۳ آدمیوں کو لے کر اپنے ملک سے ہجرت کر کے رسولِ رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے ایک کشتی میں بیٹھے تھے لیکن ہوا کے دباؤ سے وہ کشتی سیدھی حبشہ پہنچ گئی، پھر وہ وہاں ہی حضرت جعفرؓ کے ساتھ رہ گئے۔ اس موقع پر وہ سب حضرات حبشہ سے سیدھے خیبر تشریف لے آئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کی بڑی خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے ماتھے کو چوم کر فرمایا: ''میں نہیں بتا سکتا کہ مجھے زیادہ خوشی خیبر کی فتح سے ہے یا جعفرؓ کے آنے سے ہے!'' نبی کریم ﷺ نے

ان کو صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کر کے غنیمت میں سے حصہ بھی دیا، حالانکہ جنگ میں وہ ساتھ نہیں تھے، کیوں کہ ان کی قربانی بہت بڑی تھی، (بخاری: ۴۲۳۰ تا ۴۲۳۳) ان کو بلانے کے لئے رسولِ اکرم ﷺ نے حبشہ میں حضرت نجاشیؒ کی طرف حضرتِ عمرو ابن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے ملک یمن سے ایک پرانے صحابی حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کے ساتھ رسولِ پاک ﷺ کی ملاقات کے لئے مدینہ حاضر ہوئے، جہاں انہوں نے ایمان قبول کیا اور ایک نماز بھی ادا کی، لیکن جب پتا چلا کہ نبی کریم ﷺ خیبر تشریف لے گئے ہیں، تو یہ بھی خبر سنتے ہی خیبر تشریف لے گئے۔ شوق نے انہیں مدینہ منورہ میں انتظار نہیں کرنے دیا، ان کے ساتھ کچھ اور حضرات بھی تھے، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ اور ان کے ساتھیوں کو غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا گیا۔

مدینہ منورہ کی طرف واپسی

خیبر میں کافی وقت لگ گیا، اکثر روایتوں کے مطابق صفر ۷ھ میں نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا قصد فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور ذکر اللہ کرتے واپس جا رہے تھے۔ ایک وادی میں سے گزرتے ہوئے: **اَللّٰـهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ** ،لوگ زور زور سے پڑھ رہے تھے، رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! اپنے اوپر ترس کرو! تم کسی بہرے یا اس کو یاد نہیں کر رہے ہو جو غائب ہے، بل کہ اس کو یاد کر رہے ہو جو بہت سننے والا اور بہت قریب ہے۔ (بخاری: ۴۲۰۵)

اس طرح خیر و عافیت سے یہ مبارک قافلہ اپنے مالک کو یاد کرتا کرتا مدینہ پہنچ گیا، البتہ خیبر میں

۹۳/ یہودیوں کی موت کے ساتھ ساتھ انیس صحابہ کرامؓ کو بھی شہادت نصیب ہوگئی تھی، جوان کے گھر والوں کے لئے تھوڑی صدمے والی بات تھی۔ نبی کریمﷺ نے اپنے ہمیشہ کے معمول کے مطابق ان کے گھر والوں کو آخرت کی نعمتیں یاد کروا کر تسلی فرمائی اور تعزیت کی۔

سالِ گزشتہ کے عمرے کی قضا

گزشتہ سال حدیبیہ میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اس سال تو مسلمان واپس چلے جائیں، لیکن آئندہ سال عمرہ قضاء کر سکتے ہیں، خیبر سے واپس آکر رحمتِ عالمﷺ کا کافی وقت صحابہ کرام کو دین سکھانے اور اصلاح کرنے میں ہی گزر گیا۔

ہاں! کچھ سرایا عرب کے کناروں پر دور دراز ان سادہ لوح لوگوں کو سمجھانے کے لئے روانہ فرمائے جو چالاک لوگوں کے بہکاوے میں آکر اسلامی قافلوں پر حملے کرتے رہتے تھے، اور کچھ حضرات کی تحقیق کے مطابق ''ذات الرقاع'' نامی غزوہ جو بنوغطفان کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی انہی دنوں پیش آیا تھا۔ لیکن اس میں کسی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی تھی، بنوغطفان ڈر گئے، پھر کچھ دن صحابہ کرامؓ کے ان کی بستیوں میں ٹھہرنے کی وجہ سے وہ اسلامی اخلاق سے بھی متاثر ہوئے۔ جس کی وجہ سے فتح مکہ تک ان میں سے کافی لوگ ایمان لے آئے تھے اور جو بچ گئے تھے، جن کو ابھی بھی کچھ غلط فہمیاں اور شبہات تھے، وہ حجۃ الوداع تک مسلمان ہو گئے تھے۔

خیر! وقت گزرتے گزرتے ذوالقعدہ ۷ھ کا مہینہ آگیا، رحمتِ عالمﷺ کی طرف سے اعلان ہوا کہ جو لوگ حدیبیہ میں ہمارے ساتھ تھے وہ عمرے کی قضاء کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، پھر سوائے ان لوگوں کے جو اللہ کے پاس چلے گئے تھے سب تیار ہو گئے، بل کہ کچھ اور بھی ساتھ میں مل گئے، اس طرح یہ دو ہزار کا قافلہ مدینہ منورہ سے عمرے کی تیاری کر کے روانہ ہو گیا۔

مکہ والوں کے ساتھ پکا معاہدہ تھا اور وہ اب بھی اس صلح کے معاہدے پر برقرار تھے، لیکن امت کو حکمت ودانشمندی کی اور دشمن کے مقابل ہر وقت ہوشیار رہنے کی تعلیم دینی تھی اس وجہ سے

نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق لٹکائی ہوئی تلوار کے علاوہ کچھ اور ہتھیار بھی ساتھ لئے گئے۔آخر تیاری کر کے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ سے احرام باندھا:

'لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ'

اس تلبیہ کا ذکر کرتے، نیز اخلاص کے نعرے بلند کرتے اور منزلیں طے کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قریب تقریباً ۱۵رکلومیٹر دور یاجج نام کی جگہ پہنچ گئے، یہاں جنگی ہتھیار، نیزے، زرہیں وغیرہ ایک مقام پر چھپا کر رکھ دیے گئے، اور دوسوز بردست بہادر حضرات ان کی پہرہ داری کے لئے مقرر کئے گئے، حضرت اوس ابن خولیؓ ان کے امیر مقرر ہوئے کہ آپ مکی حالات پر نظر رکھیں۔

بس یہاں سے آگے یہ قافلہ ایسے نکلا کہ صحابہ کرامؓ نے معاہدے کے مطابق میان میں رکھی ہوئی تلوار گلے کے ساتھ حمائل کی ہوئی تھی، رحمتِ عالم ﷺ کو صحابہ کرامؓ نے گھیرے میں لیا ہوا تھا، اور 'لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ' کے نعرے لگا رہے تھے، مکہ کے لوگ یہ منظر دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل کر کعبہ شریف کے شمال میں جبلِ قیقعان نام کی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ گئے، اور دیکھنے کے لئے ایک دوسرے کے اوپر گرتے جارہے تھے، یہ آپس میں تبصرے کررہے تھے کہ مدینے میں بخار بہت ہوتا ہے، یہ بخار کے مارے ہوئے لوگ ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس کے مقابلے میں حکم دیا کہ دائیاں کندھا ننگا کر کے احرام کے پہلے تین چکروں میں پہلوانوں کی طرح تھوڑا اکڑ کے قدم اٹھا کر تیز تیز چلیں، مکہ والوں نے دیکھا، تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، اللہ تعالیٰ کو یہ مجبوری کی مگر اخلاص والی اکڑ بھی اتنی پسند آگئی کہ اب قیامت تک یہاں طواف کرنے والوں کو یہی حکم دے دیا گیا۔سبحان اللہ! اخلاص کی بھی کیا قیمت ہے! کہ اخلاص والی اکڑ بھی پسندیدہ!!

رحمتِ عالم ﷺ بھی اسی طرح طواف کررہے تھے، اور آپ ﷺ کے آگے آگے حضرت عبد اللہ ابن رواحہؓ شعر پڑھتے جارہے تھے:

خَلُّوْ بَنِیْ الْکُفَّارُ عَنْ سَبِیْلِہٖ   اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ

ضَرْبًا یُزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَقِیْلِہٖ   وَیُذْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِہٖ

ترجمہ: کافروں کے بچو! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے الگ ہوجاؤ! (نہیں تو) اللہ کے حکم کے مطابق آج ہم ایسی مار ماریں گے جو سر کو جسم سے الگ کردے گی، اور دوست کو دوست سے بے خبر کردے گی۔ (ابن ہشام: ۴/۱۷)

حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا: ابن رواحہؓ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے حرم میں شعر پڑھ رہے ہو؟ نبی کریم ﷺ نے سن کے فرمایا: ''عمر رہنے دو! یہ شعر نیزوں سے زیادہ کام کررہے ہیں''۔ (فتح الباری)

صحابہ کرامؓ نے کئی سالوں کی تڑپ پوری کی اور دل بھر کے طواف کئے، نفل پڑھے، دعائیں مانگیں، مکہ کے لوگ یہ منظر اپنی آنکھوں سے کہاں دیکھ سکتے تھے؟ اس وجہ سے مکہ کے اکثر لوگ شہر خالی کرکے دائیں بائیں پہاڑوں پر تین دن تک رہے، رحمتِ عالم ﷺ نے عمرہ سے فارغ ہوکر کچھ حضرات ہتھیاروں کے پہرے کے لئے یاجج بھیج دئے پھر وہاں کے ساتھیوں نے بھی آکر عمرہ کیا۔

تین دن پورے ہونے کے بعد مکی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہ شرط کے مطابق تین دن ہوگئے ہیں، اب محمد (ﷺ) کو کہہ دو کہ شرط پوری ہوگئی ہے، اب مکے سے چلے جاؤ، رسولِ اکرم ﷺ وعدہ پورا کرتے ہوئے اسی وقت مکہ سے روانہ ہوگئے۔

زخم تازہ ہوگئے یعنی حضرت امامہؓ کا مسئلہ

تیسرے دن صبح صبح نبی اکرم ﷺ مکہ سے نکل ہی رہے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک چھوٹی صاحبزادی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا جو اب تک مکہ میں ہی تھیں، چاچا، چاچا کہتی پیچھے دوڑنے لگ گئیں اس سے سب کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہوگئی، اور زخم ہرے ہوگئے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو اپنے کندھے پر اٹھالیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفرؓ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ان دونوں نے بھی رسولِ رحمت ﷺ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ یہ بچی ہمیں عنایت فرمادی جائے، ہم اس کی پرورش کریں گے، تینوں حضرات کی دلیل بہت پختہ تھی، لیکن آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: ''چوں کہ حضرت امامہؓ کی خالہ حضرت جعفرؓ کے نکاح میں ہیں اس لئے ان کے حق میں فیصلہ کیا گیا۔ اور اسی موقع پر ارشاد فرمایا: ''خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے''۔

(بخاری ۴۲۵۱)

سبحان اللہ!! یہ بھی ایک لڑائی تھی جو یتیم بچی کو اپنی پرورش میں لے کر نیکی کمانیکے لئے لڑی جارہی تھی، اس کے مقابلے میں ان لڑائیوں پر بھی غور کیجیے! جو یتیموں کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے کی جاتی تھیں، اور اپنی لختِ جگر کو زندہ دفن کرنے کا وقت بھی یاد کیجیے!

عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر سیدھے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ۷ھ کے باقی ایام مدینہ میں ہی اہلِ ایمان کی تعلیم وتربیت اور پاکیزہ اخلاق کے درس وتدریس میں گزارے، اور دائیں بائیں کے کچھ قبائل جو یا تو اپنی سادگی کی وجہ سے یا دوسروں کے بہکاوے میں آکر اسلامی قافلوں پر حملے کا منصوبہ بناتے رہتے تھے، ان کو دھمکانے، ڈرانے اور ڈانٹنے یا دعوت دینے کے لئے صحابہ کرامؓ کے سرایا روانہ فرماتے رہے۔ جن میں سے تاریخ وسیرت میں یہ چند سرایا زیادہ مشہور ہیں، مثلاً سریہ ابوالعوجاء، سریہ غالب ابن عبداللہؓ، سریہ ذات اطلح، سیریہ ذات العرق وغیرہ۔

موتہ کی جنگ

رحمتِ عالم ﷺ نے جس وقت دنیا کے بادشاہوں اور سرداروں کی طرف خطوط روانہ فرمائے ان میں ایک خط شام کے علاقے بصری کے سردار اور چودھری شرجیل ابن عمرو غسانی کی طرف بھی لکھا تھا، جو روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف سے موجودہ اردن کے علاقے بصری، بلقاء، موتہ وغیرہ

کا گورنر تھا۔ یہ خط حضرت حارث ابن عمیرؓ لے کر گئے تھے۔اس ظالم نے اسلام تو قبول نہیں کیا، یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا، اور بھی کئی بادشاہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن اس ظالم نے یہ عجیب ظلم کیا کہ حضرت حارثؓ ابن عمیرؓ کو بہت مضبوطی سے باندھ کر بے دردی سے شہید کر دیا، حالانکہ قاصد کو دنیا کے کسی بھی قانون کے مطابق قتل نہیں کیا جاتا، اس طرح تو دنیا میں کوئی کسی پر کہیں بھروسہ ہی نہیں کرسکتا۔

رحمتِ عالم ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو بہت غمگین ہوئے۔ پھر جس طرح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر آپ ﷺ نے ۱۴رسو صحابہ کرام سے جان کی قربانی پر بیعت لی تھی، اسی طرح حضرت حارثؓ کے بارے میں بھی فرمایا کہ اگر ان کے قتل پر ہم ایسے ہی چپ چاپ بیٹھے رہیں گے، تو دنیا کا امن وامان خطرے میں پڑ جائے گا۔ہمیں ضرور ایسے ظالموں کو سزا دینی چاہئے!

بات قاصد اور خط لے کر جانے والے کی تھی، ورنہ اس سے پہلے ستر صحابہ کرام بیر معونہ میں اور اس سے پہلے مکہ کے قریب دس صحابہ کرامؓ بھی تو بہت بے دردی سے شہید کئے گئے تھے، مگر ان کے قصاص اور بدلے کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

خیر! نبی کریم ﷺ نے تین ہزار صحابہ کرامؓ کا ایک لشکر تیار فرما کر جمادی الاولیٰ ۸ ھ میں روانہ فرمایا، اس علاقے کی طرف اس سے پہلے بھی سریے بھیجے گئے تھے، لیکن اس بار ایک خاص بات یہ تھی کہ لشکر کے یکے بعد دیگرے تین امیر بنائے گئے، اور رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ''پہلے حضرت زید بن حارثہؓ تمہارے امیر ہوں گے، اور اگر یہ شہید ہو گئے، پھر حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ امیر ہوں گے اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تمہارے امیر ہوں گے اور اگر ان کو بھی شہادت نصیب ہو گئی تو مسلمان مشورے سے خود اپنا امیر چن لیں''۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے یہ بات سن کر کہا: ''یہ تینوں یقیناً شہید ہوں گے؛ کیوں کہ جب بھی نبی اس طرح کی بات کرتے ہیں، وہ وحی کے مطابق ہی کرتے ہیں،

پھر ایسا ہی ہوتا ہے''۔

یہ تین ہزار کا لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا، غزوہ خندق کے بعد یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا، نبی کریم ﷺ ان کو الوداع کرنے کے لئے کافی دور ثنیۃ الوداع تک خود تشریف لے گئے، اور مسلمانوں کی بھی بڑی تعداد وہاں تک ساتھ گئی ۔

روانگی پر کچھ خاص ہدایات

بیشک اس لشکر کا اصل کام قاصد کے قاتل ظالموں کو کچھ سزا دینا تھا، لیکن ہماری ساری محنتوں، جدو جہد اور کوششوں کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کو اس کے بندوں تک پہنچانا ہے؛ اس لئے حکم ہوا کہ پہلے آپ حضرات وہاں جائیں، جہاں حضرت حارثؓ شہید ہوئے ہیں، پھر وہاں کے لوگوں کو دین کی دعوت دیں، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو بہت اچھی بات ہے، اور اگر وہ دعوت قبول نہ کریں اور جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں تو خیانت اور غداری نہیں کرنا، کسی بچے، بوڑھے، اور عورت کو قتل نہیں کرنا۔

نیز جو مذہبی لوگ دنیا چھوڑ چھاڑ کر مذہبی مقامات پر بیٹھ جاتے ہیں ان پر بھی ہاتھ نہیں اٹھانا، کھجور اور کوئی دوسرا ہرا درخت نہیں کاٹنا اور نہ کوئی گھر گرانا۔

اسلامی لشکر اپنے مالک کے راستے میں

لشکر روانہ ہونے لگا، لوگوں نے بلند آواز میں دعائیں دیں: جاؤ! اللہ آپ حضرات کو خیریت سے لے جائے، اللہ آپ کی مدد کرے، اور خیر وغنیمت کے ساتھ واپس لائے، یہ سن کر حضرت عبد اللہ ابن رواحہؓ نے بڑے درد بھرے اشعار پڑھے کہ ''مجھے تو اللہ کے راستے سے واپسی نہیں، بل کہ بخشش اور ایسے زخم کی امید ہے جس کی جھاگ چڑھ جائے، یا ایسے نیزے کا زخم لگے جو میری انتڑیوں اور کلیجے سے پار ہو جائے''۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربانی کا یہ جذبہ لے کر یہ مبارک لشکر رسولِ اکرم ﷺ کے بہت چہیتے غلام حضرت زید ابن حارثہؓ کی قیادت میں روانہ ہوا، اور لوگوں نے پہلی بار قریش اور انصار کے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کا امیر ایک غلام کو بنتے دیکھا، جس پر کسی کو اعتراض کا خیال بھی نہیں آیا۔ یہ تھا اونچ نیچ کے امتیاز کو ختم کرنے کی محنت کا نتیجہ!

لشکر چلتے چلتے شام کے علاقے معان میں پہنچ گیا، جہاں سے بیت المقدس بس دو دن کی مسافت پر تھا، لیکن ادھر شام میں شرجیل ابن عمرو غسانی کو بھی اس کا پتا چل گیا تھا، اس نے روم کے بادشاہ قیصر ہرقل کو بھی اس کی خبر کر دی جو شام میں ہی ''بلقاء'' کے قریب مآب میں موجود تھا، اس نے شرجیل کو مقابلے کی تیاری کا حکم دیا، جس نے ایک لاکھ عربی قبائل کی فوج اکٹھی کر لی، ادھر ہرقل بھی ایک لاکھ فوج لے کر اس کی مدد کے لئے آ گیا۔ (ابن ہشام: ۱۹/۴)

جنگ کا میدان

اسلامی لشکر کو اس بات کی خبر معان پہنچ کر ہوئی، وہ تو اس طرح کی اتنی بڑی فوج سے لڑنے نہیں آئے تھے، اس وقت تھوڑی دیر کے لئے وہ پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا!! مشورہ کرنے لگے، اکثر حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ ایک آدمی بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو اس نئی صورتِ حال سے واقف کروائیں اور انتظار کریں، پھر جو بھی حکم آئے اس پر عمل کیا جائے! اس بات پر اتفاق ہونے ہی والا تھا کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے فرمایا:

''او لوگو! مجھے لگ رہا ہے تم ایسی چیز سے پیچھے ہٹ رہے ہو، جس کی طلب میں تم یہاں آئے ہو، وہ ہے شہادت! ہماری جنگ لوگوں کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہوتی، ہماری جنگ اس دین کے پیچھے ہوتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت عطا کی ہے، لہٰذا اٹھو! ہمیں دو باتوں میں سے ایک ضرور ملے گی، یا فتح یا شہادت! دونوں ہماری منزل ہیں''۔

سب نے کہا: ''بیشک، بیشک''! بس اس بات پر یہ ۳/ہزار کا چھوٹا سا لشکر ۲/لاکھ کی فوج کے

پہاڑ سے ٹکرانے کے لئے تیار ہوگیا، اور بحیرہ مردار کے قریب موجودہ اردن کے مقام موتہ کے میدان کی طرف چل پڑا جہاں حضرت حارثؓ شہید ہوئے تھے یہ میدان مدینہ منورہ سے ۱۰۴۳ر کلومیٹر دور ہے۔

دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں، صفیں لگ گئیں، گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی، حضرت زیدؓ نے زبردست بہادری کے ساتھ جنگ کی، اپنے ساتھی بھی صفوں میں سیدھے رکھے، اور خود بھی پہلی لائن میں رہ کر زبردست جنگ کی، یہاں تک کہ تیروں، تلواروں اور برچھوں کے زخم کھا کھا کر آخر کار شہید ہوگئے۔

ان کے شہید ہوتے ہی دوڑ کر حضرت جعفرؓ نے اسلامی جھنڈا اٹھالیا اور ۲ر لاکھ کی فوج پر اس طرح حملہ آور ہوئے، جیسے کوئی شیر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کرتا ہے، حضرت زیدؓ پیدل تھے، اور حضرت جعفرؓ اپنے لال کالے چتکبرے گھوڑے پر سوار تھے، جنگ کرتے کرتے جس وقت دشمن کی صفوں میں گھس گئے، گھوڑے پر سے چھلانگ ماردی تو سب سے پہلے اپنے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں کہ میرے بعد یہ کسی دشمن کے کام نہ آئے، پھر پیدل یکدم دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، اس وقت اپنے آپ کو مضبوط رکھنے کے لئے عجیب اشعار پڑھ رہے تھے، کسی دشمن نے حملہ کر کے جھنڈے والا ہاتھ کاٹ دیا، تو انہوں نے جھنڈا گرنے نہیں دیا، دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا، جب دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا، پھر سینے سے لگا کر دونوں کہنیوں میں لے لیا، اتنے میں کسی نے ایسی تلوار ماری کہ شہادت کا اونچا درجہ نصیب ہوگیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفرؓ کی لاش خود دیکھی، ان کے جسم پر نیزوں، تلواروں اور تیروں کے ۹۰ر سے کچھ زائد زخم تھے جو سب کے سب آگے تھے (یعنی سینے پر) کوئی پیٹھ پر نہیں تھا''۔ (بخاری:۴۲۶۱)

ان کے بعد چھلانگ لگا کر جھنڈا حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ نے اٹھالیا، مگر تھوڑی دیر کے لئے کچھ سوچ میں پڑ گئے، کچھ خیال! کچھ وسوسے آنے لگ گئے، پھر ایک دم ہوش آیا، تو اپنے نفس کو

سمجھانے اور شرم دلانے کے لئے کچھ اشعار پڑھے، ان کے چچیرے بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر آئے کہ کمر سیدھی کرلو، انہوں نے تھوڑا سا چبایا پھر پھینک دیا کہ جنت جانے میں دیری ہورہی ہے، پھر خطرناک طریقہ سے اپنے ساتھیوں کی طرح دشمنوں کا مقابلہ کیا، آخر کار یہ بھی شہید ہوگئے۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت ثابت بن ارقمؓ نے جھنڈا اٹھایا تو آواز لگائی: مسلمانو! اپنا امیر بناؤ! لوگوں نے کہا؛ تم ہی بن جاؤ! انہوں نے فرمایا: ''یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، اور یہ بات کہتے ہی جھنڈا حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف پھینک کر کہا: ''خالد! تم جنگ کے ماہر ہو، تم امیر بن جاؤ!''۔ اس پر سارے ساتھیوں نے کہا: ''بالکل صحیح بات ہے''۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کیسی جنگ کی؟ بخاری شریف میں ہے کہ ۹ رتلواریں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں، صرف ایک چھوٹی سی یمنی تلوار رہ گئی، اس طرح یہ دن گزر گیا۔

(بخاری:۴۲۶۶)

دوسرے دن دشمن پہلے دن سے سخت ڈرے ہوئے تھے کہ یہ انسان ہیں، یا جن یا فرشتے ہیں؟ یہ ہیں کیا؟ یہاں حضرت خالد ابن ولیدؓ نے یہ جنگی تدبیر کی کہ لشکر میں تبدیلی کردی، آگے کے پیچھے اور پیچھے کے آگے، اسی طرح دائیں والے بائیں جانب، اور بائیں والے دائیں جانب کردیے، اس طرح دشمن اور ڈر گئے اور گھبرا گئے کہ شاید ان کو پیچھے سے اور فوج کی کمک آگئی ہے، آخر ان کے پاؤں اکھڑ گئے، اب عجیب وغریب منظر تھا، ۲ رلاکھ کی فوج آگے اور ۳ رہزار پیچھے! دشمن بھاگ کر میدان سے باہر نکل گئے، حضرت خالد بن ولیدؓ نے پیچھا کرنا مناسب نہیں سمجھا بس شہیدوں کی لاشیں سنبھال کر جلد ہی سارے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے لشکر کو بچانے کی فکر کرنے لگے کہ کہیں دشمن پلٹ کر حملہ نہ کردے، لیکن دشمن کو اتنی جرأت نہیں ہوئی۔

یہاں یہ سب کچھ ہورہا تھا، ادھر وحی کے ذریعہ مدینہ منورہ میں رحمتِ عالم ﷺ مسلمانوں کو ساری خبریں بتارہے تھے، یہاں تک کہ فرمایا: ''زیدؓ شہید ہوگئے، اور حضرت جعفرؓ بھی شہید ہوگئے،

تو ان کو اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کی جگہ دو پر دے دیئے، جن سے وہ جنت میں چلے گئے، پھر فرمایا: ''اب مسلمانوں کی امارت اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔

حضرت جعفرؓ کے گھر والوں کو بھی شہادت کی خبر دی گئی، ان کی رفیقۂ زندگی حضرتِ اسماء رضی اللہ عنھا کی چیخ نکل گئی، ان کو صبر کے لئے کہا گیا، اور اپنے گھر والوں سے فرمایا: ''جعفرؓ کے بچوں کے لئے کھانا بھیجو! کیوں کہ آج وہ ایسی مصیبت میں ہیں کہ ان کو کچھ ہوش ہی نہیں ہے''۔ حضرت خالدؓ اپنے ساتھیوں کو حفاظت سے لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے، لیکن یہاں ایک حیرتناک بات یہ سامنے آئی کہ اتنی خطرناک جنگ ہوئی مگر جب آخر میں حالات کا پورا جائزہ لیا گیا تو پتا چلا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۲/ حضرات شہید ہوئے ہیں، جب کہ دشمنوں کا کوئی شمار ہی نہیں تھا۔

قافلہ واپس مدینہ منورہ پہنچا، حضرت رحمتِ عالمﷺ اور دوسرے صحابہ کرامؓ استقبال کے لئے کافی دور آگے تک تشریف لے گئے۔ (ابن ہشام: ۲۶/۴)

جنگ کا نتیجہ

اس جنگ میں ظاہری طور پر لگتا ہے کہ مسلمان اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکے، یہ سوچ بالکل غلط ہے، یہ تو سوچیے! روم اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی، اس کی ۲/ لاکھ فوج کے ساتھ اپنے شہر سے ایک ہزار کلومیٹر دور ۳/ ہزار کے چھوٹے سے لشکر کا ان پر ٹوٹ پڑنا کوئی مزاق ہے؟ پھر ان کو میدان سے بھگا کر، ان کی لاشوں کا ڈھیر لگا کر صرف ۱۲/ آدمیوں کی قربانی دے کر پورے قافلے کا صحیح سلامت واپس مدینہ منورہ پہنچ جانا کوئی آسان کام ہے؟

اس مہم کا زبردست نتیجہ نکلا، آگے رومیوں کے ساتھ جو بھی کوئی جنگ ہوئی اور فتح نصیب ہوئی یہ مہم ان کا دروازہ ثابت ہوئی۔ رومی اس جنگ سے کتنے ڈرے! اس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ایک سال بعد جس وقت غزوہ تبوک کے لئے رحمتِ عالمﷺ تیس ہزار صحابۂ کرام کا

لشکر لے کر تبوک تشریف لے گئے تو رومی بھاگ کر پہاڑوں، بلکہ جنگلوں میں چھپ گئے، کوئی ایک بھی مقابلہ پر آنے کی ہمت نہیں کر سکا؛ کیوں! یہ جنگِ موتہ ہی کا اثر نہیں تھا؟ بالکل یہ اسی کا نتیجہ تھا۔

مکہ مکرمہ بھی فتح ہو گیا

سارے عرب میں دین کی دعوت کے حالات بننا، بادشاہوں تک ان کے مالک کا پیغام پہنچانا اور مسلمانوں کے لئے حرم کے دروازے کھلنا یہ سب کچھ صلح حدیبیہ کی برکت اور صبر کا نتیجہ تھا، اور جن صحابۂ کرام کو اس وقت جھک کر بل کہ دب کر صلح کرنے کی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی، اب ان کو بھی اس کی برکتوں کا یقین ہو رہا تھا، اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ سچ میں ہی وہ صلح بہت بڑی فتح تھی، لیکن جب تک مکہ فتح نہیں ہوتا تب تک عرب میں نہ شرک کی کمر ٹوٹتی نہ جڑ کٹتی!

ادھر اللہ تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ جس وقت اس کے بنائے ہوئے، بل کہ باندھے ہوئے نظام کے مطابق کوئی بڑا کام ہونا ہوتا ہے، اس وقت اچانک ہی اس کے حالات بننے لگ جاتے ہیں۔ پھر دنیا والے تو یہ سوچتے ہیں کہ یہ اچانک کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، جب کہ حقیقت میں وہ اللہ کے نظام کے مطابق ہی سامنے آتا ہے۔

بس اسی طرح سمجھ لیجیے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا جو پہلے دن سے ہی رحمتِ عالم ﷺ اور ایمان والوں سے کئے جا رہے تھے، مثال کے طور پر ان آیات کو لے لیجیے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ☆

ترجمہ: اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے، یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔ (المجادلہ:۲۱)

اور سورصف کی آیت ذیل:

هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ☆

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بری لگے'' (الصّف:۹)

اور سورہ محمد کی درج ذیل آیت:

اِنۡ تَنۡصُرُوۡا اللّٰهَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَیُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ

ترجمہ: (اے ایمان والو) اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے، تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمائے گا''۔ (محمد:۷)

اور خاص طور سے وہ وعدہ جو اس وقت کیا گیا تھا جب رحمتِ عالم ﷺ ہجرت کرتے کرتے جحفہ پہنچے تھے اور مکہ کی طرف ایک نظر دیکھ کر دل بھر آیا تھا، جس پر حضرت جبریل علیہ السلام عرش سے اتر کر آ گئے تھے، اور یہ خوشخبری سنائی تھی کہ:

اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ☆

ترجمہ: (اے پیغمبر!) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ تمہیں دوبارہ اس جگہ پر لا کر رہے گا جو تمہارے لئے انسیت کی جگہ ہے۔ (القصص:۸۵)

اب اس وعدے کے پورے ہونے کا جیسے ہی وقت آیا تو اچانک اس کے لئے حالات بننا شروع ہو گئے، صلح حدیبیہ میں ایک بات یہ بھی تھی کہ عرب قبائل اور دیہاتوں میں سے جو جس جماعت، جس پارٹی کے ساتھ جڑنا چاہے گا، جڑ سکے گا، اس شرط کے مطابق مکہ کے پڑوسی دو قبیلوں بنوبکر اور بنوخزاعہ میں سے بنوبکر تو مکہ والوں کے حلیف بن گئے، جب کہ بنوخزاعہ کافر ہونے کے باوجود مسلمانوں کے حمایتی بن گئے تھے۔

بنوبکر کا بنوخزاعہ پر اچانک حملہ

ان دونوں قبیلوں میں بہت سالوں سے جنگ چل رہی تھی، لیکن حدیبیہ کی صلح کے بعد دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے مطمئن ہوگئی تھیں۔اس کا فائدہ اٹھا کر بنوخزاعہ کی بے خبری اور غفلت کو دیکھ کر بنوبکر نے ان پر حملے کا ارادہ کرلیا، مکہ کے مشرک سرداروں سے بھی سانٹھ گانٹھ کر لی، انہوں نے ان کو اور بھڑکایا، بلکہ ساتھ میں ہتھیار اور جنگی نو جوانوں کے ذریعہ مدد کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

اس طرح چاند کی چاندنی میں رات کے وقت بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا، وہ بے چارے اس وقت ایک چشمے کے پاس بے خبر سوئے ہوئے تھے، بھاگ کر حرم میں داخل ہوئے، بل کہ کچھ خانہ کعبہ کے ساتھ چپک گئے، اللہ تعالیٰ کا اور حرم پاک کا واسطہ دے دے کر مشرکین مکہ کے آگے جان بخشی کی گزارش کرنے لگے۔لیکن مشرکین مکہ نے کہا: ''آج کوئی حرم اور حرمت حرم نہیں ہے''۔کچھ لوگ بھاگ کر اپنے خاندان کے سردار بدیل ابن ورقا خزاعی کے گھر میں گھسے جو مکہ میں ہی رہتا تھا، لیکن قاتلوں نے ان کو یہاں بھی نہیں چھوڑا، گاجر مولی کی طرح ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، اور اس ساری کاروائی میں مکہ کے قریش ساتھ ساتھ رہے، بل کہ کچھ تو منہ پر کپڑا لپیٹ کر خود ظلم کی قیادت کرتے رہے۔

ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو پتہ ہی نہیں چلے گا اور ہم کہہ دیں گے کہ یہ ان کی آپسی لڑائی اور جنگ ہے، اور پردے کے پیچھے راز یہ تھا کہ اس طرح جب مسلمانوں کے حمایتیوں کو مار پڑے گی، تو آئندہ ان کا کوئی ساتھی اور حلیف ہی نہیں بنے گا۔

بنوخزاعہ کے مظلوم مدینہ منورہ میں

اس دردناک قصے کے بعد عمرو ابن سالم خزاعی چالیس لوگوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ

روانہ ہوا، اس وقت نبی کریم ﷺ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ عمرو ابن سالم نے مسجد میں ہی کھڑے ہوکر بڑے درد بھرے اشعار کے ذریعہ اپنی آپ بیتی سنائی، اس نے، اس نے کہا:

یا رب انی ناشد محمدا حلف ابینا و ابیه الاتلدا

ان قریشا اخلفو الموعدا ونقضو میثاقک المؤکدا

هم بیتونا بالوتیر هُجدا وقتلونا رُكّعا وسُجّدا

ترجمہ: اے رب! میں محمد ﷺ کو اپنا اور ان کے باپ دادا کا پرانا معاہدہ یاد کروار ہا ہوں۔ قریش نے سچ میں ہی آپ کے ساتھ غداری کی ہے۔ اور آپ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ توڑ دیا ہے۔ انہوں نے وتر نام کے چشمے کے پاس ہم پر سوتے ہوئے حملہ کر دیا، اور ہم کو رکوع اور سجدے کی حالت میں قتل کر دیا۔ (ابن ہشام: ۳۶/۴)

اس طرح کافی لمبی نظم پڑھی، جس کے شروع کے یہ تین اشعار ہیں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے سن کر فرمایا: ''تمہاری ضرور مدد کی جائے گی'' پھر پوچھا کہ بنوبکر کے سارے لوگ اس قتل عام میں شریک تھے؟ عمرو بن سالم نے کہا: ''سارے نہیں تھے، فلاں فلاں قبائل شامل تھے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلے کی اچھی طرح خاطر مدارات فرمائی، پھر ان کو واپس بھیج دیا کہ تم صبر کرو ہم تمہیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

اس وفد کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے قریش کی طرف قاصد بھیجا کہ تین باتوں میں سے ایک چن لو:

(۱) بنوخزاعہ کے قتل ہونے والے آدمیوں کی دیت ادا کرواؤ۔

(۲) ان قاتلوں کو پناہ دینے اور ان کا ساتھ دینے سے الگ ہو جاؤ۔

(۳) یا پھر صلح حدیبیہ کے معاہدے کے ختم ہو جانے کا اعلان کردو۔

یہ پیغام لے جانے والے قاصد جس وقت مکہ پہنچے، مکہ والوں نے نہ کوئی خاص استقبال کیا نہ مطالبات پر توجہ دی، بل کہ سر پھرے نوجوانوں نے کہا: ''پہلی دو باتیں بالکل نہیں ہوسکتیں، ہاں!

تیسری بات معاہدے کے ختم ہوجانے پر ہم راضی ہیں؟''۔لیکن یہ قاصد جس وقت واپس چلے گئے، ان کو اپنی بیوقوفی اور جلد بازی کا احساس ہوا۔اور بڑے سمجھدار کہنے لگے کہ یہ کیا کردیا!!

تجدیدِ صلح کے لئے ابوسفیان مدینہ میں

مکہ کے سرداروں نے جلدی جلدی مجلس بٹھائی اور مشورہ کرکے ابوسفیان کو دوبارہ معاہدہ پکا کرنے کے لئے مدینہ منورہ بھیجا۔ادھر رسول اکرم ﷺ کے پیغام لے جانے والے قاصد بھی مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے۔اور جواب سن کر نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ والے معاہدے کو ختم کرنے کی بات کا بھی پختہ ارادہ فرمالیا تھا۔

ابوسفیان مدینہ پہنچے، تو سب سے پہلے اپنی صاحبزادی یعنی رسول اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ۔حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے والد صاحب کو آتے دیکھ کر فوراً وہ چادر لپیٹ دی، جو چار پائی پر بچھی ہوئی تھی۔ابوسفیان نے دیکھ لیا تو ''دعا وسلام'' کے بعد کہا: ''بیٹی! یہ چادر میرے لائق نہیں تھی یا میں چادر کے لائق نہیں تھا''۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''ابا جان! آپ چوں کہ مشرک ہیں، لہٰذا شرک کی گندگی کے ساتھ اس چادر پر نہیں بیٹھ سکتے، کیوں کہ یہ نبی کریم ﷺ کے بیٹھنے کی چادر ہے''۔

والد کو یہ سن کر بہت غصہ آ گیا، تو کہا: ''مجھ سے الگ ہو کر تو بگڑ گئی ہے''۔حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''بگڑی نہیں، بل کہ کفر کی اندھیریوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئی ہوں! اور کہا: آپ پر تعجب ہے! آپ قریش کے سردار ہو کر ان پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں''۔

ابوسفیان ادھر سے اٹھ کر سیدھے مسجدِ نبوی میں گئے اور نبی کریم ﷺ سے عرض کرنے لگے: ''میں صلح کا معاہدہ پکا کرنے آیا ہوں، یہ بولتے رہے لیکن نبی کریم ﷺ نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ اور کچھ روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے پھر وہی تین باتیں پیش فرمائیں۔پھر وہاں سے اٹھ کر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انہوں نے بھی کوئی جواب نہیں دیا، اور نہ سفارش کے لئے تیار ہوئے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انہوں نے بھی سفارش سے انکار کردیا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا: ''معاملہ بہت مشکل ہو گیا ہے، مجھے کوئی مشورہ ہی دو میں کیا کروں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میری سمجھ میں ایک بات آرہی ہے اگر اچھی لگی تو مان لیں! وہ یہ کہ آپ مسجدِ نبوی میں جا کر خود ہی آواز لگا کر کہہ دو کہ میں صلح کا وقت بڑھانے اور معاہدے کو پکا کرنے آیا ہوں۔ اور یہ اعلان کر کے اپنے شہر چلے جاؤ! ابوسفیان نے یہی کام کیا اور واپس مکہ چلے گئے، مکہ والوں نے پوچھا کیا کر کے آئے ہو؟ انہوں نے ساری تفصیل بتادی، لوگ ہنسنے لگے کہ نہ تو آپ صلح کر کے آئے کہ ہم بے فکر ہو جائیں، اور نہ آپ جنگ کی خبر لے کر آئے کہ ہم جنگ کی تیاری کریں''۔

مظلوموں کی فریاد پوری کرنے کی تیاری

حضرت رحمتِ عالم ﷺ نے ان کمزوروں، بے بسوں اور مظلوموں کی فریاد پوری کرنے کے انتظامات شروع فرمادئے، صحابہ کرامؓ کو ایک بڑی جنگ کی تیاری کا حکم فرمادیا، لیکن یہ نہیں فرمایا کہ یہ جنگ کس کے ساتھ ہوگی، بل کہ ماحول ایسا بنایا جارہا تھا کہ شاید یہ جنگ شام کے ملک میں ہوگی، بس کچھ خاص خاص صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشورے ہو رہے تھے، اور ان کو سارے رازوں کا بھی پتا تھا؛ کیوں کہ نبی کریم ﷺ یہ چاہ رہے تھے کہ ہم اچانک ہی مکہ میں پہونچیں تا کہ مکہ کے لوگ زیادہ تیاری نہ کرسکیں، اور بڑے ٹکراؤ سے بچ جائیں۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کی چوک اور معافی

اسی درمیان ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے سادگی میں ایک چوک ہوگئی، ان کے گھر والے مکہ میں رہتے تھے، اور مکہ میں ان کا اور کوئی رشتہ دار حمایتی نہیں تھا، ان کے

دل میں ایک خیال سا آیا کہ میں اس وقت مکہ والوں پر ایک احسان کر دیتا ہوں، تا کہ جس وقت گھمسان کی جنگ ہو تو کوئی میرے بچوں پر حملہ نہ کر دے۔ انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ کی جنگ کی تیاری کی بات لکھ کر یہ خط مکہ کے سرداروں کے پاس ایک عورت کے ہاتھ بھیج دیا جو کہ مدینہ میں بھیک مانگنے کے لئے آئی ہوئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سارا راز وحی کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو بتا دیا، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تین صحابہ کرام کو بلا کر فرمایا: ''آپ حضرات جلدی جلدی جاؤ! آپ کو مکہ کے راستے میں ''روضۃ الخاخ'' نام کی جگہ پر ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہو گا وہ خط لے کر آ جاؤ!''۔

یہ حضرات سواریاں دوڑاتے ہوئے اس مقام پر پہنچے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ واقعۃً اس جگہ تھوڑی دیر بعد ایک مانگنے والی عورت آ گئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خط کہاں ہے، باہر نکال!'' اس نے انکار کر دیا، پھر اس کی تلاشی لی گئی، لیکن نہ خط ملا نہ اس نے اقرار کیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یا تو خط نکال، یا پھر ہم تجھے ننگا کر کے تلاشی لیں گے''۔ وہ ڈر گئی تو اس نے فوراً اپنی چوٹی میں سے خط نکال کر دے دیا۔ یہ حضرات خط لے کر جلدی مدینہ منورہ پہنچ گئے، خط کھولا گیا، کیا دیکھتے ہیں! وہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ کے سرداروں کی طرف لکھی ہوئی ایک چٹھی ہے، کہ نبی کریم ﷺ ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جس کا تم کبھی بھی مقابلہ نہیں کر سکتے؛ لہٰذا تم عقلمندی سے کام لو یعنی ایمان لے آؤ۔

آپ ﷺ نے حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کو بلا کر پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: ''آپ میرے بارے میں جلدی نہ کیجیے! نہ تو میں منافق ہوں اور نہ مجھے دین کے بارے میں کوئی شک ہے، بات یہ ہے کہ میرے گھر والے مکہ میں ہیں، جب کہ میرا کوئی اور رشتہ دار وہاں نہیں ہے، میں نے سوچا کہ یہ میرا ان پر احسان ہو جائے گا، اور اس سے دین کا تو کوئی نقصان ہو گا نہیں''

رحمتِ عالم ﷺ نے ان کا یہ عذر قبول فرما لیا، اور صحابۂ کرام کو بھی فرمایا کہ یہ بدری صحابی ہیں،

بدر والوں سے نادانی میں اگر کوئی چھوٹی موٹی غلطی ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

(بخاری:۴۲۷۴)

حضرت نبی کریم ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا، نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی ان کی معافی کا اعلان فرما دیا، اوراس بارے میں سورہ ممتحنہ کا پورا ایک رکوع نازل فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سادگی اور نادانی میں ہونے والی غلطی بھی غلطی ہے، اور کافروں کے ساتھ دوستی تو ایمان والوں کو کسی حال میں بھی جچتی ہی نہیں۔اس کے لئے سورہ ممتحنہ کا پہلا رکوع پڑھ لیجیے!

مدینہ منورہ سے اسلامی لشکر کی روانگی

دسویں رمضان ۸ھ حضرت نبی اکرم ﷺ دس ہزار صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ابھی ذوالحلیفہ یا ایک روایت کے مطابق جحفہ پہنچے تھے کہ رحمتِ عالم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے ملاقات ہوگئی جو کہ مکہ سے ہجرت کر کے آرہے تھے، انہوں نے ساتھ والے سامان اور گھر والوں کو تو مدینہ منورہ بھیج دیا، لیکن خود وہیں سے اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑے، نبی کریم ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ''جس طرح میں آخری نبی ہوں! اسی طرح آپ (مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے) آخری مہاجر ہیں'' (معجم طبرانی)

کچھ آگے ابواء پہنچے تو نبی کریم ﷺ کے سگے چچا زاد بھائی ابوسفیان ابن حارث اور سگے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ ابن امیہ راستے میں مل گئے، یہ بھی ہجرت کر کے مکہ سے ایمان قبول کرنے کے لئے مدینہ منورہ جارہے تھے۔ یہ دونوں دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئے لیکن نبی کریم ﷺ نے ان سے کوئی بات نہیں فرمائی اور منہ موڑ لیا؛ کیوں کہ ان دونوں نے مکہ مکرمہ میں بہت تکلیفیں پہنچائی تھیں، لیکن حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی سفارش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معافی مانگنے کے طریقہ بتانے پر، پھر حضرت ابوسفیان کی یہ بات کہنے پر کہ اگر آپ مجھے حاضری

کی اجازت نہیں دیں گے، تو میں اپنے بیٹے جعفر کو لے کر جنگل میں چلا جاؤں گا اور اسی طرح گھومتا بھٹکتا مر جاؤں گا، اس پر رحمتِ عالم ﷺ نے ان پر ترس کھایا، اور ان دونوں کو بھی ایمان بل کہ صحابیت کا شرف حاصل ہوگیا، نبی کریم ﷺ کا مقصد بھی صرف تھوڑا احساس دلانا تھا، ورنہ آپ ﷺ جیسا نرم دل تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا!! اس معافی پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بڑے درد بھرے اشعار بھی کہے۔ (ابن ہشام: ۴/۴۱)

مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۱۴ کلومیٹر پہلے وادی قدید نام کا ایک مقام ہے اس مقام تک سارے صحابہ کرام روزے سے تھے، قدید اور عفان کے درمیان کدید نام کے چشمے پر پہنچ کر آپ ﷺ نے سارے صحابہ کرامؓ کے سامنے روزہ توڑ دیا، تاکہ اور لوگوں کو بھی ایسے جہادی سفر کا حکم معلوم ہوجائے، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے بھی آپ ﷺ کو دیکھ کر سفر میں روزہ توڑ کر بعد میں قضاء کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ابوسفیان ابن حربؓ بھی دربارِ نبوی میں

لشکر نے مکہ مکرمہ سے کوئی ۲۵، ۳۰ کلومیٹر پہلے ''مر الظہران'' نام کی جگہ ہے، رات کو یہیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم ملا، اور ساتھ ہی یہ حکم بھی ہوا کہ ہر آدمی اپنے لئے الگ الگ آگ جلائے تاکہ مکی جاسوس دیکھ کر ڈر جائیں کہ کتنے زیادہ لوگ ہیں۔

ادھر مکہ والوں کے کان تو کھڑے تھے ہی، ابوسفیان ابن حرب باہر جا جا کر پتا لگا رہے تھے کہ کہیں کوئی حملہ تو نہیں ہو رہا ہے، آج بھی ابوسفیان ابن حرب اپنے دو ساتھیوں- حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقاء- کے ساتھ ساتھ چکر مار رہے تھے، اچانک اتنی آگ دیکھ کر حیران ہوگئے۔

ابوسفیان نے کہا: ''یہ آگ کیسی؟ بدیل ابن ورقاء نے کہا: ''یہ قبیلہ بنوخزاعہ کے لوگ ہیں''۔

ابوسفیان نے کہا: ''تیرا ناس ہو! قبیلہ بنوخزاعہ کے لوگ اتنے کب ہوگئے!!''

اتنے میں ادھر سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، انہوں نے ابوسفیان کی آواز پہچان

لی ،انہوں نے آواز دے کر کہا: ’’اوابوسفیان! یہ اسلامی لشکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ ہیں ، ہائے! کل قریش کی کیسی تباہی ہوگی؟ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے ہوش اڑ گئے ،حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’ابوسفیان! میرے پیچھے اس سفید رنگ کے خچر پر بیٹھ جا! میں نبی کریم ﷺ سے تیرے لئے پناہ لے لوں! پھر جس کسی کے پاس سے گزرتے تھے، لوگ حیرانگی سے دیکھتے تھے، لیکن جب پتا چلتا تھا کہ یہ آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ ہیں، تو چپ ہو جاتے تھے، مگر جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو پہچان لیا، اور فرمایا: ’’یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان، اس کو اللہ تعالیٰ نے بغیر معاہدے کے ہمارے حوالے کر دیا ہے‘‘! لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ دوڑ کر رحمتِ عالم ﷺ کے پاس پہنچ گئے ، اور ابوسفیان کے لئے پناہ لے لی ، آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ’’ان کو صبح ہمارے پاس لے کر آئیں!‘‘۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ صبح سویرے ابوسفیان کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ابوسفیان! خدا تیرا بھلا کرے! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپ یہ بات سمجھیں اور گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں؟‘‘۔

ابوسفیان نے کہا: ’’میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے تحمل والے ، رشتہ داری کو جوڑنے والے اور شریف ہیں؛ لیکن اس بارے میں ابھی میرے دل میں کچھ شک ہے‘‘

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’تیرا ناس ہو! گردن الگ ہونے سے پہلے پہلے ایمان لے آ! اس طرح کچھ سوچنے سمجھنے کے بعد ابوسفیان کو بھی ایمان نصیب ہو گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! یارسول اللہ! ابوسفیانؓ عزت پسند انسان ہیں؛ لہذا انہیں کوئی عزت کا کام دے دیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ مکہ میں جا کر یہ اعلان کر دیں! جو میرے گھر میں گھس جائے گا اس کو معافی! اور جو مسجدِ حرام میں چلا جائے گا اس کو معافی! اور جو اپنے دروازے بند کر لے گا اس کو بھی معافی!

رحمتِ عالمﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''آپ ابوسفیانؓ کو کسی اونچے ٹیلے پر لے جا کر اسلامی لشکر کا نظارہ کرائیں! حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا، ادھر قبائل الگ الگ اپنے اپنے قافلے کا جھنڈا لیے گزر رہے تھے، اور ابوسفیانؓ ہر ایک کے بارے میں پوچھ رہے تھے یہ کون ہیں؟ جب حضرت عباسؓ تعارف کرواتے تھے، تو حضرت ابوسفیانؓ کہتے: ''مجھے ان سے کیا واسطہ''۔

لیکن جس وقت حضرت رسول اکرمﷺ انصار اور مہاجرین کی ہتھیاروں میں ڈوبی ہوئی جماعت کے ساتھ ادھر سے گزرے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیانؓ کو بتایا کہ یہ ایمانی لشکر کے درمیان رحمتِ عالمﷺ گزر رہے ہیں، حضرت ابوسفیانؓ کو دیکھ کر بہت رشک آیا، تو حضرت عباسؓ سے کہا: ''عباس! تیرے بھتیجے کی بادشاہی کی کیا شان ہے! حضرت عباسؓ نے فرمایا: ''یہ بادشاہی نہیں! نبوت کا معجزہ ہے''!

آج جنگ کا نہیں معافی اور رحم کا دن ہے

اسی جگہ ایک بڑی اہم بات یہ پیش آگئی کہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی للہ عنہ جب انصار صحابہ کرامؓ کا جھنڈا لے کر حضرت ابوسفیانؓ کے پاس سے گزرے، تو ان کو گزرا ہوا دور یاد آگیا، جنگِ احد اور خندق کا خیال آگیا، انہوں نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سنا کر کہہ دیا:

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَةُ ، اَلْیَوْمَ اَذَلَّ اللّٰہُ قُرَیْشًا:

ترجمہ: آج گھمسان کی جنگ کا اور خون کے دریا بہنے کا دن ہے، آج کعبہ میں سب کچھ جائز ہوگا، آج قریش کو اللہ ذلیل کرے گا۔

پھر جب ابوسفیانؓ کے پاس سے نبی کریمﷺ کا قافلہ گزرا، ابوسفیانؓ نے اس بات کی شکایت کی اور کہا: ''یارسول اللہ! آپ نے سنا! سعد نے کیا کہا؟ پھر ان کی ساری بات بتائی۔ اس پر نبی کریمﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات ناپسند فرمائی اور فرمایا:''

اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ ، اَلْیَوْمَ یُعِزَّ اللّٰہُ قُرَیْشًا

ترجمہ: آج رحم کرنے کا دن ہے، آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت دیں گے‘‘۔

پھر حضرت ابوسفیانؓ کا دل رکھنے کے لئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے ہی بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو دے دیا اس طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی خوش رہے۔

ایمانی اور اسلامی لشکر کا مکہ میں داخلے کا منظر

جس وقت یہ مقدس لشکر حرم پاک کے قریب پہنچا، حضرت عباسؓ نے حضرت ابوسفیانؓ سے فرمایا: ’’آپ جلدی جلدی مکہ جاؤ! اور اپنی قوم کو سمجھاؤ، اور ان کے بچاؤ کا انتظام کرو، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے اور زور سے آواز لگا کر لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ: ’’محمد (ﷺ) وہ لشکر لے کر آئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے، میں ان سے امن اور پناہ لے کر آیا ہوں، جو میرے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو کوئی کچھ نہیں کہے گا، لوگوں نے کہا: ’’تیرا ناس ہو! تیرے گھر میں جگہ ہی کتنی ہے! انہوں نے کہا: ’’جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو بھی کچھ نہیں کہا جائے گا، اور جو مسجدِ حرام میں چلا گیا اس کو بھی معافی!

یہ سن کر کوئی اپنے گھر کی طرف اور کوئی حرم کی طرف دوڑا، ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ کو غصہ آ گیا اور اس نے اپنے شوہر کی مونچھیں پکڑ لیں، اور کہا: ’’تو بزدلی والی باتیں کیوں کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: ’’لوگو! اس عورت کی بات سے دھوکہ نہ کھانا، اس لشکر کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ادھر رحمتِ عالم ﷺ نے مکہ سے ذرا پہلے لشکر کے تین حصے بنائے، ایک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا، ایک حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا اور ایک نبی اکرم ﷺ کی امارت وسرداری والا لشکر۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ آپ مکہ کی نچلی طرف سے داخل ہوں، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اوپر والی طرف سے داخل ہونے کا حکم ہوا، نیز سب کو حکم دیا گیا کہ آج بہت نرمی سے کام لینا ہے، بس جو پکا ارادہ کر کے میدان میں آ ہی جائے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، ورنہ کسی

پر ہتھیار نہیں اٹھانا۔

مکہ کے لوگ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اعلان کے مطابق اپنی اپنی جان بچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، لیکن عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان ابن امیہ اور سہیل ابن عمرو نے کچھ جوانوں کو ساتھ لے کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا راستہ روکنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے بارہ مشرک قتل ہوگئے، جب کہ دو ایمان والوں کو بھی شہادت کا بلند مرتبہ نصیب ہوگیا۔ پھر باقی مشرکین کو جدھر راستہ ملا ادھر ہی بھاگ گئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کسی نے مقابلہ نہیں کیا، تو وہ تیز رفتاری سے مسجدِ حرام سے باہر ایک جگہ پہنچ کر خیمہ زن ہوگئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگ گئے۔

معافی کا عام اعلان اور فتح پر تکبر نہیں بلکہ عاجزی کی انتہاء

حضرت رحمتِ عالم ﷺ کا اپنا لشکر آج رحمۃ للعالمین ہونے کا نظارہ کراتے اور بلند اخلاق کا نقشہ پیش کرتے جا رہا تھا، عام اعلان ہو رہا تھا، آج مہربانی اور معافی کا دن ہے، جو حرم کی مسجد میں چلا جائے گا اس کو معافی، چاہے اس نے کتنے ہی جرم اور قصور کیوں نہ کئے ہوں! اور جو اپنے ہی گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا اس کو بھی معافی۔ اور آپ ﷺ کے لئے فتح پر فخر یا ناز کی بات سوچنا ہی کفر ہے، بل کہ عاجزی اور اللہ تعالیٰ کے کرم پر شکر کے احساس کا یہ حال تھا کہ سواری پر اتنے جھکے ہوئے تھے کہ ٹھوڑی مبارک کجاوے کے ساتھ لگی ہوئی تھی، بس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جا رہا تھا اور رب کے کلام میں سے سورہ فتح کی تلاوت ہو رہی تھی۔

ہاشمی، قریشی اور انصاری بڑے بڑے لیڈر، چودھری اور سردار ساتھ تھے، لیکن اپنی مبارک اونٹنی پر کوئی کسی خاندان کا بڑا لیڈر ساتھ نہیں بٹھایا تھا، بل کہ آج یہ فخر اور ناز ایک غلام کے بیٹے حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کو نصیب ہو رہا تھا، وہی آپ ﷺ کی سواری پر ساتھ پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور آج غلامی کا طعنہ نہیں تھا بل کہ آج غلامی آزادی کا مذاق اڑا رہی تھی۔

فتح کا یہ نقشہ دیکھ کر ایک آدمی کانپنے لگ گیا، جو آپ ﷺ کے ساتھ بات کر رہے تھے، رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ڈرو نہیں! اطمینان سے بات کرو، میں بادشاہ نہیں، بل کہ قریش کی اس عورت کا بیٹا ہوں جو آپ ہی کی طرح گوشت کھاتی تھی۔ (مستدرک حاکم)

سبحان اللہ! ساری کائنات اور ساری مخلوق اور ساری انسانیت کے سردار کیسے عاجزی والے بول بول رہے تھے۔ آج انسانیت کو کیسی عزت مل رہی تھی!

سلام اس پر کہ جس نے نارِ دوزخ سے بچایا ہے
سلام اس پر کہ جو عالم کے لئے رحمت کا سایہ ہے

خانہ کعبہ کی چابی اور بلند اخلاق کا منظر

خانہ کعبہ کی چابی عثمان ابن ابی طلحہ نام کے آدمی کے پاس تھی، ہجرت کے وقت آپ ﷺ نے اس سے چابی مانگی تھی، لیکن اس نے انکار کر دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کسی وقت یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی، پھر میں جس کو چاہوں گا دوں گا، اس نے کہا: ''پھر وہ قریش کے ذلیل ہونے کا دن ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ان کے لئے عزت کا دن ہوگا''۔ (بخاری)

مکہ فتح ہوتے ہی اس سے چابی مانگی گئی، اور آج انکار کی جرأت کون کرسکتا تھا؟ اس نے فوراً حوالے کی۔ رحمتِ عالم ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ کا گھر غیر اللہ کے بتوں سے بھرا ہوا تھا، دیواروں پر بھی تصویریں بنائی ہوئی تھیں، یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بھی مورتیاں بنائی ہوئی تھیں، رحمتِ عالم ﷺ وہی آیت جو ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی تھی یعنی سورہ بنی اسرائیل کی آیت:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا☆

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل ہے ہی مٹ جانے والا۔ (سورہ بنی اسرائیل:۸۱)

اس آیت کو پڑھتے جا رہے تھے اور ایک ایک بت کو لاٹھی سے ٹھوکر مارتے جا رہے تھے، اس

طرح سارا خانہ کعبہ صاف کیا گیا، دیواریں بھی دھوئی گئیں، پھر رحمتِ عالم ﷺ خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں چابی دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گزارش کی حضرت یہ ہمیں عطا فرما دیجیے! اور ایک روایت کے مطابق یہی مطالبہ حضرت عباسؓ نے بھی کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج کا دن نیکی کرنے اور اچھا سلوک کرنے کا دن ہے''۔

پھر رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: ''عثمان ابن ابی طلحہ کو بلاؤ! وہ کانپتے کانپتے آئے، کہ نہیں معلوم کیا فیصلہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے ان کو چابی دیتے ہوئے فرمایا: ''لو یہ چابی ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی اور جو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا''۔ یہ چابی کیا ملی! اس کے ساتھ ہی ان کے سارے خاندان کو ایمان مل گیا اور آج بھی چابی ان کے خاندان میں ہی ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق یہ حکم آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہی دیا تھا؛ جب آپ ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تھے اسی وقت آپ ﷺ پر سورہ نساء کی آیت ۵۸/ نازل ہوئی جس میں امانت ادا کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو یہی آیت کریمہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر تھی اور آپ ﷺ نے عثمان ابن ابی طلحہ کو ہجرت کی بات یاد دلائی اور جب چابی واپس فرمائی تو ان کو ایمان نصیب ہوگیا رضی اللہ عنہ

(ابن ہشام: ۵۰/۴)

معافی کے دریا بہہ پڑے اور پست بلند ہو گئے

پھر خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر تقریر فرمائی، عرب میں قتل کا سلسلہ ایک بار شروع ہو جاتا تھا پھر کبھی رکتا نہیں تھا، ان ساری جہالت والی باتوں کے لئے فرمایا: ''آج میں نے یہ ساری باتیں اپنے پیروں کے نیچے کچل دی ہیں، قوموں، برادریوں اور خاندان کی اونچ نیچ والی سوچ ہمارے ملک کی طرح عرب میں بھی تھی، اس کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوگئی:

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ☆

ترجمہ: لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں اللہ کے نزدیک عزت والے وہ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں؛ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے (الحجرات: ۱۳)

آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا: ''آپ سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے، اس سے آج سب پست لوگ بلند ہو گئے، قریشی اور غیر قریشی بل کہ اس سے بھی آگے عجمی اور عربی کا امتیاز مٹ گیا اور رشک یا فخر کے لئے قوم قبیلے نہیں، بل کہ تقوی ہی معیار بن گیا۔

اس کے بعد مجمع پر ایک گہری نگاہ فرمائی، مکہ کے سارے لیڈر بل کہ سارے مجرم سامنے بیٹھے ہوئے تھے، ان میں راستے میں کانٹے بچھانے والے، مبارک جسم پر گند ڈالنے والے، گالیوں کی بوچھاڑ کرنے والے، اور مسلمانوں کو گرم ریت پر، بل کہ انگاروں پر تڑپانے والے بھی تھے، اور وہ بھی جنہوں نے اسلام کا نام ونشان مٹانے کی قسمیں کھائی تھیں، اور وہ بھی جنہوں نے مدینہ پاک پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، ان سب کو ڈانٹنے کے انداز میں فرمایا: ''تمہیں پتا ہے، تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا''؟

وہ بیشک دشمن تھے، پر مزاج شناس تھے، ایک ساتھ یک زبان ہو کر بولے، **اخ کریم و ابن اخ کریم** ' آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کی اولاد ہیں، یعنی آپ شرافت والی بات ہی کریں گے۔ اعلان ہوا'' **لاتثریب علیکم الیوم ، اذھبو افانتم الطلقاء**'' آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

یہ بات سن کر دل میں خوشی کی لہریں موجزن ہو گئیں، مہاجر صحابہ کرام جس وقت ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے، ان ظالموں نے ان کے گھروں پر بھی قبضہ کر لیا تھا، اس لئے مہاجرین کو فرمایا: ''آپ وہ گھر بھی انہیں کے پاس رہنے دو''۔

پھر کیا تھا اسلام قبول کرنے کا ایک سیلاب چڑھ گیا، پہلے مرد آ آ کے کلمہ پڑھنے لگے، بیعت

لیتے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے رہے، پھر عورتیں آ گئیں، انہوں نے بھی توحید و رسالت کا اقرار کر کے سورہ ممتحنہ والے الفاظ کا اقرار اور وعدہ کیا۔

خانہ کعبہ پر بلالی اذان

اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم ملا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اور اذان دو۔ ان کی اذان سے مکہ کی پہاڑیاں تو گونج ہی گئی تھیں، جن دلوں میں ابھی کفر و شرک کے کانٹے باقی تھے وہ بھڑک اٹھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے، ان کو یہ مرتبہ اسلام نے دیا تھا، مکہ کے مشرک حبشہ کے غلام کو خانہ کعبہ کی چھت پر دیکھ کر کہاں برداشت کر سکتے تھے، وہ تو جل بھن گئے، ایک بولا: ''میرا باپ بڑا خوش قسمت تھا جو اس کالے کوّے کی آواز سننے سے پہلے ہی مر گیا، ورنہ آج اس کا کلیجہ پھٹ جاتا''۔ ایک دوسرا بولا: ''اگر مجھے پتا چل جائے کہ یہ سچا دین ہے، تو میں بھی قبول کر لوں''۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان کی ساری باتیں اپنے حبیب ﷺ کو بتا دیں، جو نبی کریم ﷺ نے ان مشرکین کو بلا کر ان کو سنائیں کہ تم نے ایسے ایسے کہا ہے؟ اس کے نتیجہ میں تبصرہ کرنے والوں کو بھی ایمان نصیب ہو گیا۔ (زرقانی: ۲/۳۴۶)

فتح کے دوسرے دن نبی اکرم ﷺ طواف فرما رہے تھے، فضالہ ابن عمیر ایک سخت دل آدمی تھے، انہوں نے آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے تلوار چھپا کر رکھی ہوئی تھی، جوں ہی نشانے کا اندازہ لگانا شروع کیا نبی اکرم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ''کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کچھ بھی نہیں! پھر وحی کے مطابق ان کے دل کی ساری باتیں بتا دیں، اس معجزے پر ان کو بھی ایمان نصیب ہو گیا۔

ایمان کیا! بل کہ تقوی، تزکیہ، دل کی صفائی سب کچھ حاصل ہو گیا، واپس گھر جا رہے تھے، راستہ میں ان کی پرانی معشوقہ مل گئی، جس کے یہاں ان کا آنا جانا تھا، کہنے لگی: ''فضالہ ایک بات سن جاؤ!'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کو قبول کر لینے کے بعد یہ سب کچھ حرام ہو گیا ہے۔

بھاگنے والے بھی واپس بلائے گئے

کم سے کم دس ایسے لوگوں کے نام بھی سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں، جو فتح مکہ کے موقع پر مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، وہ بھی واپس بلائے گئے، ان میں مکہ کے بڑے لیڈر صفوان ابن امیہ مکہ چھوڑ کر یمن کی طرف بھاگتے جا رہے تھے، عمیر ابن وہب رضی اللہ عنہ نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مکہ کا ایک بڑا لیڈر صفوان ابن امیہ بھاگ گیا ہے، اگر آپ ﷺ اس کو امان اور پناہ دیتے ہیں تو میں اس کو واپس لے آؤں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صرف معاف ہی نہیں فرمایا، بل کہ پناہ بھی دی، اور نشانی کے لئے اپنی دستارِ مبارک اتار کر دی کہ یہ دکھا کر واپس لاؤ! عمیر ابن وہب رضی اللہ عنہ ان کو جدہ سے واپس لے کر آئے۔

صفوان نے کہا: ''ابھی مجھے اسلام کے بارے میں دو مہینے سوچنے دو''۔ فرمایا گیا: ''تو چار مہینے سوچ! لیکن حنین کی فتح کے بعد ہی انہیں ایمان نصیب ہو گیا۔

اسی طرح ابو جہل کے بیٹے عکرمہ یمن کی طرف بھاگ گئے، ان کی بیوی امِ حکیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لئے پناہ مانگی، آپ ﷺ نے ان کو بھی معاف فرما دیا بل کہ پناہ بھی عطا فرمائی، اور نشانی کے لئے ان کو بھی اپنی دستار مبارک عنایت فرمائی، امِ حکیمؓ ان کو جدہ سے واپس لے کر آئیں، عکرمہ یہ بلند اخلاق دیکھ کر اپنے آپ کو روک نہ سکے، اسی وقت کلمہ پڑھ لیا۔ رضی اللہ عنہ۔ پھر اسلام کے لئے اللہ نے ان سے ایسی بڑی بڑی قربانیاں لیں جو تاریخ کا حصہ بن گئیں۔

ان لوگوں کو واپس آتے دیکھ کر دوسرے بھاگنے والے بھی واپس آ گئے اور ان کو بھی ایمان نصیب ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے وحشی ابن حرب بھی بھاگتے بھاگتے واپس آ کر اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔

اپنی لختِ جگر پر قاتلانہ حملہ کرنے والے کو بھی معافی سے نوازا

انسان کی عزتِ نفس کا تقاضا ہے کہ وہ سب کو معاف کر سکتا ہے، مگر اپنی اولاد کے ساتھ ناروا سلوک کرنے والوں کو معافی دینا اس کی غیرت گوارہ نہیں کرتی! پھر اولاد میں سے بھی بیٹی پر قاتلانہ حملہ کرنے والے کو معاف کر دے!؟ شاید تاریخِ انسانی میں یہ منظر پہلی بار مکہ مکرمہ میں آج نظر آرہا تھا جب رحمتِ عالم ﷺ اس حبار ابن اسود کو بھی معاف فرما رہے تھے اور پناہ دے رہے تھے جس نے آپ ﷺ کی لختِ جگر حضرت زینبؓ کے اونٹ کو ہجرت کے موقع پر تیر مارا تھا، یا دھکا دیا تھا جس سے گر کر ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا تھا، آج اس کو بھی معافی ملی، جس کے صدقے میں انہیں ایمان اور پھر صحابیت کا شرف سب کچھ نصیب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

یہ سارا نقشہ دیکھ کر ابوسفیان کی بیوی ہندہ جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی تھی، وہ بھی اپنے آپ کو اسلام کی روشنی سے دور رکھنے میں زیادہ دیر کامیاب نہیں ہو سکی، جس وقت اس کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے یہ اخلاق بتائے گئے تو اس نے بھی ایمان قبول کر لیا، خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بیعت کا معاہدہ کیا، یعنی اسلامی حکموں پر عمل کرنے کا پکا وعدہ کیا، اور عجیب بات کہی کہ کل جس وقت سورج غروب ہوا تھا، اس وقت آپ سے زیادہ نفرت کسی سے نہیں تھی، لیکن آج کا سورج ایسا طلوع ہوا کہ آپ سے زیادہ کوئی محبوب ہی نہیں۔ رضی اللہ عنہا مشہور روایتوں کے مطابق نبی کریم ﷺ نے ۱۹ دن مکہ میں قیام فرما کر تعلیم، تربیت اور اسلامی اخلاق سکھانے کا مقدس فریضہ بھی ادا فرمایا اور ساتھ ساتھ شرک کے سارے نشانات بھی مٹائے تاکہ آگے کوئی ان سے گمراہ نہ ہو جائے۔

عزتوں کی حفاظت

جو انسان جس مرتبہ کا ہوتا ہے اس کے ساتھ اسی کے مطابق سلوک کرنا یہ خاص نبوی اخلاق تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد سہیل ابن عمرو جو صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے ترجمانی کر رہے تھے اور فتحِ مکہ کے موقع پر حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی، انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیج کر اپنے لئے معافی مانگی۔ ان کو بھی معافی اور پناہ دے دی گئی، حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ معاف ہی نہیں فرمایا؛ بل کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''سہیل کو کوئی سخت نظروں سے نہ دیکھے! میری عمر کی قسم یہ بہت ہی عقلمند اور شریف انسان ہیں، سہیل جیسے آدمی اسلام سے بے خبر نہیں رہ سکتے، سہیل بن عمرو اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود جنگِ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ رہے، پھر واپسی پر جعرانہ پہنچ کر اسلام قبول کرلیا، اور قسم کھا کر کہا: ''جس طرح شرک کے لئے مشرکین کے ساتھ رہ کر محنت کرتا رہا اس سے بڑھ کر اسلام کے لئے کوشش وسعی کروں گا۔ رضی اللہ عنہ

غور کیجیے! کیا ان کا دل اخلاق نبوی کے بغیر کسی بات پر نرم ہونے والا تھا؟؟

حنین کی جنگ

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے ۴۵ رکلومیٹر کے بعد تنگ گھاٹیوں سے گذر کر آتی ہے، اس علاقے میں ہوازن اور ثقیف نام کی دو بڑی قومین رہتی تھیں، جن کی آگے کئی شاخیں بھی تھیں۔ مکہ کے فتح ہونے پر سارے عرب میں اسلام کی ہوا چل پڑی تھی، کئی کئی قبیلے اور خاندان اسلام کے سائے میں آرہے تھے، لیکن ہوازن اور ثقیف کو اپنی طاقت پر بڑا فخر اور ناز تھا، یہ مکہ فتح ہونے سے پہلے عرب کے سارے قبیلوں کو جمع کر رہے تھے کہ آؤ! اس نئی طاقت پر ایک ساتھ مل کر حملہ کریں، کہیں یہ کوئی بڑی طاقت نہ بن جائے۔

مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کی خبر جب ان قبیلوں تک پہنچی، انہوں نے کہا: '' مکہ کے شہری لوگ نازک مزاج تھے، وہ جنگ نہیں کر سکے، اب ہمیں خود ہی آگے بڑھ کر کچھ کرنا پڑے گا، اس کے لئے پنچائتیں بٹھائیں، مشورے ہوئے اور تیس سال کے بہادر نوجوان مالک ابن عوف کو تمام لوگوں نے اتفاق سے جنگ کا کمانڈر منتخب کیا، درید ابن صمہ نام کا ایک سوبیس سالہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا، لیکن اپنے وقت کا وہ بہت بڑا بہادر، جنگ کا تجربہ کار اور شاعر مشہور تھا، مشورے کے لئے اس کو بھی ساتھ لیا گیا، مالک ابن عوف نے مشہور تاریخی روایت کے مطابق بیس ہزار فوج تیار کی (کچھ حضرات نے اس سے کم لکھی ہے)

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تیاری کی خبر ملی، تو آپ ﷺ نے مزید تحقیق کے لئے اس علاقے کے ماہر حضرت عبداللہ ابن حدرد رضی اللہ عنہ کو حنین کی طرف بھیجا، وہ دو دن بڑی ہوشیاری کے ساتھ فوج کے بیچ میں رہ کر واپس آئے، اور سارے حالات سنائے۔

(ابن ہشام: ۷۲/۴)

رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کر کے فیصلہ فرمایا کہ ہمیں حنین پہنچ کر ہی ان کا مقابلہ کرنا چاہیے اس کے لئے مکہ کے بڑے مالدار صفوان ابن امیہ جو ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے، ان سے ایک سو زرہیں استعمال کرنے کے لئے عاریت پر لیں، اور ایک دوسرے سیٹھ عبد اللہ ابن ربیعہ سے تیس ہزار درہم بھی ادھار لیے۔

۶ رشوال ۸ھ میں مکہ مکرمہ سے رحمتِ عالم ﷺ اس طرح نکلے کہ آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے آنے والے دس ہزار مخلص صحابہ کرام کے علاوہ دو ہزار مزید لوگ مکہ مکرمہ سے ساتھ نکلے، جن میں نئے نئے مسلمان ہونے والے بھی تھے، اور وہ غیر ایمان والے بھی جن کو مکہ مکرمہ میں معافی دے دی گئی تھی۔

ادھر مالک ابن عوف بھی ہوازن اور ثقیف کے بیس ہزار لشکر کو ساتھ لے کر اوطاس کے میدان تک پہنچ گیا، اور اس نے حکم دیا تھا کہ ہر شخص اپنے بیوی بچوں اور اونٹ گائے، بھیڑ بکریوں

وغیرہ سب کو ساتھ لے کر آئے گا تا کہ کسی کے دل میں گھر کا کوئی خیال نہ رہے اور گھر والوں اور مال کی حفاظت کے لئے جان لگا کر جنگ کرے، حالانکہ اس کو درید ابن صمہ نے بہت سمجھایا لیکن اس نے کوئی بات نہیں مانی کہ تو تو بوڑھا ہو چکا ہے، تب ہی تو بیوقوفی کی سٹھیائی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔

بڑا بول اللہ تعالیٰ کو کسی حال میں پسند نہیں

رسول اکرم ﷺ اسلامی لشکر کو لے کر تیسرے دن یعنی ۱۰؍شوال المکرّم ۸ھ کو حنین کے اس میدان کے قریب پہنچ گئے، جہاں ہوازن اور ثقیف کا لشکر جنگ کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، لیکن آج اسلامی لشکر میں سے کسی سے وہ چوک ہوگئی جو رحمتِ عالم ﷺ کی تربیت کے بعد اور قرآن کریم کے سائے میں منازل طے کرنے کے بعد کسی سے نہیں ہونی چاہئے تھی! اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر پکڑ بھی سخت ہوگئی

بات یہ ہوئی کہ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی، یہ اتنی بڑی تعداد تھی کہ آج سے پہلے اتنی بڑی تعداد کبھی نہیں تھی، حنین کے راستے میں یہ تعداد دیکھ کر کسی کے لبوں پر یہ بات آ گئی کہ آج ہم اپنی جماعت کے کم ہونے کی وجہ سے نہیں ہاریں گے، اپنی جگہ یہ سوچ ٹھیک تھی کہ آج ہماری تعداد اچھی خاصی ہے، لیکن ایمان والے کی نظر تو صرف اپنے مالک کی مدد پر ہونی چاہئے، یہ کمی زیادتی کا تو خیال بھی اس کو زیب نہیں دیتا۔

یہ بات کس نے کہی؟ الگ الگ روایات ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں نے کہی، اور کچھ کہتے ہیں کہ کچھ جوانوں کے منہ سے یہ بات نکل گئی تھی، لیکن پکڑ سب کی ہوگئی۔

رحمتِ عالم ﷺ جیسے ہی اس میدان کے قریب پہنچے، تو وہاں ایک گھاٹی سے گزر کر میدان میں جانا تھا، اسلامی لشکر جیسے ہی وہاں سے گزرنے لگا، ہوازن اور ثقیف نے ان پر تیروں اور،

نیزوں کی ایسی بارش برسائی کہ ذرا سی دیر میں سب کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھگدڑ مچ گئی، بل کہ میدان چھوڑنے کا ماحول بن گیا۔ پھر ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ایسے بھاگے کہ پورا میدان خالی ہو گیا۔

اس پر ہوازن اور ثقیف خوب پھولے کہ ہم نے اپنی بہادری کی وجہ سے مسلمانوں کو اچھا سبق سکھایا ہے۔ اور مکہ سے آنے والے کچھ مشرک جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بولے ''آج جادو ٹوٹ گیا'' اور تو اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا انہوں نے بھی بھاگتے ہوئے لشکر کو دیکھ کر کہا: ''اب تو سمندر سے ادھر ان کو کوئی روک نہیں سکتا''۔

قرآن کریم نے اس پر تبصرہ کیا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی، اصل میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہٹ گئی تھی، کیوں کہ اس کو تکبر اور بڑا بول پسند نہیں، اور یہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ایک سبق سکھانا تھا کہ اس طرح کے بڑے بول بولنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ افسوس کبھی آج بھی ہمارا اس طرف دھیان چلا جائے کہ مسئلہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا ہے۔ دیکھیے قرآن پاک کیا کہہ رہا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ☆

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہیں آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رکھ موڑ لیا۔ (سورہ توبہ: ۲۵)

رحمتِ عالم ﷺ کی استقامت کی ایک الگ ہی شان

یہ بارہ ہزار کا لشکر میدان سے پیچھے ہٹا لیکن اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ

وسلم کی بہادری ثابت قدمی اور استقامت والی شان کا عجیب نظارہ کرایا، جو استقامت آج تک کسی بہادر میں نہ آسمان نے دیکھی تھی اور نہ زمین نے! نبی کریم ﷺ اس طرح میدان میں ثابت قدم تھے جیسے پیر زمین میں گڑ گئے ہوں، صرف دس یا بارہ صحابہ کرام اس وقت ساتھ تھے، سفید رنگ کے خچر پر سوار تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے لگام پکڑی ہوئی تھی، اور چچازاد بھائی جو ہجرت کے راستے میں ہی مسلمان ہوئے تھے حضرت ابوسفیان ابن حارث رضی اللہ عنہ نے رکاب تھامی ہوئی تھی، میدان کا نقشہ دیکھ کر رحمتِ عالم ﷺ نے خچر سے چھلانگ لگادی اور تلوار گھما کر فرمایا: ''**انا النبی لا کذب ، انا ابن عبد المطلب**''۔ میں سچا نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں! مطلب یہ تھا، کہ اے ہوازن وثقیف والو! آجاؤ میں اکیلا ہی تمہارے بیس ہزار کے لشکر کے لئے کافی ہوں، (بخاری:۴۳۱٦) یہ نعرہ سن کر بیس ہزار کا لشکر حیران وششدر کھڑا رہ گیا، کسی کو آگے آنے کی ہمت نہیں ہوئی، پھر دائیں طرف دیکھ کر فرمایا: ''**یا معشر الانصار** !اے انصار کی جماعت! جواب آیا، حاضر ہیں! پھر بائیں جانب رخ کر کے یہی فرمایا، تو وہی جواب آیا کہ حاضر ہیں! پھر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ آواز دیجیے! کیوں کہ وہ بلند آواز والے تھے، انہوں نے آواز لگائی: ''او انصار کی جماعت! او بیعتِ رضوان والو''!

یہ آواز کیا تھی؟ بجلی کی ایک گرج تھی، جس کے کان میں پڑی وہ اس طرح واپس پلٹ کر دوڑا جیسے گائے کی آواز پر بچھڑے بچھڑیاں دوڑتے ہیں، بل کہ کچھ ایسے بھی تھے جن کے اونٹ مشکل جگہ میں پھنسنے کی وجہ سے پیچھے نہیں مڑ پا رہے تھے، تو انہوں نے اپنی زرہ اتار کر اونٹ کے گلے میں لٹکا دی اور اونٹ سے چھلانگ مار کر پیدل ہی دوڑ پڑے۔ ادھر اس استقامت کی برکت سے اللہ کی مدد آ گئی۔ عرش سے فرشتے اتر آئے، رحمتِ عالم ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی لے کر ''**شاهت الوجوه**'' منہ کالے ہوں'' پڑھتے ہوئے دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینکی، اللہ کی قدرت سے وہ ایک ایک کی آنکھ میں پہنچ گئی، پھر کیا تھا! ایک پل میں جنگ کا تو نقشہ ہی بدل گیا، مالک بن عوف

ایک لشکر کو لے کر طائف کی طرف بھاگا، درید ابن صمہ کے ساتھ کچھ لوگ اوطاس کی طرف بھاگے اور باقی چھ ہزار افراد جن میں کچھ عورتیں کچھ بوڑھے اور کچھ بچے سب قید کر لئے گئے، قرآن کریم نے اس دوسری صورتِ حال کی اس طرح منظر کشی کی:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ ☆

ترجمہ: پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی، اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اللہ نے ان کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے''۔ (توبہ:۶۲)

حنین سے غنیمت بہت زیادہ ملی تھی، جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا، چھ ہزار لوگ بھی گرفتار ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی زیادہ نرم دل دیا تھا، آپ ﷺ کی دلی تڑپ یہ تھی کہ حنین کے لوگ آ جائیں، معافی تلافی ہو جائے اور یہ سب کچھ ان کو واپس دے دیا جائے، اس وجہ سے غنیمت بانٹی نہیں گئی تھی، بل کہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ سب کچھ مکہ کے راستے جعرانہ میں جمع کر دیا جائے!

اور خود نبی کریم ﷺ مالک ابن عوف کا پیچھا کرنے کے لئے طائف تشریف لے گئے، جہاں مالک ابن عوف فوج جمع کر رہا تھا۔

طائف کا محاصرہ

مالک ابن عوف اپنی بچی ہوئی فوج کو لے کر طائف کی طرف بھاگا تھا، یہاں بھی اسی کی قوم کے لوگ ہوازن اور ثقیف رہتے تھے، ان کے پاس بڑے بڑے قلعے بھی تھے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ طائف کی چاروں طرف فصیل شہر یعنی اونچی دیوار چڑھائی ہوئی تھی، ان لوگوں کے پاس اناج، پانی اور ضرورت کی چیزیں بھی اچھی خاصی تھیں، اس وجہ سے قلعہ کو بند کر کے آرام سے بیٹھے

ہوئے تھے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو لے کر ان کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، دوسری طرف حنین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کچھ صحابہ کرام دے کر اوطاس اور اس کے آس پاس والے علاقوں میں بھیجا، جہاں درید ابن صمہ کچھ فوج کو لے کر چھپا ہوا تھا، وہاں بھی ایک چھوٹی سی جھڑپ ہوئی مگر ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمادی، چوتھے دن یہ حضرات بھی وہاں سے فتح کی خوشخبری اور کچھ جنگی سامان جو دشمنوں سے چھینا گیا تھا لے کر واپس تشریف لے آئے، اس سامان میں منجنیق اور دبابہ بھی تھا یہ اس زمانے کی ایک طرح کی توپ تھی، جس سے بڑے بڑے پتھر قلعہ پر مارے جاتے تھے، طائف کی جنگ میں اس کو بھی استعمال کیا گیا، لیکن طائف کے لوگوں نے بھی بڑی بہادری، ہمت اور حکمت سے مقابلہ کیا، تیر اور آگ کے انگاروں سے نیز لوہے کی گرم سلاخوں سے ایسا مقابلہ کیا کہ قلعہ کے نزدیک بھی کسی کو پہنچنے نہیں دیا، کئی صحابہ کرام زخمی بھی ہوگئے، بیس دن تک ان کا محاصرہ رہا، لیکن شہر فتح نہیں ہوا، اس پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا، اور مشورے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اس وقت محاصرہ اٹھالینا چاہئے، کیوں کہ اصل مقصد یہ تھا کہ ان کو اتنا ڈرایا جائے کہ یہ دوبارہ اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کا منصوبہ نہ بنا سکیں، اور وہ مقصد ہاتھ آچکا تھا۔

اس موقع پر کچھ حضرات نے درخواست کی کہ ان کے لئے بددعاء فرمادی جائے! کیوں کہ انہوں نے ہی طائف کے سفر میں پتھر مار مار کر جسم مبارک کو لہولہان کیا تھا، رحمتِ عالم ﷺ نے اس کے جواب میں ان کے لئے بددعائیں نہیں فرمائیں، بل کہ ان کو یہ دعا دی: اَللّٰھم اھْدِ ثَقِیْفًا وَ ائْتِ بِھِم۔ اے اللہ! قبیلہ ثقیف کو ہدایت نصیب فرما اور ان کو میرے پاس حاضر ہونے کی توفیق عطا فرما! یہ دعا سیدھی عرش سے ٹکرائی، کچھ دنوں بعد ہی سارے لوگ مسلمان ہوگئے اور مالک ابن عوف ایک بڑی جماعت لے کر خود مدینہ منورہ میں حاضر ہوگئے اور ایمان قبول کرلیا۔

حنین کی غنیمت کا مسئلہ اور چھ ہزار قیدیوں کی رہائی

طائف سے فارغ ہوکر رحمتِ عالمﷺ جعرانہ پہنچے، جہاں غنیمت جمع کی ہوئی تھی، اور قیدی انتظار میں تھے، آپﷺ اس وجہ سے پیچھے پیچھے کر رہے تھے تاکہ ہوازن اور ثقیف والے آجائیں اور ان کے ساتھ کوئی معاہدہ کر کے ان کی چیزیں اور ان کے قیدی ان کے سپرد کردیے جائیں، لیکن وہ نہیں آئے، آخر رحمتِ عالمﷺ نے غنیمت کے قانون کے مطابق پانچ حصے کر کے چار حصے جنگ کرنے والوں میں تقسیم فرمادیے، اور ایک حصہ بیت المال کے لئے رکھ دیا۔

قیدیوں میں رحمتِ عالمﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی تھیں، جس وقت ان کو گرفتار کیا جارہا تھا، انہوں نے فرمایا: ''اولوگو! میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں، کیوں کہ دائی حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ بھی اسی قبیلے کی ایک شاخ تھا، لوگ ان کو رحمتِ عالمﷺ کے پاس لے گئے، انہوں نے بطورِ ثبوت دانتوں سے کاٹنے کا ایک نشان دکھایا کہ جس وقت میں آپ کو کھلا رہی تھی اس وقت آپ نے مجھے یہ کاٹا تھا۔ رسول رحمتﷺ نے وہ نشان پہچان لیا، پھر ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھادی اور اس پر ان کو بٹھایا، پھر بچپن کی باتیں یاد کرنے لگے تو محبت میں آنکھوں سے آنسوں کی بارش برسنے لگ گئی، آپﷺ نے ان سے فرمایا: ''آپ میرے پاس رہنا چاہیں گی، یا اپنی قوم، برادری اور رشتے داروں میں جانا چاہیں گی؟ انہوں نے قوم کی طرف جانے کا اشارہ کیا، آپﷺ نے انہیں بہت سارے ہدیے تحائف دے کر رخصت فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اس خوش اخلاقی کے صدقے میں انہیں بھی ایمان نصیب فرمادیا۔ رضی اللہ عنھا

اسی موقع پر آپﷺ کی رضاعی والدہ حضرتِ حلیمہ سعدیہ بھی تشریف لائیں جن کے لئے آپﷺ نے اپنی چادر مبارک بچھادی، جس پر وہ تشریف فرما ہوئیں، عرض کیا گیا یہ کون خوش نصیب ہیں؟ جن کے لئے چادر مبارک بچھائی گئی ہے! جواب ملا ''یہ آپﷺ کی رضاعی (دودھ پلانی والی) والدہ حلیمہ سعدیہ ہیں (ابوداؤد ۴/۳۳۹) علامہ ابن حجرؒ کی تحقیق ہے کہ پھر ان کو ایمان بھی نصیب ہوگیا۔ رضی اللہ عنہا

کچھ دیر کے بعد قیدیوں کی رہائی کے لئے بڑے معزز قسم کے ۹؍آدمیوں کا وفد آ گیا، ان کے سردار نے بڑے درد بھرے انداز میں ایک تقریر کی، کہ ہماری بے وقوفی کی وجہ سے ہم لٹ گئے، مال مویشی بھی چلے گئے، بیوی بچے بھی گرفتار ہو گئے، پھر عرض کیا کہ آپ نے بچپن میں ہماری قوم میں حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا، اس وجہ سے آپ ہمارے رشتہ دار ہیں، پھر بڑے درد سے کہا: یہ جو عورتیں آپ نے چھپروں اور جھونپڑیوں میں رکھیں ہوئی ہیں، ان میں کوئی آپ کی رضاعی پھوپھی ہے تو کوئی رضاعی خالہ ہے!

یارسول اللہ! عرب کے بادشاہوں میں سے اگر کسی بادشاہ نے ہمارے خاندان میں دودھ پیا ہوتا، تو ہمیں اس سے بہت امیدیں ہوتیں، لیکن آپ سے تو زیادہ ہی امیدیں ہیں۔

رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے تو تمہارا بہت انتظار کیا تھا! بہت دن غنیمت روک کر رکھی تھی، لیکن تم تو آئے ہی نہیں، اب تو سب کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، لیکن پھر بھی جو قیدی میرے اور میرے خاندان عبدالمطلب کے حصے میں ہیں، وہ ہماری طرف سے آزاد ہیں، اور جو دوسرے لوگوں کے حصے میں ہیں، اس کے لئے میں آپ حضرات کو ایک راستہ بتاتا ہوں، کہ آپ ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر اپنی گزارش سب لوگوں کے سامنے پیش کرو، میں آپکی سفارش کروں گا، ظہر کے بعد یہ لوگ کھڑے ہو گئے، انہوں نے بڑے پراثر طریقے سے اپنی گزارش پیش کی۔

رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! یہ تمہارے بھائی اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے ہیں، میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصہ ان کے لئے چھوڑ دیا ہے، اب آپ حضرات کی مرضی! اگر آپ بھی اسی طرح چھوڑ دیں تو اچھی بات ہے اور اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو قیدیوں کا فدیہ دیں دیں گے، لوگوں نے کہا: ''ہم خوشی سے چھوڑنے کے لئے تیار ہیں''۔ اس طرح ایک لمحے میں ہی چھ ہزار قیدیوں کو رہائی نصیب ہو گئی۔ (فتح الباری: ۲۶/۸)

اور اسی اخلاق کا یہ اثر ہوا کہ کچھ دنوں میں ہی یہ تمام لوگ آہستہ آہستہ مسلمان ہو گئے، پھر اللہ کے دین کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دیں۔

غنیمت کے مال کی وجہ سے غلط فہمی اور اس کا پیغمبری حل

غنیمت کے مال میں سے کسی کسی کو انعام کے طور پر کچھ زیادہ دینے کی بھی اسلامی قانون میں اجازت ہے، رحمتِ عالم ﷺ نے اس قانون کے مطابق جو لوگ مکہ سے ساتھ آئے تھے، اور ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، یا کچھ وہ حضرات تھے جو ابھی اعلانیہ مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے، ان کا دل رکھنے کے لئے ان کو غنیمت میں سے ان کے حصے سے کچھ زیادہ انعام کے طور پر دے دیا، اس پر مدینہ منورہ کے انصار صحابہ کرامؓ میں سے بعض کو ذرا سا اشکال پیدا ہو گیا، بل کہ کچھ ہونٹوں پر تو یہ الفاظ بھی آ گئے، کہ مشکلات اور پریشانیوں میں تو ہم بلائے جاتے ہیں، لیکن غنیمت اوروں کو مل جاتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں تو بہت دکھ ہوا، کہ اس کمینی دنیا کا خیال آیا ہی کیوں؟ آپ ﷺ نے ایک جگہ خیمہ لگا کر انصار صحابہ کرامؓ کو بلا کر فرمایا: ''میں یہ یہ باتیں سن رہا ہوں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار جھوٹ نہیں بول سکتے تھے، اس لئے انہوں نے جواب دیا: ''آپ ﷺ نے جو کچھ سنا ٹھیک سنا'' اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ سب نے عرض کیا: ''حضرت! ہم میں سے کسی سمجھدار نے یہ بات نہیں کہی، بل کہ یہ بات کچھ نئے نوجوانوں کی زبان پر آ گئی تھی۔ (بخاری شریف)

رحمتِ عالم ﷺ نے ایک زبردست تقریر فرمائی، جس میں انصار کو گزرا ہوا دور یاد کرایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت نصیب فرمائی، پھر اسلام کی برکت سے ان میں کس طرح محبت پیدا فرمائی، پھر کس کس طرح ان کی غریبی دور فرما کر انہیں خوشحال بنا دیا، یہ باتیں سن کر دل نرم ہو گئے، پھر کچھ اور ایسی باتیں بیان فرمائیں، جن سے آنکھوں میں آنسو چھلک گئے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اے انصار! آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ مکہ کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں غنیمت کے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکریاں ساتھ لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے پیغمبر کو لے کر جاؤ!! (بخاری:۴۲۲۱)

یہ باتیں تو سنتے ہی لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ آنسوں کی برسات لگ گئی، دھاڑیاں تر ہوگئیں، انصار صحابہ کرام نے اعلان فرمادیا کہ ہم بالکل راضی اور خوش ہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مکہ کے لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑلڑ کر اپنی کمر توڑی ہوئی ہے، اور یہ بات بھی کہ انہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے، ان کا دل جوڑنے کے لئے یہ انعام انہیں دے رہا ہوں، انصار نے عرض کیا: ''ہم اس تقسیم پر بالکل راضی ہیں''۔ آپ ﷺ نے انصار صحابہ کرام کو کچھ دعائیں دے کر یہ مجلس برخواست فرمادی۔

جعرانہ سے عمرہ اور مدینہ منورہ کی طرف واپسی

سب ہی کاموں سے فارغ ہوکر ۱۸/ذیقعدہ ۸ھ رات کے وقت یہاں جعرانہ ہی سے عمرے کا احرام باندکر عمرہ ادا فرمایا، پھر مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب ابنِ اسید رضی اللہ عنہ مکہ کے ذمہ دار اور والی مقرر فرمائے اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کو ایمان لانے والوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مقرر فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، دو مہینہ سولہ دن کے بعد ۲۷/ذیقعدہ ۸ھ مدینہ پاک پہنچ گئے **اللھم صلِّ علی سیدنا و حبیبنا محمد و علی آلہ و صحبہ وسلم**

تبوک کی جنگ اور ایمان اور منافقت کی پہچان

فتح مکہ سے واپس ہوکر آٹھ ہجری ذی الحجہ کے مہینہ سے ۹ھ کے رجب کے مہینے تک رحمتِ عالم ﷺ مدینہ منورہ میں ہی تشریف فرما رہے، بس صحابہ کرام کے وفد دائیں بائیں روانہ فرماتے رہے، ان ہی میں سے ایک وفد، وہ بھی ہے جس وفد نے طئ قبیلے کے کچھ لوگ گرفتار کر لئے تھے، جن میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی گرفتار ہوکر آئی تھی، جس پر ترس کھا کر آپ ﷺ نے اس کو اور کچھ روایتوں کے مطابق اس کی ساری قوم کو چھوڑ دیا تھا، اس پر اس کے بھائی حضرت عدی ابن حاتمؓ کو اور باقی قوم کو بھی ایمان نصیب ہوگیا تھا، یہ چھوٹے موٹے قصے

ہوتے رہے لیکن نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں ہی قیام فرما کر صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت فرماتے رہے۔

رجب ۹ھ میں شام سے آنے والے کچھ تاجروں سے یہ پتا چلا کہ رومی حکومت شام میں رہنے والے کچھ غسانی عربی قبیلوں کی مدد سے مدینہ منورہ پر بہت بڑا حملہ کرنے والی ہے جو کسی بھی وقت ہوسکتا ہے! رومی حکومت اس وقت آدھی دنیا کی مالک تھی، کچھ ہی سال پہلے انہوں نے ایرانی فوج کا بھی براحال کردیا تھا، اس کے بعد دنیا میں کوئی ان سے ٹکر لینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، مستقل فوج کے اعتبار سے بھی وہ دنیا میں سب سے مضبوط حکومت تھی، مدینہ منورہ پر ان کے حملے کی خبر سن کر رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مقابلے کے لئے تیاری کا حکم فرمایا، لیکن فیصلہ یہ ہوا کہ مقابلہ عرب کے بجائے انہی کے ملک شام کے میدان تبوک میں ہوگا۔

جنگ کا سبب

یہ جنگ کیوں ہوئی؟ اس کی وجہ رومیوں کے حملے کی تیاری بھی بیان کی گئی ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا، اور اس کے علاوہ اور بھی اسباب لکھنے والوں نے لکھے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کے بارے میں جو کچھ سورہ توبہ میں فرمایا ہے اس سے کچھ اور ہی باتیں سمجھ میں آتی ہیں، آپ بھی غور فرمائیں! سفر بہت دور کا تھا، موسم سخت گرمی کا تھا، ادھر میوے پکے ہوئے تھے، فصلیں کٹنے کے لئے تیار تھیں، اور مالی حالت بھی کافی کمزور تھی، اس کے باوجود یہ سخت حکم آیا:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ☆

ترجمہ: مدینہ کے باشندوں اور ان کے اردگرد کے دیہات میں رہنے والوں کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے سے) پیچھے رہیں، اور نہ یہ جائز تھا کہ وہ اپنی جان پیاری سمجھ کر ان کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) جان سے بے فکر ہو بیٹھیں۔ (التوبہ:۱۲۰)

دوسری طرف اس بات کو بھی سوچیے ! اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے علم ہے کہ وہاں جنگ بالکل نہیں ہوگی، پھر اس حکم میں راز کیا ہے؟ قرآنِ پاک اس راز سے خود پردہ ہٹاتا ہے کہ نبوی محنت ہوتے ہوئے ۲۲ رسال خاص کر مدینہ منورہ میں ۹ رسال ہونے والے ہیں، پانی کے زوردار سیلاب میں جہاں سونا چاندی جیسی قیمتی چیزیں بہتی ہیں، وہاں گھاس تنکے بل کہ گندی چیزیں بھی بہہ پڑتی ہیں ایسے ہی صحابہ کرامؓ کی مخلص جماعت کے ساتھ ساتھ کچھ دل کے بیمار منافق بھی اس تحریک میں بظاہر شریک ہوگئے ہیں اس جنگ کے ذریعے اللہ تعالیٰ مخلص مومنوں کے ایمان کا اخلاص اور سچائی ساری دنیا کے سامنے ظاہر کرنا چاہتے ہیں، اور دل کے بیماروں، دنیا کی لالچ اور ہوس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے دین کو دھوکہ دینے والے منافقوں کو بھی کھلے میدان میں سب کے سامنے ننگا کر دینا چاہتے ہیں، اور وہ صرف غزوہ تبوک کے ذریعہ ہی ہوسکتا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صرف ایک امتحان اور اس کا نتیجہ تھا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کا کلام!

عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ ☆ لَایَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ ☆اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ☆

ترجمہ: (اے پیغمبر!) اللہ نے تمہیں معاف کردیا ہے، (مگر) تم نے ان کو (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت اس سے پہلے ہی کیوں دے دی کہ تم پر یہ بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنھوں نے سچ بولا، اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی طرح جان لیتے؛ اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال وجان سے جہاد نہ کرنے کے لئے تم سے اجازت نہیں مانگتے، اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے؛ تم سے اجازت تو وہ لوگ مانگتے ہیں، جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے شک کی وجہ سے ڈانواڈول ہیں''۔

(توبہ:۴۳تا۴۵)

سفرطویل کی تیاری اور مالی قربانی کا نقشہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس مبارک غزوہ میں جنت کے وعدے پر اللہ تعالی کی رضا کے لئے مال دینے کا شوق دلوایا، پھر کیا تھا جنت کے طلبگاروں کی تھیلیوں کے نہیں بلکہ بوریوں کے منہ کھل گئے، حضرت عثمان ذوالنورینؓ جنھیں رحمت عالمﷺ کا دوھرا داماد ہونے کا فخر حاصل تھا، انھوں نے تین سو اونٹ مع ساز وسامان نیز پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار خدمت مبارک میں پیش کر دیے۔ (ترمذی)

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالی عنہ نے اللہ تعالی کی محبت اور اس کی رضا کے لئے چالیس ہزار درہم لائے، فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے تو گھر میں جو کچھ بھی تھا اس میں سے آدھا لے آئے، حضرت صدیق اکبر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی امتیازی شان اس موقع پر بھی سب سے الگ ہی رکھی، یہ گھر گئے اور گھر میں گویا جھاڑو لگا کر جو کچھ تھا سب پیش کر دیا، سوال کیا گیا گھر میں کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کیا اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت چھوڑ آیا ہوں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ایسا زندگی میں کئی بار کیا۔

یہ ایک ہلکی سی مثال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں ہر کوئی قربانی اور اخلاص میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کا متمنی اور اسی کے لیے کوشاں تھا۔ ایک صحابی حضرت ابوعقیل انصاری (یا ابوحجاب ابن عقیل) رضی اللہ تعالی عنہ نے اندر باہر ہر جگہ نظر ماری کہیں کچھ دینے کے لئے نظر نہیں آیا، آخر کار ساری رات ایک یہودی کے باغ میں پانی لگانے کی مزدوری کی، جہاں سے صرف چار سیر کھجور ملیں، جن میں سے دو سیر اپنے بچوں کے لیے رکھ لیں اور دو سیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیں اور اپنی مزدوری کا پورا قصہ بھی سنا دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اخلاص سے اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا یہ دو سیر کھجور برکت کے لیے چندے کے پورے ڈھیر پر بکھیر دو۔

دوسری طرف منافق دو پیسے دینے کے بجائے صرف مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے تھے، اگر کوئی زیادہ مال خدمت میں حاضر کرتا تو یہ اس کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے اور کہتے، اوہو! کتنا بڑا ریا کار ہے، اور اگر حضرت عقیل رضی اللہ تعالی عنہ یا حضرت ابوحجاب ابن عقیل رضی اللہ تعالی عنہ جیسے کوئی مزدوری کر کے کچھ لے آتا تھا تو یہ ہنس ہنس کے کہتے تھے ارے اس پہلوان کو تو دیکھو! دو سیر کھجور لے کر رومی حکومت سے جنگ کرنے چلا ہے!! قرآن کریم نے ان کے اس بے ہودہ تبصرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیۡنَ لَایَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ سَخِرَ اللّٰہُ مِنۡہُمۡ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ☆

ترجمہ: (یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مؤمنوں کو بھی طعنہ دیتے ہیں، اور ان لوگوں کو بھی جنہیں اپنی محنت (کی آمدنی) کے سوا کچھ اور میسر نہیں ہے، اس لئے وہ ان کا مزاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مزاق اڑاتا ہے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

(سورۃ توبہ:۷۹)

اس موقع پر حضرت جلاس ابن سویدؓ کا بھی بہت عجیب واقعہ پیش آیا، وہ ابھی تک کچھ شکوک و شبہات میں مبتلا تھے، سوتیلے بیٹے حضرت عامر ابن سعدؓ نے توجہ دلائی کہ اس غزوہ میں ہمیں بھی مالی قربانی کے ذریعے حصہ لینا چاہئے، انھو نے جواب میں رسالتِ مآب ﷺ کی شان میں کچھ گستاخی والے الفاظ بول دئے، جو آپ ﷺ تک پہنچ گئے، آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی یہ قسم کھا کر انکار کر گئے، جس پر سورہ توبہ کی آیت ۷۴ نازل ہوئی، جس میں ان کی تکذیب تھی، اس پر ان کو پکا سچا ایمان بلکہ صحابیت کا شرف حاصل ہو گیا رضی اللہ عنہ۔

مدینہ پاک سے روانگی کا منظر

صحابہ کرام نے بڑھ چڑھ کر کے چندہ دیا مگر خرچہ اس سے کہیں زیادہ تھا یہاں تک کہ سواری

کے اونٹ بھی پورے نہیں ہوئے ایک ایک اونٹ پر دو دو اور تین تین حضرات سوار ہوئے بلکہ بعض روایات کے مطابق ایک اونٹ کے ساتھ آٹھ آٹھ حضرات بھی تھے جو باری باری سوار ہوتے تھے۔ ہائے ہائے! کچھ بیچارے ایسے بھی تھے جو جانے کے لئے ترس رہے تھے مگر نہ زادِ سفر تھا نہ سواری! بس صرف آنسو تھے جن کی برسات لگا کر اپنے آپ کو تسلی دیتے تھے انھیں میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ اپنی برادری کے کچھ حضرات کو لے کر حاضر ہوئے کہ ہمیں بھی سواری عنایت ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس دینے کے لئے کچھ ہے ہی نہیں وہ روتے ہوئے واپس مڑ گئے اللہ پاک نے اپنے کرم سے کہیں سے سواریاں پہنچا دیں جس سے ان کی امیدیں بھر آئیں قرآن کریم کی اس آیت میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے:

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ☆

ترجمہ: اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم انہیں کوئی سواری مہیا کر دو، اور تم نے کہا: ''میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں'' تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ (سورہ توبہ ۹۲)

دوسری طرف منافقین بس بہانہ تلاش کر رہے تھے اور قسمیں کھا کھا کر جھوٹے عذر پیش کر رہے تھے، پھر عذر بھی کس طرح کے؟ ایک منافق کے بہانے سے اندازہ لگا لیجئے! جد ابن قیس نامی ایک منافق نے عذر پیش کیا کہ میں عاشق مزاج انسان ہوں، اگر میں تمہارے ساتھ جاؤں گا تو مجھے عورتوں کی وجہ سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے اس لئے مجھے یہیں چھوڑ جاؤ۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ☆

ترجمہ:اور انہی میں وہ صاحب بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ:''مجھے اجازت دے دیجیے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے''۔ارے فتنے میں ہی تو یہ خود پڑے ہیں!اور یقین رکھو کہ جہنم سارے کافروں کو گھیرے میں لینے والی ہے۔ (سورہ توبہ۴۹)

چنانچہ یہ تقریباً تیس ہزار سے زائد صحابہ کرام کا لشکر تیار ہو گیا جس نے مدینہ منورہ سے کوئی آساڑھے سات سو کلو میٹر دور تبوک کے لئے رختِ سفر باندھا،اکثر منافقین تو پیچھے رہ گئے مگر کچھ منافق بھی منافقت کے لئے ساتھ چل پڑے،جنھوں نے اس سفر سے واپسی پر رات کی چاندنی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تنگ گھاٹی سے اکیلے گزرتے ہوئے دیکھ کر حملہ کر دیا مگر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سواری کے ساتھ ساتھ تھے انہوں تابڑتوڑ جوابی حملہ کر کے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

یہ قافلہ سخت گرم دھوپ میں ریگستانوں کو پھلانگتے ہوئے جا رہا تھا راستے میں مشکلات اور مصائب کے کئی سارے واقعات پیش آئے بس ایک واقعہ آپ بھی سماعت فرمالیں راستے میں ایک بہت لمبے ریگستان میں سے گزرنا پڑا جس میں دور دور تک کہیں پانی کا نام ونشان نہ تھا اور لوگوں کے پاس موجود پانی بھی ختم ہونے لگا تھا چنانچہ حلق سوکھنے لگے اور زبانیں باہر کو آنے لگ گئیں،تو مجبور ہو کر اونٹ ذبح کیے گئے اور ان کی آنتوں کے پانی کو نچوڑ کر کے جان بچائی گئی پھر ایک اور ایسا لمبا لق دق صحرا آیا کہ جس میں نہ کوئی کنواں تھا نہ کوئی نہر تھی نہ کوئی دریا تھا ایسی ہی کسی جگہ پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے پرودگار!تو بارش نازل فرما دے چنانچہ اسی وقت بارش ہوئی اور اس سے اپنی اپنی ضروریات کو پورا کیا گیا۔

عشق کبھی کبھی سوار کو سواری بھی بنا دیتا ہے

اس جنگ میں منافق تو بہانے کر کر کے پیچھے رہے ہی تھے،کچھ ایک مخلص ایمان والے بھی

آج کل آج کل کرتے کرتے پیچھے رہ گئے تھے،ان میں حضرت ابوحیثمہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے،ان کو دوایک دن بعداپنے سامنے ٹھنڈاٹھنڈاپانی اورتازہ تازہ کھانادیکھ کراچانک یادآگیا کہ میں یہ نعمتیں کھارہاہوں! جبکہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیارے تپتی دھوپ میں سفرکر رہے ہیں،اُسی وقت اونٹ منگایا،دوڑاتے دوڑاتے کچھ دیر بعد لشکر سے مل گئے،ان کو دور سے آتاہوادیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مجھے تو یہ ابوحیثمہ ہی لگ رہے ہیں''!.

اس سے بھی عجیب قصہ حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ تعالی عنہ کا پیش آیا،ان کی اونٹنی بہت کمزورتھی کوئی تندرست اونٹ تلاش کررہے تھے،اس کوتلاش کرتے کرتے یہ قافلے سے پیچھے رہ گئے،کوئی دوتین دن بعدخیال آیاکہ میں تو قافلے سے پیچھے رہ گیاہوں،پھرکیاتھا؟فوراًاپناسامان تیارکیا،پھراپنے آپ کوہی سواری بناکراپنے اوپرسامان لادکرچل پڑے یہاں تک کہ بہت جلد ہی تبوک کے پاس جاکرقافلے کے ساتھ مل گئے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کرارشادفرمایا: اللہ ابوذرپررحم کرے اکیلاہی چلاآرہاہے،اوراکیلاہی مرے گا،اوراکیلاہی قیامت کے دن اٹھے گا۔ (شرح مواہب)

آخرایسے ہی ہوا ربذہ میں اکیلے ہی وفات پائی،کوئی پاس نہیں تھا،بس اتفاق سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ وہاں سے گزرر ہے تھےانہوں نے ہی کفن دفن کاانتظام کیا۔

اسلامی لشکر تبوک کے میدان میں

تبوک پہنچنے سے ایک دن پہلے ہی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے مطابق فرمایا:تبوک میں تمہیں اک چشمہ نظرآئے گا جس کا پانی بالکل سوکھ رہاہوگا،مجھ سے پہلے اس میں سے کوئی پانی نہ لینا،دوسرے دن تبوک پہنچ کر دیکھا وہ چشمہ اسی طرح نظرآیااس میں سے ایک ایک قطرہ پانی نکل رہا تھا،قطرہ قطرہ کر کے تھوڑا سا پانی جمع ہوا وہ جمع شدہ پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے چہرہ مبارک اور ہاتھ مبارک

دھوئے اور وہی پانی واپس چشمہ میں ڈال دیا، جس کی برکت سے چشمہ میں سے پانی ابلنے لگ گیا اور کچھ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ پونے چودہ سو سال تک یہ چشمہ اسی طرح ابل رہا تھا لیکن ۱۹۵۷ء میں اس سے نشیبی جگہ میں کچھ ٹیوویلز کھودنے کی وجہ سے اس کا پانی ان میں منتقل ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ یہ آپ ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔

یہ علاقہ خشک اور سوکھا ہوا تھا اس موقع پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ اگر آپ زندہ رہے تو آپ اس علاقے کو باغوں سے بھرا ہوا دیکھو گے، یہ بھی بالکل اسی طرح ہوا۔ (مسلم)

اسلامی لشکر تبوک کیا پہنچا! رومی حکومت تو ششدر رہ گئی ان کی فوج مقابلہ کیا کرتی! اس سارے علاقے کو چھوڑ کر بھاگ گئی، حیران و پریشان ہو گئے کہ یہ انسان ہیں یا فرشتے؟ جو اتنا لمبا سفر کر کے دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے ساتھ مقابلہ کرنے آ گئے ہیں، غزوہ موتہ میں رومی فوجیوں نے مسلمانوں کی بہادری تو دیکھ ہی لی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں پورے بیس دن تک ان کا انتظار کرتے رہے لیکن کسی مائی کے لال کو ان کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوئی، بلکہ وہ عربی قبائل جو رومی حکومت کے ساتھ یہ سوچ کر مل گئے تھے کہ کوئی رومیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا، آہستہ آہستہ ان سب نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کا اور کسی نے اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے کا معاہدہ کر لیا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو صلح اور جزیہ کی تحریر دے دی جو لمبے عرصے تک ان کے پاس رہی۔

اسی جگہ سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد ابن ولید کی قیادت میں چار سو صحابہ کرام کو دومۃ الجندل کے بادشاہ اکیدر کی طرف بھیجا، ان صحابہ کرام کو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے عین مطابق شکار کرتا ہوا ملا، گرفتار کر کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، پھر اس کے ساتھ بھی صلح کا معاہدہ ہو گیا اور اسے چھوڑ دیا گیا۔

تبوک میں ہی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زبردست تقریر ارشاد فرمائی، ویسے تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے خطبے اللہ کی الہامی وحی کا نمونہ ہیں ہی، جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص معجزات ہیں، لیکن اس خطبے کا ایک ایک لفظ ایک ایک موتی اور لعل معلوم ہوتا ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوہ میں یہ خطبہ مکمل بیان کیا ہے۔

تبوک میں دفن ہونے والے ایک خوش نصیب

تبوک میں ایک صحابی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ جن کا لقب ذوالبجادین تھا ان کی وفات ہوگئی، رات کے وقت میں یہ اس طرح دفن کئے گئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جیسے بزرگوں نے ان کا جنازہ اٹھایا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر مبارک میں جنازہ رکھنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور فرما رہے تھے ''اپنے بھائی کو میرے قریب کرو'' پھر خود ان کی قبر مبارک پر اینٹیں لگائیں اور دعا فرمائی ''یا اللہ میں ان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہوجا'' یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، ہائے افسوس کاش اس قبر میں میں دفن ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اتنی محبت کیوں کرتے تھے، اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی، یہ مدینہ پاک کے قریب ہی کسی گاؤں کے رہنے والے تھے، بچپن میں والد کا انتقال ہوگیا تھا، ان کی پرورش چچا نے کی تھی، جب یہ بڑے ہوئے تو چچا نے ان کو کئی مویشی دے کر الگ کر دیا، انہوں نے دین اسلام کے بارے میں جیسے ہی کسی سے سنا ایمان قبول کرنے کا شوق پیدا ہوگیا، لیکن چچا کے ڈر کی وجہ سے ایمان کا اعلان نہیں کر سکے، یہاں تک کہ مکہ فتح ہوگیا، چچا کے پاس گئے، اس کو اپنے دل کی بات بتائی اور دین کی دعوت دی، اس نے آگے سے دھمکی دے دی، کہ اگر تو مسلمان ہوگیا تو میں تجھ سے سب کچھ چھین لوں گا، انہوں نے کہا: یہ دنیا تو فانی ہے اور میں خدا کے دین کے بغیر رہ نہیں سکتا، اس نے سارا مال بلکہ بدن کے کپڑے بھی چھین لیے، یہ اپنی والدہ کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ میں نے شرک کا راستہ چھوڑ کر توحید کا راستہ اپنا لیا ہے، اسی لئے چچا نے

سب کچھ چھین لیا ہے،آپ مجھے بدن چھپانے کے لئے کچھ دے دیں تو میں نبی کریم صلی علیہ وسلم کی خدمت میں چلا جاؤں، ماں نے ان کو ایک کمبل دے دیا،انہوں نے پھاڑ کر آدھے کی لنگی بنالی،اورآدھا اوڑھ لیا،اسی حال میں مدینہ کی طرف چل پڑے،مسجد نبوی میں پہنچے،تھکے ہوئے تھے،ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مسجد میں تشریف لائے پوچھا کون؟ جواب دیا،ایک فقیر مسافر ہوں! آپ کے دیدار اور ہدایت کی طلب میں آیا ہوں،اور میرا نام عبدالعزیٰ ہے،رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا اوران کو بھی صفہ والے صحابہ کرام میں شامل فرمالیا۔

یہ بہت شوق سے قرآن پاک سیکھتے تھے،ایک مرتبہ زور زور سے تلاوت فرما رہے تھے،حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: یہ دیہاتی زور،زور سے قرآن کریم پڑھتا ہے،لوگوں کو تلاوت کرنے میں الجھن پیدا ہوتی ہے! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر ارشاد فرمایا: عمر رہنے دو! یہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب کچھ چھوڑ کر آ گیا ہے۔

(مدارج النبوۃ،صور من حیاۃ الصحابہ)

تبوک کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے شہادت کی دعا کروانی چاہی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اے اللہ! اس کے خون کو کافروں پر حرام فرما دے! انہوں نے عرض کیا لیکن مجھے تو شہادت کی تڑپ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بخار سے اس راستے میں مر جائے وہ بھی شہید ہے،تبوک میں ایسا ہی ہوا انہیں تیز بخار ہوا اوراسی سے شہادت نصیب ہوگئی۔

تبوک سے خیر و عافیت سے واپسی

تبوک سے اللہ کے کرم سے خیریت سے واپسی ہوئی، مدینہ منورہ میں خوشی کی ہوائیں چلنے لگیں، کیونکہ منافق بار بار تبصرے کر کر کے مسلمانوں کا دل جلاتے تھے،کوئی کہتا تھا! ان میں سے تو ایک بھی بچ کر واپس نہیں آئے گا،اورکوئی کہتا تھا: رومی ان کو باندھ کر کسی جزیرے میں پھینک دیں

گے، اب جس وقت قافلے کی واپسی کا پتہ چلا منافقوں کے منہ پر مٹی پڑ گئی، اور جو ایمان والے بچے، عورتیں اور بزرگ وغیرہ مدینہ میں تھے وہ بہت خوش ہو گئے، مدینہ منورہ سے باہر آکر سب نے استقبال کیا، خوش آمدید کہا، بچے، بچیوں نے **طلع البدر علینا، الخ** . والا، وہ ترانہ پڑھا جو ہجرت کے وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر پڑھا تھا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم عادت کے مطابق سیدھے مسجد میں تشریف لے گئے، منافق آکر اپنی جھوٹی ہمدردی جتلا رہے تھے، اور عذر اور بہانہ کر کر کے اپنی غیر حاضری معاف کروا رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سب کو درگزر کرتے جا رہے تھے، قرآن کریم نے اس بارے میں پہلے ہی یہ پیشن گوئی فرمائی تھی۔

سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ☆ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ☆

ترجمہ: جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ لہذا تم بھی ان سے درگزر کر لینا۔ یقین جانو یہ سراپا گندگی ہیں اور جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اس کے نتیجے میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے؛ یہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ پھر بھی اللہ تعالیٰ تو نامان لوگوں راضی نہیں ہوتا۔ (توبہ:۹۵-۹۶)

پیچھے رہ جانے والے مخلص مومنوں کا مسئلہ

اس سفر سے منافق تو پیچھے تھے ہی، دس مخلص ایمان والے بھی آج کل کرتے کرتے رہ گئے، عذر کچھ نہیں تھا، بس یہ سوچتے سوچتے رہ گئے کہ اب نکلتے ہیں، اب نکلتے ہیں! اس طرح وہ پیچھے ہی رہ گئے۔

ان میں سے سات صحابہ کرام نے تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ توبہ کے لیے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا تھا، کہ جب تک اللہ تبارک وتعالی معاف نہ فرمادے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے نہ کھولیں تب تک ہم اسی طرح اپنے آپ کو باندھے رکھیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بندھے ہوئے دیکھ کر وجہ معلوم فرمائی، لوگوں نے تفصیل بتائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب میں بھی ان کو نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ تعالی ہی ان کی توبہ قبول نہ فرمادیں! آخر قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ☆

ترجمہ: اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرلیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں، کچھ نیک کام اور کچھ برے۔ امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (سورۃ توبہ:۱۰۲)

توبہ قبول ہوئی تو رحمتِ عالم ﷺ نے یہ اپنے مبارک ہاتھوں سے کھول کر آزاد فرمادیے، اس موقع پر یہ حضرات کچھ صدقات لے کر آئے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ☆

ترجمہ: (اے پیغمبر!) ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کرلو جس کے ذریعہ تم انہیں پاک کردو گے، اور ان کے لئے باعثِ برکت بنو گے، اور ان کے لئے دعا کرو۔ یقیناً تمہاری دعا ان کے لئے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ (سورۃ توبہ ۱۰۳)

نوٹ:- حضرت ابولبابہؓ سے اس سے پہلے بنی قریظہ کے بارے میں بھی ایک لغزش ہوگئی تھی اس موقع پر بھی انھوں نے توبہ کے لئے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھا تھا، استوانہ ابی لبابہؓ اسی وقت کی یادگار ہے۔

تین بڑے مخلص صحابہ کرام کا واقعہ

ان سات حضرات کے علاوہ تین حضرات اور تھے، جو بہت ہی بلند مرتبہ والے تھے لیکن آج کل کرتے کرتے وہ بھی رہ گئے تھے، انہوں نے نعوذ باللہ نہ تو منافقوں کی طرح جھوٹے عذر بہانے پیش کیے، اور نہ ہی اپنے آپ کو دوسرے سات صحابہ کی طرح ستونوں کے ساتھ باندھا یہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے یہ بہت بلند شان والے صحابی تھے، ہمیشہ ہر وقت پاس رہنے والے تھے، اسی وجہ سے ان کو سب سے زیادہ شرمندگی ہوئی اور سزا بھی سب سے بڑھ گئی۔

ان میں سے کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان فرماتے ہیں، جو بخاری شریف میں بھی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ہمارے پیچھے رہنے کی کوئی وجہ اور کوئی عذر نہیں تھا، بس آج کل کرتے کرتے پیچھے رہ گئے، اور پھر اتنی دیر ہوگئی کہ اب پہنچ ہی نہیں سکتے تھے، لیکن جس وقت مدینہ منورہ میں صرف منافقوں اور معذوروں کو دیکھتے تھے، بہت شرمندگی ہوتی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے، ہم نے سچ سچ سب باتیں بتا دیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہمارا مقدمہ پیچھے کر دیا، اور لوگوں کو ہمارے ساتھ بات چیت، اٹھنے بیٹھنے اور ہر قسم کے میل جول سے منع فرما دیا، یہاں تک کہ کچھ عرصے بعد ہمارے گھر والے بھی ہم سے الگ کر دیے گئے، اسی طرح پچاس دن گزر گئے اور ہماری وہ حالت ہوگئی جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے کہ زمین کشادہ ہونے کے باوجود ہمارے لیے تنگ ہوگئی، پھر پچاس دنوں کے بعد توبہ کے اعلان کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّامَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ☆

ترجمہ: اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے نظرِ رحمت فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی۔ تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (سورہ توبہ: ۱۰۷-۱۰۸)

اللہ کی طرف سے اتنی بڑی خوشی ملنے پر حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے تمنا کی کہ میں اپنا سب کچھ اللہ کے راستے میں صدقہ کر دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ زیادہ ہے، پھر انہوں نے آدھا مال صدقہ کرنے کی گزارش کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بھی زیادہ ہے پھر انہوں نے تین حصے کر کے ایک حصہ کے لئے عرض کیا، فرمایا: اتنا کر دو لیکن یہ بھی زیادہ ہے۔

مسجد ضرار کا قصہ

منافقوں نے قبا کی مبارک مسجد کے ساتھ ہی ایک گھر بنایا، ان کا مقصد تھا کہ ہم اس میں نماز کے نام پر اکٹھے ہونگے اور پھر آرام سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر سکیں گے، خاص کر کے ابو عامر راہب منافق جو مدینہ پاک سے بھاگا ہوا تھا، وہ جب کبھی آئے گا ہم آرام سے اس میں اس کے ساتھ ملاقات کر سکیں گے۔

جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو یہ منافقین پہنچ گئے اور عذر پیش کرنے لگے کہ ہمارے بوڑھے اور بیمار قبا کی مسجد تک نہیں پہنچ سکتے ہم نے ان کے لئے یہ مسجد بنائی ہے آپ اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تو میں سفر کی تیاری میں ہوں واپسی پر دیکھیں گے جب تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستے میں ہی اللہ کا حکم نازل ہو گیا کہ یہ مسجد نہیں ہے بلکہ یہ تو مسلمانوں کو تکلیف دینے، کفر کرنے، مومنین کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ابو عامر راہب کو ٹھکانہ دینے کے لئے

ایک عمارت اور گھر ہے، جس کو مسجد کا نام دے دیا گیا ہے اور قبا میں نماز پڑھنے والوں کی تعریف بیان کی گئی اور اس مسجد کے لئے فرمایا گیا کہ یہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس مسجد میں تشریف لے جائیں۔

چنانچہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن سکن رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ چار صحابہ کرام کو روانہ فرمایا اور اس کو جلا دینے کا حکم دے دیا صحابہ کرام نے آگ لگا کر اس کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا مگر یہ عمارت کیا جلی! اس کے ساتھ ساتھ منافقین کے دل بھی جل گئے اسی کے متعلق قرآن کریم یوں فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ☆ لَاتَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ☆

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں، کافرانہ باتیں کریں، مؤمنوں میں پھوٹ ڈالیں، اور اس شخص کو ایک اڈا فراہم کریں جس کی پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے۔ اور یہ قسمیں ضرور کھائیں گے کہ بھلائی کے سوا ہماری کوئی اور نیت نہیں ہے، لیکن اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم اس (نام نہاد مسجد) میں کبھی (نماز کے لئے) کھڑے مت ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ (سورہ توبہ: ۱۰۷-۱۰۸)

غزوہ تبوک کے تذکرے کے لیے اللہ رب العزت نے سورہ توبہ کا مکمل آدھا حصہ نازل فرمایا لہذا آپ بھی اگر اس غزوہ کی حکمتیں جاننا چاہیں تو سورہ توبہ آیت ۳۷ سے لے کر آخر تک پڑھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سرداری میں مسلمانوں کا پہلا حج

۹ ھ ہجری کے حج کا مہینہ قریب آ گیا، جب سے مسلمان مکہ مکرمہ سے آئے تھے، حج کیلئے کوئی نہیں جا سکا تھا، ادھر سورت توبہ کی شروع کی ۴۰/آیات نازل ہوگیں، جن میں حکم تھا کہ مشرکین کے لئے اللہ تعالی اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیزاری کا اعلان کر دو، اب عرب کی پاک توحید والی زمین میں جو ساری دنیا کے لیے توحید کا مرکز بن گئی ہے کسی مشرک ناپاک کو رہنے کی اجازت نہیں ہوسکتی، کیوں کہ عرب کے مشرکین کو انہی کی زبان میں قرآن پاک نازل فرما کر اور انہی کے خاندان میں سے ایک مبارک ہستی رحمت عالم، نبی اکرم، شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر بہت سمجھایا جا چکا ہے، اب انہیں اور مہلت نہیں مل سکتی۔

اس اعلان کے لیے اور شرک کے سارے نشانات ختم کرنے کے لئے اس سال خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج نہیں فرمایا؛ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ امیر بنا کر ان کے ساتھ کوئی تین سو صحابہ کرام حج کے لئے روانہ فرمائے، اور حکم ہوا کہ آپ حج والے دن اس بیزاری کا اعلان فرمادیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ ہی دور گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آ گیا کہ اس طرح کا اعلان عرب کے لوگ تب ہی معتبر مانتے ہیں جب وہ اعلان کوئی گھر کا شخص کرے، اس لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کرو، اور سورہ توبہ والا یہ اعلان بھی کرو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آتا ہوا دیکھ کر فرمایا: ’’آپ امیر بن کر آئے ہو؟ یا ماتحت ہوکر؟ انہوں نے جواب دیا میں مامور یعنی ماتحت ہوکر آیا ہوں اور پوری بات بتائی۔

یہ حج اس طرح کیا گیا کہ عرب کے مشرک لوگ بھی حج کرنے آئے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے شرک والے طریقے کے مطابق حج کیا اور ایمان والوں نے ایمانی طریقے کے مطابق

کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے حضرات بھی ساتھ کر دیئے، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ اعلان پہلے تو ذوالحجہ کی ۹ر تاریخ حج والے دن عرفات کے میدان میں کیا، اور کچھ حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ دیا تھا اس میں بھی یہی اعلان کیا تھا، دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ اعلان منی میں جمرہ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد اس کے پاس کھڑے ہو کر تفصیل سے کیا، پھر جب ان کا گلا بیٹھ گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کے ساتھ ایک ایک ڈیرہ پر جا کر یہ اعلان کیا۔

اعلان کیا تھا؟

یہ اعلان انہی باتوں کا تھا جن کا سورہ توبہ کے شروع میں ذکر ہے، کہ جن جن مشرکین کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا ان ساروں کے ساتھ بیزاری کا اور صلح ختم کرنے کا اعلان ہے، بس چار مہینے انہیں اللہ تبارک وتعالی نے اپنے کرم سے اور سوچنے کی مہلت عطا کر دی ہے چار مہینے تک یا تو یہ ایمان قبول کر لیں یا پھر تلوار کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔

لیکن عرب کے مشرکین کی کچھ تفصیل تھی: (۱) کچھ وہ لوگ تھے جن کے ساتھ کوئی معاہدہ تھا ہی نہیں ان کے لئے بھی چار مہینے کا اعلان تھا، (۲) اور کچھ مکہ کے لوگوں کی طرح وہ تھے جن کے ساتھ دس سال کا معاہدہ تھا لیکن انہوں نے خود معاہدہ توڑ دیا تھا، ان کے لئے بھی یہی اعلان تھا، (۳) کچھ کے ساتھ غیر میعادی معاہدہ تھا ان کے لئے بھی یہی اعلان تھا (۴) اور کچھ کے معاہدہ ختم ہونے میں حج کے بعد چار ہی مہینے بچ گئے تھے، (۵) اور بنو مدلج وغیرہ کچھ ایسے قبیلے بھی تھے جن کے ساتھ معاہدہ ختم ہونے میں ابھی نو مہینے باقی تھے اور انہوں نے معاہدے کی پابندی بھی کی تھی انہیں ان کی مدت پوری کرنے تک مہلت دی گئی لیکن اللہ تعالی نے ان کو بہت جلد ہی ایمان کی دولت نصیب فرمادی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اس طرح اعلان فرما رہے تھے: (الف) کوئی مشرک جنت میں نہیں جائے گا ۔(ب) اگلے سال سے کسی مشرک کو حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی ۔(ج) کسی کو ننگے ہوکر کعبہ پاک کا طواف کرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی ۔(د) پھراوپر گزری تفصیل کے مطابق معاہدہ ختم کرنے کا اعلان فرماتے تھے. (ابن ہشام۴/۱۴۵)

یہ اعلان اصل میں عرب سے شرک کے خاتمے کا اعلان تھا جس کا اصل نقشہ لوگوں نے اگلے سال حجۃ الوداع کے موقع پر دیکھا۔

جماعتوں کی جماعتیں اسلام میں داخل ہوتی گئیں

مکہ کے رہنے والے قریشیوں کو عرب کے سارے لوگ دین میں اپنا پیشوا مانتے تھے، سارے لوگ نبوت کے اعلان کے بعد بس انہی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے کہ یہ اس نئی تحریک کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ فتح مکہ پر دنیا کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں تھیں بلکہ اس کا ماحول تو صلح حدیبیہ سے ہی بن گیا تھا ۔ پھر فتح مکہ کے بعد جب قریش کے قریب قریب سارے ہی لوگ اسلام میں داخل ہوگئے، باقی عرب بھی سوچنے پر مجبور ہوگئے، کہ جس دین کو مکہ کے لوگ قبول کررہے ہیں وہ یقیناً سچا ہی دین ہے، پھر اسلامی لشکر اور جماعتیں جہاں جہاں گئیں انکے اخلاق اور ان کا اچھا برتاؤ دیکھ کر بھی لوگوں کے شکوک وشبہات اور غلط فہمیاں دور ہوتیں جارہی تھیں ؛ بلکہ اس سے فتح مکہ کے بعد ہی ایسا ماحول بن گیا تھا کہ عرب کی چاروں طرف سے لوگ لمبے لمبے سفر کرکے مدینہ منورہ پہنچ رہے تھے اور ایمان و اسلام کی دولت سے اپنے دامن کو بھرتے جارہے تھے، اس کے لیے اس دور میں مسلمان ہونے والوں کے تفصیلی حالات پڑھ کر اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

لیکن تبوک کی کامیابی تک ابو عامر راہب جیسے کچھ اندھیروں کے پجاری رومی حکومت سے ڈرا ڈرا کر سیدھے سادھے لوگوں کو اسلام کی روشنی سے دور رکھنے کی لگا تار کوششیں کررہے

تھے۔ بلکہ منافق لوگوں نے ہنگامہ بپا کررکھا تھا کہ مکہ مکرمہ کے فتح ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، رومی حکومت کا حملہ ہونے والا ہے، وہ اسلام کا نام ونشان مٹا دیں گے، لیکن جس وقت اللہ تبارک و تعالی نے تبوک میں بھی ایمان والوں کو حیرت انگیز کامیابی عطا فرمادی، تو ان کی نیم مردہ امیدوں اور سہاروں کی کمر بھی ٹوٹ گئی، پھر وہ نظارہ کھلی آنکھوں نے کیا جو سورہ نصر میں بیان فرمایا گیا ہے، آپ بھی یہ سورت پڑھ لیجیے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ☆وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا☆ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا☆

ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت مانگو۔ یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ (سورہ نصر)

لوگ جماعتیں بنابنا کے اس طرح مدینہ منورہ پہنچ رہے تھے، جیسے کہیں سیلاب آگیا ہو، حدیث اور سیرت کی کتابوں میں کوئی ستر قافلوں اور جماعتوں کا ذکر ملتا ہے، جو خود اپنے آپ مدینہ پاک تشریف لائے اور خود ایمان قبول کیا، پھر اپنے اپنے علاقوں میں اسلام کے ایسے داعی، شیدائی اور فدائی بن گئے کہ کچھ ہی دنوں میں پورے عرب سے کفر وشرک کا نام ونشان مٹ گیا، ان جماعتوں اور قافلوں کی فہرست کافی لمبی چوڑی ہے، ۳۵/ وفود کے حالات تو چھوٹی چھوٹی سیرت کی کتابوں میں بھی ملتے ہیں، اور ایک ایک جماعت، قافلے اور وفد کے حالات پڑھ کر بہت کچھ عبرت نصیحت اور سبق حاصل ہوتا ہے لیکن ہمارے اس کتابچہ میں اس کی گنجائش کہاں؟

ہم نمونے کے طور پر یہاں صرف دو قافلوں کا ذکر کریں گے اسی سے باقی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بنی ثقیف کا وفد

ثقیف طائف میں رہنے والا یہ وہی قبیلہ ہے جس کو دعوت دینے کے لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ ارنبوی میں تشریف لے گئے تھے، مگر انہوں نے بہت ہی برا سلوک کیا تھا، یہاں تک کہ آوارہ لڑکوں کو پتھر مارنے کے لیے پیچھے لگا دیا تھا، اور یہ وہی طائف کا قبیلہ ہے، جہاں حنین سے بھاگنے والے لوگ آ کر چھپے تھے، پھر بیس دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو محاصرے میں رکھ کر آخر کار مجبور ہو کر محاصرہ اٹھا لیا تھا، لیکن بد دعا کی فرمائش پر ان کے لیے یہ دعا فرمائی تھی کہ: اے میرے پیارے خدا! ان کو ہدایت دے کر میرے پاس پہنچا دے، یہ دعا کس طرح قبول ہوئی؟ دیکھیے!

فتح مکہ کے کچھ دن بعد ہی اس قوم کے بڑے سردار عروہ بن مسعود ثقفی کو اللہ تبارک وتعالی نے دین پر غور کرنے کا شوق نصیب فرما دیا، اسی شوق نے انہیں مدینہ منورہ پہنچا دیا یہ وہی عروہ ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک بار مکی مشرکین کی طرف سے وکیل اور ترجمان بن کے آئے تھے۔

یہ مدینہ پاک پہنچے، ایمان نصیب ہوا، ان کی دس بیویاں تھی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلامی اور قرآنی حکم سنایا کہ چار کے علاوہ باقی سب کو طلاق دے دو، انہوں نے اسی وقت اس پر عمل کیا حضرت عروہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ جب اسلامی تعلیم اچھی طرح سیکھ چکے، تو انہوں نے عرض کیا! کہ اب مجھے اپنی قوم میں اس سچے دین کا اعلان کرنے کی اجازت عطا فرمایئے! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں تمہاری قوم قتل کر دے گی، یہ بات سنی تھی کہ وہ حیران اور ششدر رہ گئے، کہ میری قوم تو مجھ سے عاشق و معشوق جیسی محبت کرتی ہے وہ مجھے کیسے قتل کر سکتی ہے؟

وطن واپس پہنچنے پر انہوں نے بہت پیار اور محبت سے قوم کو دعوت دی، قوم اندر اندر ہی ان کی دشمن ہو گئی، ایک دن یہ اپنے کمرے میں اکیلے نماز پڑھ رہے تھے کسی بدنصیب کی نظر پڑ گئی، اس

نے تیر مارا جس سے یہ وہیں شہید ہو گئے۔

یہ شہید تو ہو گئے، لیکن ان کے دل سے نکلی ہوئی آواز دلوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہی، وفات سے کچھ دن بعد ان کے بیٹے ابو فلیح ابن عروہ رضی اللہ تعالی عنہ اور بھتیجے قارب ابن اسود رضی اللہ تعالی عنہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر خود ایمان قبول کر لیا، ادھر حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ثقیف قبیلہ کے لوگ کچھ دن تو اسلام کی مخالفت میں اس پر خوشی مناتے رہے کہ ہم نے اسلام کے مبلغ عروہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کر دیا ہے لیکن کچھ دنوں بعد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ ہم نے اچھا کام نہیں کیا، ہمیں بھی یہ دین قبول کر لینا چاہیے! اس لیے انہوں نے مشورہ کر کے اپنے چھ آدمی مدینہ پاک کی طرف روانہ کیے کہ تم اسلام کی تحقیق کر کے آؤ! ان کے امیر اور سردار وہی شخص بنے جنہوں نے ۱۰ نبوی میں طائف میں سب سے برا جواب دیا تھا اور انہوں نے ہی گلی کے آوارہ لڑکوں کو پیچھے لگایا تھا۔

یہ مدینہ پاک پہنچے، تو سب سے پہلے ان پر حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی نظر پڑی، وہ یہ خوشخبری سنانے کے لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے راستے میں انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ مل گئے، ان کو بھی ان کی آمد کا علم ہو گیا، انہوں نے خدا تعالیٰ کا واسطہ دے کر حضرت مغیرہؓ سے فرمایا: ”یہ خوشخبری مجھے سنانے کا موقع دیجیے! حضرت مغیرہؓ نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ خوشخبری سنائی، حبیب کبریا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، ان کی مہمان نوازی فرمائی، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا: ”ان کے رہنے کے لیے مسجد کے صحن میں ایسی جگہ پر خیمہ لگاؤ! جہاں سے یہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھیں، اور قرآن پاک سنیں!

ان کے لیے مہمان نوازی کا خاص انتظام کیا گیا، حضرت خالد ابن سعید رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری دی گئی، یہ قافلہ ۹ ھ میں اس وقت مدینہ پاک پہنچا جب آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کو تبوک سے واپس آئے ہوئے کچھ ہی دن ہوئے تھے، قافلہ کے سردار کو اپنی گزری ہوئی ساری باتیں نظروں کے سامنے تھیں پھر یہ اخلاق دیکھ کر وہ اندر ہی اندر بڑے پشیمان ہوئے، ایک دن انھوں نے حضرت خالد ابن سعید رضی اللہ تعالی عنہ کے ذریعہ کچھ شرطوں پر صلح کرنے کی بات کی، کہ ہم مسلمان ہوجائیں گے لیکن بدکاری، شراب اور سود کی ہمیں اجازت دی جائے، لیکن جس وقت ان گندے کاموں کی حقیقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھائی تو بات سمجھ میں آ گئی، اور یہ لوگ یہ کام چھوڑنے کے لیے تیار ہوگئے، پھر انہوں نے کہا: ہم مسلمان ہوجائیں گے لیکن نماز نہیں پڑھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لا خير في دين ليس فيه ركوع**"، یعنی اس دین میں کچھ بھی خیر نہیں جس میں نماز نہیں، آخر میں انہوں نے اپنے بت لات کے لیے کہا کہ ہمارے بچوں اور عورتوں کو اس سے بہت محبت ہے وہ نہ توڑیے گا، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی تسلیم نہیں فرمائی، پھر انہوں نے آخری یہ بات رکھی کہ ہمارے بت ہمارے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مان لی اور فرمایا: اس کا انتظام ہم خود کرادیں گے۔

کچھ روایتوں میں ہے کہ دوسرے دن ان کے سردار عبد یالیل نے ایک بت کے لئے کہا: ہم نے ساری باتیں مان لیں، لیکن ہم ربہ کا کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو گرا دو، وفد کے لوگوں نے کہا: اگر کبھی ربہ کو اس کی خبر ہوگئی تو ہمارا بیڑہ ہی غرق ہوجائے گا، اس پر حضرت عمر رضي اللہ عنہ نے فرمایا: او عبد یالیل! کچھ سمجھ سے کام لے! ربہ کیا ہے؟ ایک پتھر ہی تو ہے؟ اس پر عبد یالیل کچھ شرمندہ سے ہو گئے، لیکن انہوں نے کہا: اس کے توڑنے کا انتظام بھی آپ خود ہی کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے! اس کے لیے ہم کوئی آدمی بھیج دیں گے، انہوں نے کہا: "مگر ہمارے ساتھ ساتھ نہ بھیجیں!

الغرض! اس تحقیق اور بات چیت کے بعد وہ سب کے سب پکے سچے مسلمان بلکہ صحابی رسول بن گئے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سب سے چھوٹے حضرت عثمان ابن ابوالعاص

رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کا امیر اور ان کا امام مقرر فرمایا، کیوں کہ سب سے بڑھ کر انہیں ہی قرآن کریم یاد تھا، یہ خفیہ خفیہ آنے جانے والوں سے سیکھتے رہتے تھے، یہاں مدینہ منورہ میں جس وقت قافلے والے آرام کرتے تھے یہ قرآن کریم سیکھنے میں لگ جاتے تھے، جس وقت یہ وفد واپس طائف پہنچا، انہوں نے مشورہ کر کے شروع شروع میں لوگوں سے اصل بات چھپا کے رکھی، انہوں نے کہا، بہت برا ہو گیا ہے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ یا تو بدکاری، شراب، سود وغیرہ چھوڑ کر لات بت کو توڑ کر پکے مسلمان بن جاؤ! ورنہ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ! طائف والوں پر جاہلیت غالب آ گئی، اور انہوں نے جنگ کا اعلان کر دیا، مگر دو تین دنوں کے بعد ہی وہ نرم پڑ گئے اور اس وفد سے کہنے لگے کہ آپ دوبارہ مدینہ پاک جاؤ اور ان کے ساتھ صلح کی بات کر کے آؤ! اس موقع پر وفد نے ساری بات تسلی سے بتا دی اور اللہ تبارک وتعالی نے انہیں اپنے کرم اور احسان سے ایمان کی دولت عطا فرما دی اور لوگوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوتی ہوئی دیکھ لی۔

کچھ دنوں بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ کی امارت میں کچھ لوگ لات بت کو توڑنے کے لئے روانہ فرمائے، جس وقت یہ حضرات طائف پہنچے لوگ یہ منظر دیکھنے کے لئے ننگے پاؤں باہر نکل آئے، حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے شرک کی حقیقت ان کے دلوں میں اتارنے کے لئے ایک حکمت اپنائی کہ اُن کے بت لات پر ہتھوڑے کی ایک چوٹ مار کر دھڑم سے زمین پر گر گئے، لوگوں نے تالیاں بجا بجا کر کہا دیکھ لی لات کی طاقت اور شکتی!! اب یہ تم سب کا بیڑہ غرق کر کے چھوڑے گا، حضرت مغیرہ ابن شعبہ تھوڑی دیر بعد ہنستے ہوئے اٹھے اور فرمایا: میں تو تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا، پھر پہلے اس کا چھت توڑا، پھر دیواریں توڑیں اور آخر میں اس کی بنیادیں بھی کھود کر نام ونشان مٹا ڈالا، اس منظر کو دیکھ کر لوگوں کو شرک کی حقیقت کا علم ہو گیا کہ ہم کیسی بے حیثیت چیزوں سے ڈر کر ان کی پوجا کر رہے تھے! اس حکمت سے قبیلہ بنو ثقیف کو یقین کیا! عین الیقین کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا بلکہ اکثر کو صحابیت کا شرف بھی عطا

ہو گیا۔رضی اللہ عنہم ورضوعنہ

نوٹ:-لات ایک بزرگ اور خدمت خلق کرنے والے شخص تھے ان کے انتقال پر لوگوں نے ان کا بت بنا کر اس کی عبادت شروع کر دی تھی۔ (ابن ہشام:۱۴۲/۴)

ضمام ابن ثعلبہؓ کی حاضری اور قبول اسلام

ضمام ابن ثعلبہ کوئی قافلہ یا وفد نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اکیلے شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، ہم ان کا اس لیے یہاں ذکر کر رہے ہیں تا کہ اندازہ ہو جائے کہ کچھ اکیلے شخص ہی ایسے تھے جو سارے قافلے کا کام کر رہے تھے۔

یہ بھی ۹ھ ہجری میں اپنے گاؤں سے مدینہ پاک آئے تھے، یہ اس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک بڑی مجلس میں ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے مسجد شریف کے دروازے پر اپنا اونٹ باندھا اور سیدھے مجلس شریف میں آ کے پوچھنے لگے آپ میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہے؟ صحابہ کرام نے جواب دیا یہ مبارک ہستی جو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں، یہی ہیں۔

انہوں نے کہا: او عبدالمطلب کے پوتے! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے سن لیا! انہوں نے کہا: میں نے آپ سے کچھ باتیں پوچھنی ہیں، لیکن میں سختی سے پوچھوں گا آپ اپنے دل میں ناراض نہ ہوئیے! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے جو باتیں پوچھنی ہیں پوچھو! انہوں نے کہا: میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا؟ آپ کو اللہ تبارک وتعالی نے ہی پیغمبر بنا کر سارے لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: جی ہاں! اے اللہ تو گواہ رہ! پھر انہوں نے الگ الگ نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ کے بارے میں پوچھا: کیوں! آپ کو اللہ تبارک وتعالی نے ہی ان باتوں کا حکم دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! اے اللہ تو گواہ رہنا! ضمام بن ثعلبہ نے کہا: آپ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے جو کچھ لے کر آئے

ہیں، میں اس پر ایمان لاتا ہوں، اور میں اپنی قوم کی طرف سے بھیجا ہوا قاصد ہوں! اور میرا نام ضمام ابن ثعلبہ ہے، پھر انہوں نے فرمایا: اس پاک ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس میں نہ کچھ گھٹاؤں گا نہ کچھ بڑھاؤں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر انہوں نے سچ کہا ہے تب یہ ضرور جنت میں جائیں گے۔ (بخاری)

حضرت ضمام ابن ثعلبہ رضی اللہ تعالی عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید دین کی باتیں سیکھ کر واپس اپنی قوم کے پاس پہنچے، سب لوگ ایک جگہ جمع کیے، پھر تقریر شروع کی، سب سے پہلے جو لفظ بولا وہ یہ تھا کہ، لات اور عزیٰ واقعی ہیں بہت برے ہیں، لوگوں نے سن کے دانتوں میں انگلیاں رکھ لیں اور کہنے لگے: ضمام اس بات سے منہ موڑلو! کہیں تو پاگل یا دیوانہ نہ ہو جائے، انہوں نے کہا: او میری قوم کے لوگو! تم پر سو بار افسوس! تمہاری تو عقل ہی ماری گئی ہے، لات اور عزیٰ تو کسی کا بھی نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ بنا سکتے ہیں۔

سنو! اللہ تعالی نے کرم فرمایا، ایک رسول بھیجے، ان پر ایک کتاب نازل کی، میں ان سے ملاقات کر کے آ رہا ہوں، میں نے ان سے دین کی یہ یہ باتیں سیکھی ہیں، پھر لوگوں کے ساتھ تفصیل سے دینی اخلاق اور اسلامی احکامات پر بات کی، اور انہیں اللہ تعالی کے سچے دین کی دعوت دی، اللہ تعالی نے ان کی دعوت میں ایسی برکت فرمائی کہ شام سے پہلے پہلے ان کے خاندان کے ایک ایک مرد اور عورت نے اللہ تعالی کے دین کو قبول کر لیا، ایک بھی مشرک باقی نہیں رہا، سب کو اللہ نے توحید نصیب فرما دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے تھے کہ کسی قوم کا بھیجا ہوا قاصد حضرت ضمام ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ اچھا نہیں ہوا، کہ ساری قوم کو ان کے صدقے ایمان نصیب ہو گیا ہو۔

آنے والے قافلوں پر اک طائرانہ نگاہ

ان آنے والی جماعتوں اور قافلوں میں ایک ایک دو دو آدمی بھی تھے ساٹھ ساٹھ اور ستر ستر کے قافلے بھی تھے، اور وہ لوگ بھی تھے جو ایمان کی معلومات حاصل کرتے تھے، پھر ایمان قبول کر کے اپنی اپنی قوم میں اسلام کے مبلغ بنتے جارہے تھے اور وہ بھی تھے جنھوں نے ایمان پہلے ہی قبول کیا ہوا تھا بس زیارت مبارک اور صحابیت کا شرف حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے تھے اور اپنے اپنے دلوں کو نورانی بنا کے واپس چلے جاتے تھے، اور وہ بھی تھے جو دربار نبوی میں حاضر ہو کر اچھی طرح بحث کرتے پھر ایمان قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اور سوچنے اور مزید غور کرنے کے لیے وقت لیتے تھے اور صلح کر کے واپس چلے جاتے تھے جس طرح کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد۔

ہم نے نمونے کے طور پر بس دو ایسے قصے یہاں لکھ دیے ہیں، جن سے مجموعی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس طرح کے زیادہ قافلے ۱۰ھ ہجری میں آئے تھے، اسی لیے ۱۰ھ ہجری کو سیرت کی کتابوں میں عام الوفود یعنی قافلوں والا سال کہتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس طرح کے سارے قافلے اور جماعتیں ۱۰ھ ہجری میں ہی آئی تھیں، نہیں! نہیں! بلکہ کچھ ۸ھ ہجری میں اور کچھ ۷ھ ہجری میں اور کچھ بالکل مدنی دور کے شروع میں اور کچھ ۱۱ھ ہجری میں بھی آئی تھیں، جیسا کہ بنی نخع کا قافلہ، یہ لوگ یمن کے رہنے والے تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر سارے مسلمان ہو گئے تھے، پھر ان کے کوئی دو سو آدمی جماعت بنا کر زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے محرم کے درمیان والے عشرے ۱۱ھ ہجری میں تشریف لائے تھے، انہیں مدینہ پاک میں خاص مہمان خانے میں رکھا گیا تھا اور دوسروں سے بڑھ کر ان کی مہمان نوازی کی گئی تھی، اس قافلے میں زرارہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نام کے ایک بزرگ بھی تھے، انہوں نے راستے میں دیکھی ہوئی بہت ساری خوابوں کی تعبیر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک خواب کی تعبیر صاف صاف بتا دی اور آخر میں ایک

خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ ایک فتنہ ہوگا، جس میں لوگ وقت کے خلیفہ کو قتل کر دیں گے پھر آپس میں ہی زبردست جھگڑا ہوگا مومن کا لہو پانی کی طرح سستا ہو جائے گا، اور سنو! اگر آپ کا بیٹا مر گیا تو آپ اس فتنے میں پڑ جاؤ گے اور اگر آپ مر گئے تو آپ کا بیٹا اس فتنے میں پڑ جائے گا، حضرت زرارہ رضی اللہ نے عرض کیا، میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں یہ فتنہ نہ دیکھوں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرما دی، آخر کار یہی ہوا حضرت زرارہ رضی اللہ تعالی عنہ وفات پا گئے، لیکن ان کا بیٹا زندہ رہا پھر جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے خلاف بدقسمت لوگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد پر جھوٹے الزام لگا لگا کر سیدھے سادھے مسلمانوں کی بڑی تعداد ان کے خلاف کر دی اور آخر کار وہ بہت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیے گئے، اس وقت حضرت زرارہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بیٹے ان باغیوں کے ساتھ مل گئے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعبیر پوری ہوگئی۔

حجۃ الوداع اور سفرِ آخرت کی تیاری

مکہ مکرمہ میں اس اعلانِ نبوت کو بائیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا جس کے بعد حکم ملا تھا

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ☆قُمْ فَاَنْذِرْ☆ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ☆

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے، اٹھو پھر ڈراؤ، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔

(سورہ مدثر: ۱، ۲، ۳)

پھر دوسرا حکم ہوا تھا:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ☆

ترجمہ: اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ (سورہ شعراء: ۲۱۴)

پھر تیسرا حکم ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ☆

ترجمہ: جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اسے خوب صاف طریقے پر بیان کیجئے، اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ (سورہ حجر:۹۴)

پھر مدینہ منورہ میں چوتھا حکم ہوا:

قَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَاتُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ☆

ترجمہ: آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ مکلّف نہیں ہیں مگر اپنی جان کے، اور ایمان والو ں کو ترغیب دیجئے۔ (سورہ نساء:۸۴)

اور پانچواں حکم ہوا:

یَـآاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَابَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَایَھْدِیْ الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ☆

ترجمہ: اے رسول! آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہ پہنچایا، اور لوگوں سے اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا، بے شک اللہ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھائے گا۔ (سورہ مائدہ:۶۷)

یہ سخت حکم آجانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کب سکتے تھے!!! وہ کھڑے ہوئے تو ۲۲ رسال تک کھڑے ہی رہے، پھر چلے تو چلتے ہی رہے، پھر حق اور سچ کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا کہ جھوٹ اور باطل کا بھیجا باہر آگیا، بلکہ ریزہ ریزہ ہوگیا، ظلم وجور کا خاتمہ ہوگیا، یہاں تک کہ یہودیوں کو دین کے نام پر چلنے والا اپنا سیاسی تنور بجھتا ہوا دکھائی دینے لگا، اور اپنا سرداری کا تخت پلٹتا ہوا محسوس ہونے لگا، اس پر انہوں نے اپنی جہنم بھرنے کے لئے، اور سچ کو دبانے کے لئے جھوٹ کی دوکانیں کھول لیں بلکہ اس چراغ کو بجھانے کے لئے پوری طاقت صرف کردی، دل کے کالے منافق پیدا کئے، منافقوں نے بے شرمی کی تمام حدیں پار کردیں، عیسائی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے، انہوں نے اس وقت کی سب سے مضبوط اور طاقت ور حکومت رومیوں کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے اُکسایا۔

مگر جو اللہ کی بارگاہ سے ہمالیہ سے بڑی، سمندر کی موجوں سے مضبوط اور آسمان سے اونچی استقامت کی شان لے کر آئے تھے، وہ نہ یہودیوں کی سازشوں سے گھبرائے، نہ منافقوں کی بے شرمی والی گندی تدبیروں سے سہمے اور ڈرے، نہ رومیوں کی طاقت سے خائف ہوئے، نہ قربانیوں سے مایوس ہوئے، ایک ہی دن میں دو بیٹیوں کو طلاق ہوئی، قتل کی تدبیریں کیں، شعب ابی طالب میں بند ہوئے، بالآخر اپنا پیارا وطن مکہ چھوڑنا پڑا، مدینہ منورہ پر حملے ہوئے، ستر جان نثاروں کی نعشیں احد کے میدان میں بالترتیب رکھی ہوئی دیکھنی پڑیں، بئرِ معونہ میں دوسرے ستر پیارے ساتھیوں کو بے دردی سے کٹتے ہوئے دیکھنا پڑا۔

مگر وہ ایک تنکے کے برابر بھی اپنے مشن سے پیچھے نہیں ہٹے، نہ مشرکوں کے شرک سے کوئی سمجھوتہ کیا، نہ یہودیوں کی بے دینی پر آنکھیں بند کیں، نہ منافقوں کی شیطانیاں برداشت کیں، آخر ۲۰/۲۲ سال بعد اس محنت کا نتیجہ نکلا، بادل چھٹے اور آسمان صاف وشفاف ہو گیا، اندھیرا رخصت ہوا اور ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا، پورے عرب میں کفر کی کمر ٹوٹ گئی، شرک کا سانس بند ہو گیا، بدامنی، مار دھاڑ، چوری ڈکیتی اور عزتوں پر حملوں کا خیال ختم ہو گیا، بل کہ قرآن کریم کے اس ارشاد کا کہ:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ☆

ترجمہ: بل کہ ہم تو حق بات کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں، جو اس کا سر توڑ ڈالتا ہے، اور وہ ایک دم ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔ (الانبیاء-۱۸) کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہو گیا، تبوک سے لیکر یمن تک اور مدینہ سے لیکر ساحلِ سمندر تک امن وامان کی فضا قائم ہوگئی، بل کہ مزید دنیا کے بے راہ لوگوں کو راستہ دکھانے، اور اندھیریوں اور تاریکیوں میں ڈبکی لگانے والوں کو ظلمت سے نکال کر روشنی کی شاہراہ پر ڈالنے کے لئے لاکھوں صحابہ اور صحابیات کی جماعت تیار ہو گئی۔

قرآنِ کریم نے سورہ نصر میں اس کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے،

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ☆ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا☆

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا☆

ترجمہ: اللہ کی مدد اور فتح جب آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کی جیئے جس کے ساتھ حمد بھی ہو اور اس سے مغفرت طلب کی جیئے بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (سورۂ نصر)

اس کا صاف مطلب تھا کہ آپ جس عظیم الشان کام کے لئے تشریف لائے تھے اب وہ کنارے پر آلگا ہے، اب آپ کی واپسی کا وقت قریب آچکا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے، بلکہ خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمادیا تھا: کہ "اے معاذ! شاید تم اس کے بعد مجھ سے نہ مل سکو، ممکن ہے آئندہ سال میری مسجد میں میری قبر کے قریب سے گذرو گے" (مسند احمد) بس اسی موقعہ پر پروردگار نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بڑی محنت کے نتیجہ کا نظارہ کروانے کا فیصلہ کرلیا، اس لئے حج کا حکم ہوا۔

مگر اس سے پہلے ۹ھ میں حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کی زیرِ قیادت حج کرواکے اس کا ماحول بنایا گیا، شرک اور کفر والے رسم و رواج کو ختم کیا گیا، تو ۱۰ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابۂ کرام کی نورانی جماعت کے ساتھ حج کا حکم ہوا۔

مدینہ پاک سے روانگی کی شان

ذی قعدہ ۱۰ھ میں اعلانِ عام ہوا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حج فرمارہے ہیں، آپ ﷺ بھی اپنی تقریروں اور خطبوں میں بار بار اشارے فرماتے تھے، کہ مجھ سے دین سیکھ لو، شاید آئندہ سال ہماری ملاقات نہ ہو۔

پھر کیا تھا؟؟ اس اعلان کے بعد ایسا ہو گیا جیسا کہ انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو، اور حج کے لئے اولادِ آدم کا سیلاب امنڈ آیا ہو۔

۲۵ یا ۲۶ / ذی قعدی ۱۰ھ ہفتہ کے دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا، اور ظہر کی

نماز کے بعد مدینہ منورہ سے اس طرح نکلے کہ ازواجِ مطہرات یعنی ساری بیویاں اور لختِ جگر حضرت فاطمہؓ آپ کے ہمراہ تھیں، آگے پیچھے دائیں بائیں انسانوں کا ٹھاٹھے مارتا سمندر تھا، یہاں سے نکل کر مقام ذوالحلیفہ میں رات کو قیام فرمایا، جو مدینہ منورہ کی جانب سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، اور مدینہ سے ۱۰ کلومیٹر دور ہے۔

دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، اور ایک چادر کو ازار بنا کر دوسری اوپر اوڑھ لی، پھر نمازِ ظہر کے بعد حج وعمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا، اور بآوازِ بلند توحید کے وہ نغمات گائے، جنہیں حج وعمرہ کا ذکر اور ترانہ کہا جاتا ہے۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ،لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ،اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ،

میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں اور بادشاہت میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

پھر اپنی قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہو کر دوبارہ یہی کلمات پڑھے، اور اونٹنی تھوڑی آگے بیداء نامی پہاڑی پر چڑھی تو آپ ﷺ نے ذکر کے یہی کلمات پھر ادا فرمائے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: اس وقت میں نے نظر اٹھائی، کیا دیکھتا ہوں! آگے پیچھے، دائیں، بائیں ہر جانب انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ایک سمندر تھا، اور جب صحابۂ کرام اس کے جواب میں انہی کلمات کا ذکر کرتے تھے، تو پورا علاقہ گونج اٹھتا تھا، اس طرح یہ مبارک قافلہ اپنے مالک کی توحید کے نغمات گنگناتے اور اس ذکر کی نورانی کرنوں کو پھیلاتے ہوئے ذوالحلیفہ سے چل کر مختلف مقامات پر پڑاؤ ڈالتے ہوئے آٹھویں دن شام کے وقت مکہ مکرمہ کے کنارے پر ''مقام سرف'' کے ذی طویٰ میدان میں پہونچ گئے، رات اسی مقام پر گذاری، صبح سویرے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا، اور دوسرے دن ۴؍ذی الحجہ ۱۰ھ بروزِ اتوار صبح کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۴۵/۵)

مکہ مکرمہ میں داخلہ کی شان

مکہ مکرمہ میں قافلہ کا علم ہوا تو لوگ خوشی سے باہر نکل آئے، ہاشمی خاندان کے بچے خوشی میں ناچتے، کودتے، دوڑتے سواری مبارک کے ساتھ چپک گئے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت میں کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے اپنی اونٹنی پر بٹھالیا، کعبہ پاک پر نظر پڑی تو یہ مبارک دعا ہونٹوں پر آگئی:

اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَعْظِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا.

ترجمہ: اے اللہ! اپنے اس گھر کی عظمت اور شرف میں زیادتی فرما۔ (معجم طبرانی)

خانہ کعبہ پر نظر پڑھتے ہی **لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ** والا ذکر بند کردیا گیا، پھر طواف کے لئے حجرِ اسود والے کونے پر پہونچ کر استلام فرمایا، یعنی حجرِ اسود کے کنارے پر ہاتھ رکھ کر بوسہ دیا، اور اپنی دائیں جانب سے طواف شروع فرمایا، پہلے تین چکروں میں رمل فرمایا، یعنی سینہ تان کر اکڑتے ہوئے بہادری دکھاتے ہوئے پہلوان کی چال چلے، بقیہ چار چکروں میں معمولی رفتار سے چلے، سات چکر مکمل فرما کر یہ آیت:

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی"☆

تلاوت فرماتے ہوئے مقامِ ابراہیم پر تشریف لے گئے، پھر مقامِ ابرہیم سے تھوڑا پیچھے ہٹ کر طواف کی دو رکعت ادا فرمائیں، راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے آپ ﷺ نے ان میں سورہ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھیں۔

پھر حجرِ اسود پر تشریف لے گئے اور استلام فرما کر صفا کی طرف تشریف لے گئے، جب صفا کے قریب پہونچے تو یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ☆

ترجمہ: بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ (سورہ بقرہ:۱۵۸)

پھر جب صفا پر چڑھے اور کعبہ پر نظر پڑی تو زبان مبارک سے یہ بابرکت الفاظ جاری ہوگئے:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُـوَ عَـلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ .

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اور اسی کے لئے تعریفیں ہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہ تنہا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دے دی۔

یہ کلمات تین مرتبہ دوہرائے اور اسی دوران اور دعائیں بھی مانگیں، پھر صفا سے مروہ کی جانب روانہ ہوئے، اور نشیبی جگہ میں پہونچے جہاں آج سبز بتیاں ہیں تو تھوڑے تیزی سے چلے، پھر مروہ پر پہونچ کر بالکل ویسا ہی کیا جیسا صفاء پر کیا تھا، جب آخری چکر مروہ پر مکمل فرمایا، صحابۂ کرام سے فرمایا: اگر میرے خیال میں پہلے وہ بات ہوتی جو اب آئی ہے تو میں اس طواف اور سعی کو عمرہ بنالیتا، اور احرام کھول دیتا، لہذا جس کے پاس قربانی کے جانور نہیں ہیں، وہ اس کو عمرہ بنالیں اور احرام کھول دیں، بعض محبین کے لئے احرام کھولنا بہت دشوار ہوگیا، کیونکہ رحمت دو عالم ﷺ احرام نہیں کھول رہے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائی کہ میرے پاس چوں کہ قربانی کے جانور موجود ہیں اس لئے میں احرام نہیں کھول سکتا، ہاں! اگر پہلے میرے ذہن میں یہ بات ہوتی تو میں قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہ لاتا۔

دراصل بات یہ تھی کہ عرب کے بعض جاہلوں نے دورِ جہالت میں ایک مسئلہ گھڑ لیا تھا، کہ شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ یہ حج کے مہینے ہیں، ان میں عمرہ کرنا گناہ ہے، آپ علیہ السلام اسی رسم کو ختم فرمانا چاہتے تھے، حضرت سراقہ ابن مالکؓ کھڑے ہوگئے کہ یا رسول اللہ! یہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرکے پھر دوبارہ حج کے لئے احرام باندھ کر حج (حج تمتع) کرنا صرف اسی سال کے لئے

ہے یا ہمیشہ کے لئے ؟ آپ ﷺ نے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل فرما کر فرمایا کہ:

''ہمیشہ کے لئے عمرہ حج کے ساتھ ہو گیا ہے''۔ (مسلم، البدایہ والنہایہ: ۱۴۹/۵)

اس کے بعد آٹھ ذی الحجہ ۱۰ھ تک یعنی چار دن مکہ کے اوپری علاقہ حجون میں قیام فرمایا۔

مکہ سے منٰی کی طرف روانگی کا منظر

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینۃ المنورہ سے نکلے تھے اس وقت آپ کے ساتھ چالیس ہزار صحابۂ کرام تھے، مگر مکۃ المکرّمہ تک پہونچتے پہونچتے بطورِ خاص عرفات کے میدان میں یہ مجمع ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار تک پہونچ گیا تھا، کیونکہ ہر امتی کی ایک ہی آرزو تھی کہ آپ ﷺ کے مبارک قدموں کی دُھول کو سرمہ بنالے، اور ہر ایک بات آنکھوں سے دیکھ کر آج سیکھ لے، نہ جانے کل کیا ہوگا؟۔

جن صحابۂ کرام نے احرام کھول دیا تھا آٹھ ذی الحجہ کو انہوں نے احرام باندھ لیا، تو تمام صحابۂ کرام آپ ﷺ کی معیت میں نمازِ فجر کے بعد منٰی کی طرف چل پڑے، سب لوگ احرام کی دو چادروں میں تھے اور ہر ایک کی زبان پر وہی لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ والے توحید کے کلمات ونغمات تھے، بدن کے ایک ایک عضو سے اپنے مالک کے سامنے اپنی عاجزی ومسکنت کا اظہار کر رہے تھے، منٰی پہنچ کر یہ دن اور اگلی رات منٰی میں ہی گذاری، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں وہیں ادا فرمائیں، فجر کی نماز ادا کر کے جب پہاڑوں پر سورج کی شعاعیں پھیل گئیں، تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ڈیڑھ لاکھ انسانوں کے قافلہ کے ساتھ عرفات کی جانب روانہ ہو گئے۔

دورِ جہالت میں قریش نے ایک نئی رسم اور بدعت یہ ایجاد کر لی تھی کہ ہم بخشے بخشائے ہیں، ہمیں عرفات جانے کی کیا حاجت ہے؟ آج جہالت، تکبر اور گھمنڈ کے سارے بُت ریزہ ریزہ ہو رہے تھے، قریش کا خیال تھا کہ آپ ﷺ بھی عرفات نہیں جائیں گے، ہمارے جاہلیت والے

طریقے کے مطابق مزدلفہ ہی سے واپس تشریف لے آئیں گے، لیکن ایسا کیسے ہوسکتا تھا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو رہا تھا:

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ☆

ترجمہ: پھر تم اسی جگہ سے ہوکر آؤ! جہاں سے عام لوگ ہوکر آتے ہیں۔ (سورہ بقرہ: ۱۹۹)

پھر اسی طرح ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے عرفات تشریف لے گئے جہاں مسجدِ نمرہ کی جگہ ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیمہ لگایا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا، پھر جب زوال کا وقت ختم ہوگیا، تو آپ ﷺ اپنی قصویٰ اونٹنی پر بیٹھ کر آگے میدان میں تشریف لے گئے، اور اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے ساری دنیا اور ساری انسانیت کو سامنے رکھ کر سب کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ (یہ خطبہ چند سال قبل ہم نے اپنے ادارہ مرکز المعارف سے عربی، اردو، انگریزی میں شائع کیا تھا، اب بہت سارے اداروں نے شائع کرلیا ہے، اس کا مطالعہ کرلیں)

خطبہ کی چند جھلکیاں

وہ خطبہ کیا ہے؟ معانی ومطالب کا ایک گہرا سمندر ہے، جو الفاظ کے کوزے میں بند کردیا گیا ہے، حمد وثناء اور اعلانِ رسالت کے بعد دورِ جہالت کی تمام باتوں کے متعلق فرمایا:

اَلَا! کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ تَحْتَ قَدَمَیَّ مَوْضُوْعٌ ☆

ترجمہ: سنو! جاہلیت کے تمام رسم ورواج میرے پاؤں تلے روند دئے گئے ہیں۔

یہ جہالت کے رسم ورواج کیا تھے؟:

(الف) آج تک پوری دنیا میں سب سے بڑی بیماری نسل، علاقہ، زبان اور رنگ کے تفاخر کی تھی، آج عرفات کے میدان سے پوری انسانیت کے لئے اعلان ہو رہا تھا:

لَیْسَ لِلْعَرَبِیِّ فَضْلٌ عَلٰی الْعَجَمِیِّ وَلَا فَضْلَ لِلْعَجَمِیِّ عَلَی الْعَرَبِیِّ کُلُّکُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنَ التُّرَابِ .

کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہو، اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔

(ب) عرب میں کوئی ایک قتل ہو جاتا تھا، تو اس کا بدلہ لینا فرض سمجھتے تھے، پھر جس سے یہ بدلہ لیتے تھے وہ ان سے بدلہ لیتا تھا اور قتل کا بدلہ نہ لینے والے کو حرامی کہا جاتا تھا، اس طرح قتل وغارت کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ جاری ہو جاتا تھا، آج اس بات کو بھی جڑ سے اکھاڑا جا رہا تھا اور ابتداء اپنے ہی گھر سے کی جا رہی تھی، فرمایا: دِمَـاءُ الْـجَـاهِـلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَـعُ مِـنْ دِمَائِنَا دَمُ اِبْنِ رَبِيْعَةَ ابْنِ الْحَارِثِ ۔ دورِ جاہلیت کے تمام قتل معاف کئے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے قبیلہ کے قتل کا بدلہ معاف کر رہا ہوں، یعنی ربیعہ ابن الحارث کے بیٹے کا قتل معاف کر رہا ہوں۔

(ج) عرب کے یہودیوں کی محنت سے، وہاں سب سے بڑا کاروبار سود کا تھا، سودی قرضوں نے انسانوں کی کمر توڑ ڈالی تھی، غریب بسا اوقات سودی قرض کی وجہ سے مالداروں کے غلام بن جاتے تھے، آج اس کاروبار کو بھی اپنے ہی خاندان سے ختم کیا جا رہا تھا، ارشاد فرمایا:

رِبَاالْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَا عَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ.

جاہلیت کے تمام سود بھی آج ختم کئے جا رہے ہیں، میں سب سے پہلے (اپنے چچا) عباس بن عبدالمطلبؓ کے سود کو ختم کرتا ہو‘‘۔

(د) انسانی مخلوق میں سب سے زیادہ مظلوم بیچاری عورتیں تھیں، جو بسا اوقات جوا کھیلنے والے ہار، جیت میں بھی دے دیتے تھے، ان کے لئے بطورِ خاص ارشاد فرمایا: سنو! عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو! کیوں کے وہ تم نے اللہ تعالیٰ کے اس عہد کے ساتھ لی ہیں، (کہ تم ان کے حقوق ادا کرو گے) تو اللہ کے حکم سے وہ تمہارے لئے بیوی بن کر حلال ہوتی ہیں، تمہارا ان پر اتنا ہی حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر اس شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اور اگر وہ ایسی غلطی بھی کر لیں تب بھی ان کو سخت مار نہ مارو! اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو اچھا کھانا، اچھا پینا

اوراچھالباس دو۔

(ہ)اس سے قبل بڑی بڑی امتیں آئیں مگر برباد ہوگئیں، کیونکہ وہ اپنی بنیاد پر قائم نہیں رہیں، اس لئے فرمایا: میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ کر جار ہا ہوں اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھو گے کبھی بھی گمراہ نہیں ہو نگے ،اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، پھر مزید تاکید سے ارشادفرمایا: خبر دار !لوگو! یادرکھومیرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اورتمہارے بعد کوئی امت نہیں آئیگی ،لہذا تم اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقتوں کی نماز ادا کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا، خوشی سے اپنے مال کی زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اپنے بڑوں اور سرپرستوں کی بات قبول کرنا، اس طرح تم اپنے رب کی جنت حاصل کرلوگے۔

(و)عرب میں جان مال کی کچھ قیمت ہی نہیں تھی، جو جب چاہتا تھا دوسرے کو قتل کر دیتا تھا، جس کا جی چاہتا تھا دوسرے پر ظلم کر کے اس کا مال چھین لیتا تھا، آج دنیا میں امن وسلامتی کے لئے یہ پیغام دیا جار ہا تھا:

اِنَّ دِمَـآئَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ، فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا ، فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا ، اِلٰی یَوْمٍ تَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ .

بیشک تمہاراخون اورتمہارامال پرتم حرام ہے، تمہارے اس دن، تمہارے اس مہینہ اوراس شہر میں حرمت کی طرح، تمہارے اپنے رب سے ملاقات کے دن تک۔

(ز) یہ نصیحت فرما کر مجمع پر ایک نگاہ ڈالی ،اور فرمایا: تم سے اللہ تعالیٰ میرے بارے میں پوچھے گا تو تم کیا جواب دوگے؟ صحابۂ کرام نے یک زبان ہوکر جواب دیا، ہم جواب دیں گے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہونچادیا، اپنا فرض ادا کر دیا، خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی پھر جھکائی اوراس طرح کر کے فرمایا : **اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ**، اے اللہ! تو گواہ رہنا۔اورایسا تین بارکیا۔

تعجب والی بات یہ تھی کہ اِدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت فرمار ہے تھے، اُدھر اسی وقت اللہ

تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہورہی تھی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًافَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ☆

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کرلیا، ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہوجائے بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کررہا ہو، بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

خطبہ کے بعد حضرت بلالؓ نے ظہر کے لئے اذان دی، پھر اقامت کہی گئی اور ظہر کی نماز ادا فرمائی گئی، پھر فوراً ہی دوبارہ اقامت کہی اور نمازِ عصر ادا کی گئی، یعنی عصر، ظہر کے وقت میں ظہر کے ساتھ ہی ادا فرمائی۔

نماز کے بعد قصویٰ نامی اونٹنی پر بیٹھ کر وقوف والی جگہ یعنی جبلِ رحمت سے تھوڑا نیچے پہاڑوں کے قریب بڑے راستے کے سامنے قبلہ رخ ہوکر وقوف فرمایا، یعنی اونٹنی ہی پر بیٹھ کر قبلہ کی طرف منہ کرکے سورج غروب ہونے تک مسلسل دعا میں مصروف رہے۔

عرفات سے واپسی کا منظر

غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے واپسی کا انتظام کیا گیا، حضرتِ اسامہ بن زیدؓ جو ایک غلام کے بیٹے تھے، ان کو اپنے ساتھ اپنی اونٹنی پر بٹھایا، اور انسانوں کا یہ سمندر مزدلفہ کی طرف رواں دواں ہوگیا، بھگدڑ مچ جانے کے اندیشے سے اونٹنی کی لگام کھینچ کر آہستہ آہستہ چلایا جارہا تھا، لوگوں کو بھی کبھی ہاتھ سے اور کبھی دُرّے سے اشارہ کرکے فرمارہے تھے، لوگو! آہستہ آہستہ! راستہ میں ایک مقام پر ٹھہر کر وضو فرمایا، حضرت اسامہؓ نے عرض کی، نمازِ مغرب کا وقت ہوگیا ہے، جواب میں ارشاد فرمایا: نماز کی جگہ آگے آئیگی، مشہور روایت کے مطابق مزدلفہ میں ایک ہی اذان

واقامت سے مغرب اورعشاء کی نماز ایک ساتھ ادافرمائیں۔

نماز سے فارغ ہوتے ہی آرام کے لئے لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرماتے رہے، محدثین کرام فرماتے ہیں: پوری زندگی میں یہی وہ رات ہے جس میں آپ نے تہجد کی نماز ادانہیں فرمائی۔

صبح جلدی سے نمازِ فجر ادافرما کرمشعرِ حرام کے پاس تشریف لے گئے، جہاں پوری لگن سے ذکراور دعا میں مشغول ہوگئے ،اور جب اچھی طرح روشنی پھیل گئی تو یہاں سے منٰی کی طرف اس طرح روانہ ہوئے کہ آپ ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی فضل بن عباسؓ کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیا تاکہ اپنے خاندان کے لوگوں کی دل جوئی ہوجائے، یہاں سے طلوع آفتاب سے پہلے نکل کر جہالت کی ایک اور، رسم کو ختم کرنا مقصود تھا کہ قریش دورِ جہالت میں طلوع آفتاب سے پہلے نکلنے کو گناہ سمجھتے تھے۔

جمرہ عقبٰی پر پہونچے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سات کنکریاں لے کر ماریں، ہر کنکری مارتے ہوئے، اللہ اکبر! فرمارہے تھے، جس سے امت کو یہ بتلانا تھا کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا ہے، وہیں ارشادفرمایا: لوگو! دین کی حدود سے تجاوز کرنے سے بچو! تم سے پہلے لوگ بھی حدود کو تجاوز کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے، اور فرمایا: تم مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو ممکن ہے اس کے بعد مجھے دوبارہ حج کرنے کا موقع نہ ملے۔

یہاں سے منٰی کے میدان کی طرف اس طرح چلے کہ حضرت اسامہؓ جو ایک غلام کے بیٹے تھے پھر اپنے ساتھ سواری پر بٹھائے ہوئے تھے، تاکہ قیامت تک آنے والے غریبوں، مسکینوں اور غلاموں کو یہ فخر حاصل ہوجائے کہ ہم شہنشاہِ عالم کے ساتھ بیٹھے تھے، حضرت بلالؓ نے لگام پکڑی ہوئی تھی، اور لاکھوں کا مجمع دائیں بائیں اور آگے پیچھے تھا۔

پھر منٰی کے میدان میں ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں کچھ نئی باتیں ارشاد فرمائیں: یہاں ایک اہم بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ حضرت آدمؑ اللہ تعالیٰ سے جو پاکیزہ اور سچا دین لائے تھے، لوگوں نے اس میں شرک اور کفر کے عقیدے گھڑ لئے تھے، حج کے متعلق نئی نئی باتیں اور بدعتیں

ایجاد کرلیں تھیں، مہینہ کی تاریخ بلکہ مہینوں کو بھی اپنی ضرورت کے مطابق آگ پیچھے کرلیا تھا، یہاں تک کہ سال میں مہینوں کی تعداد کو بھی کم! اور کبھی زیادہ کر دیتے تھے، سورہ توبہ آیت نمبر ۳۶، ۳۷، میں اس کا بیان ہے، اس کے متعلق فرمایا: بیشک زمانہ گھوم کر آج اُس نکتہ پر پہنچ گیا ہے جس نکتہ پر اس دن تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا، اور فرمایا: سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، جن میں چار مہینے محترم ہیں، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے بیچ میں آتا ہے۔ (بخاری)

دنیا میں عدل وانصاف کا نظام قائم کرنے کے لئے تین چیزوں کا احترام ضروری ہے، جان، مال اور عزت کا، کل کے خطبہ میں بھی انکے احترام کی بات آئی تھی مگر آج منیٰ میں اور زیادہ تاکید کے لئے لوگوں سے عجیب بات پوچھی۔

لوگو! آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھا کہ شاید اس دن کا نام بدلنا ہے، پھر کچھ دیر کے بعد خود ہی ارشاد فرمایا: کیا آج یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا، بیشک ہے، پھر ارشاد فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر وہی جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تھوڑی دیر خاموش ہوگئے، پھر ارشاد فرمایا: کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا، بیشک ہے، اسی طرح شہر کے بارے میں دریافت فرمایا، یہ کون سا شہر ہے؟ صحابۂ کرام نے پھر وہی جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسی طرح تھوڑی دیر خاموش رہے، اور فرمایا: کیا یہ بلدِ حرام (مکہ مکرمہ) نہیں ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا، بیشک ہے۔

اس طرح لوگوں کے دلوں ل میں جب یہ بات رس بس گئی کہ یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر سب محترم ہیں، پھر ارشاد فرمایا: سنو! تمہاری جان، تمہارا مال اور تمہاری عزت قیامت تک اسی طرح محترم ہیں جس طرح اس دن میں، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہیں، یعنی جس طرح اس دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں کسی پر زیادتی کرنا جرم اور گناہ سمجھا جاتا ہے، یہ ہر جگہ اسی طرح جرم اور گناہ

ہے، پھر بآوازِ بلند اس بات کو مؤکد کر کے فرمایا: میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تمہیں عنقریب ہی اپنے مالک کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہ تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔

آخر میں اعلان فرمایا: شیطان اس بات سے ناامید ہوگیا ہے، اب تمہارے اس شہر میں قیامت تک اس کی پوجا نہیں ہوگی، مگر معمولی معمولی باتوں میں تم اس کی بات مانو گے، اور اس کی پیروی کروگے، جس پر وہ خوش ہوگا، یعنی تم شیطانی چالوں سے ہوشیار رہنا۔

پھر ارشاد فرمایا: **أَلَا ! هَلْ بَلَّغْتُ** ، خبردار! کیا میں نے تمہیں خدا کے احکام پہنچادیئے، سب نے بیک زبان کہا: پہنچادیئے، اس پر ارشاد فرمایا: **اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ** ، خدایا! گواہ رہنا، اور لوگوں کو حکم دیا، **فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ**، حاضرین غائبین تک پہونچادیں، یہ بات فرما کر لوگوں کو الوداع فرمادیا۔

(نوٹ) واضح رہے! یہ مکمل خطبہ نہیں ہے، بلکہ ہم نے اس کی کچھ باتیں یا چند جھلکیاں دکھانے کی کوشش کی ہے، مکمل خطبہ شائع شدہ ہے اور حدیث کی کتابوں میں بھی دستیاب ہے۔ اس کو دیکھا جائے۔

یہاں سے فارغ ہو کر آپ ﷺ قربانی کی جگہ تشریف لے گئے، جہاں آپ ﷺ نے اپنی عمر کے حساب سے ۶۳ ر اونٹ اپنے مبارک ہاتھوں سے قربان فرمائے اور ۳۷ ر حضرت علیؓ کے حوالے فرمائے، جن کی قربانی انہوں نے آپ ﷺ کی طرف سے کی، اور اپنے گھر والوں کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔

قربانی سے فارغ ہو کر حضرت معمرؓ سے اپنے سر مبارک کا حلق کروایا، اور پہلے دائیں جانب سے حلق کروایا اور وہ بال مبارک حضرت ابوطلحہ انصاری کو عطا فرمادئے، پھر بائیں جانب سے حلق کروایا، اور یہ بال بھی حضرت ابوطلحہؓ کو عطا فرمادیئے، اور فرمایا: یہ تقسیم کردیں۔ (بخاری ومسلم)
انہوں نے ایک ایک اور دو دو بال کر کے تقسیم فرمادیئے، اور صحابۂ کرام نے تبرک سمجھ کر حفاظت

سے رکھ لئے ، حضرت ابوطلحہؓ کو یہ مرتبہ یوں ہی حاصل نہیں ہوگیا ، یہ وہی حضرت ابوطلحہؓ ہیں جو غزوۂ احد میں سارے تیر اپنے سینہ پر لے کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرما رہے تھے، اور جب یہ دشمنوں پر تابڑتوڑ تیر پھینک رہے تھے، تو حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب بات فرمائی تھی کہ مارو! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، یعنی کوئی بھی رتبہ یونہی حاصل نہیں ہوتا، اس کے بعد اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور خانہ کعبہ کا طواف فرمایا، اور یہ طواف سواری پر سوار ہو کر ہی فرمایا، تا کہ لوگ طواف کا طریقہ بھی سیکھ لیں، اور مسائل بھی دریافت کر لیں، پھر بئرِ زمزم پر تشریف لے گئے جہاں ہاشمی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے، وہاں پر فرمایا: خاندانِ عبد المطلب کے لوگو! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مجھے دیکھ کر تمام لوگ خود پانی نکال کر پینے لگ جائیں گے، اور تمہارے ہاتھوں سے یہ کام نکل جائے گا، تو میں اپنے ہاتھ سے کنوے سے پانی نکال کر پیتا، پھر حضرت عباسؓ نے پانی نکال کر پیش فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے کعبہ کی طرف رخ کر کے یہ پانی نوش فرمایا۔

پھر ظہر سے پہلے پہلے منیٰ پہنچ کر ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی، ۱۱، اور ۱۲/ ذی الحجہ کو بھی منیٰ ہی میں قیام فرما کر زوال کے بعد جمرات پر کنکریاں ماریں، ۱۳/ ذی الحجہ بروزِ منگل زوال کے بعد کنکریاں مار کر منیٰ سے مکہ کی طرف تشریف لے گئے، رات وہیں قیام فرمایا، نمازِ فجر سے فارغ ہو کر طوافِ وداع کر کے مہاجر اور انصار صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر رات گذاری، نمازِ فجر ادا کر کے مدینہ پاک تشریف لے گئے، اس وقت ایک عجیب منظر تھا ایک جانب سے سورج نکل کر اپنی کرنیں زمین پر ڈال رہا تھا، تو دوسری جانب دنیا کو منور کرنے والے اپنی نورانی چاندنی سے مدینہ پاک کو منور کرتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔

دورِ نبوی کا آخری لشکر

رومی حکومت کیونکہ آدھی دنیا پر قابض تھی، ان کے پاس طاقت بھی بہت تھی، ایران جیسی مضبوط اور طاقت ور حکومت انہوں نے روند ڈالی تھی، اس تکبر اور گھمنڈ میں انہوں نے مدینہ منورہ کی اسلامی حکومت اور اسلام سے خوامخواہ دشمنی مول لے لی تھی، کسی کا مسلمان ہو کر زندگی گزارنا انہیں برداشت نہیں ہوتا تھا، پہلے انہوں نے اسلامی سفیر کو قتل کیا جس کی بناء پر جنگِ موتہ پیش آئی، پھر انہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی، جس پر تبوک کا سفر ہوا، مگر وہ میدان میں آنے کی جرأت نہیں کر سکے، ہاں! اسلامی لشکر کے واپس لوٹنے کے بعد کچھ نئے ایمان لانے والوں پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا، جس طرح معان کے رومی گورنر کا قصّہ پیش آیا۔

اس طرح کے تمام حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے علاقہ بلقا، موتہ اور اُبنٰی کی جانب ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، یہ تمام علاقے موجودہ اُردن اور فلسطین کی سرحد پر واقع ہیں؛ صفر ۱۱ھ میں حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرما کر اس لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا، ۲۶/صفر ۱۱ھ کو یہ لشکر تیار ہو گیا، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بڑے بڑے صحابۂ کرام شامل تھے، بڑی عمر کے بزرگ حضرات بھی تھے، جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو امیر مقرر کئے گئے تھے وہ جوان تھے، بڑے صحابۂ کرام کا تو اس جانب خیال بھی نہیں گیا مگر کچھ نئے ایمان والوں نے اور ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق کچھ منافقوں نے یہ اعتراض کیا کہ بڑے صحابۂ کرام کی موجودگی میں یہ نوجوان کیوں امیر مقرر کئے گئے ہیں؟ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم بخدا تم نے اس سے پہلے ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ کے امیر بننے پر بھی اسی طرح کی باتیں کہیں تھیں، حالانکہ وہ بالکل امارت کے قابل تھے، اور مجھے سب سے زیادہ پیارے تھے، اوران کے بعد مجھے یہ حضرت اسامہ بھی بہت پیارے ہیں۔

دراصل رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلام کے بیٹے کو امیر بنا کر دنیا کو اسلامی مساوات اور

برابری کا نمونہ دکھانا چاہتے تھے،لشکر تیار ہوگیا مگر نکلتے نکلتے ۲۹؍صفر ہوگیا، یہ جمعرات کا دن تھا، اسی میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے تھے، اس کے باوجود اپنے مبارک ہاتھوں سے جھنڈا تیار کرکے اُسی دن یہ لشکر روانہ فرمایا۔

حضرتِ اُسامہؓ لشکر لے کر مدینہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر دور ''جرف'' چلے گئے، وہاں رک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کا انتظار کرنے لگے کہ تھوڑی طبیعت درست ہوجائے تو آگے سفر کروں، حضرتِ علیؓ اجازت لیکر بیماری کے ایام میں گھر کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں رک گئے تھے، حضرت عمرؓ بھی اجازت لے کر بیمار پرسی کے لئے مدینہ منورہ میں آگئے تھے، حضرت اُسامہؓ نے ۱۲؍ربیع الاول ۱۱ھ بروزِ پیر یہ سوچ کر کہ اب طبیعت مبارک قدرے بہتر ہے، سفر کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ان کی والدہ حضرتِ اُمّ ایمنؓ نے خبر بھیجی کہ طبیعت مبارک بہت خراب ہوگئی ہے، بس کچھ ہی دیر کے بعد دوسری خبر آئی کہ آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں، پھر کیا تھا پورے مدینہ میں ایک کُہرام بپا ہوگیا، پورا لشکر گرتا پڑتا مدینہ پہنچا، جھنڈا حجرہ مبارک کے سامنے گھاڑ دیا۔

پھر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بن گئے، انہوں نے حالات مخالف ہونے کے باوجود یہ لشکر روانہ فرمایا، یہ لشکر اس علاقہ میں پہنچا تو کچھ لوگوں نے راستہ روکنے کی کوشش کی، تو وہ قتل ہوکر جہنم رسید ہوئے، باقی رومی بڑی فوج کو اس مرتبہ بھی جرئت نہیں ہوئی، بعض تاریخی روایتوں میں آتا ہے کہ حضرتِ اُسامہؓ کے والد حضرتِ زید بن حارثہؓ کا قاتل بھی اس مقابلہ میں آیا اور قتل کر دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۹۴/۵)

چالیس روز کے بعد یہ لشکر خیر وعافیت سے مدینہ منورہ میں پہنچ گیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کافی آگے بڑھ کر ان کا استقبال فرمایا۔

سفرِ آخرت کی تیاری

یہ دنیا مسافر خانہ ہے، رہنے کی جگہ نہیں، یہ گذرگاہ ہے، بیٹھنے کی جگہ نہیں، یہ اسٹیشن ہے منزل

نہیں، یہاں آنے والا جانے ہی کیلئے آتا ہے، بلکہ آنے سے پہلے جانے کا وقت متعین ہوجاتا ہے،،بس ایسے ہی نبیوں کے نبی، نبیوں اور رسولوں کے امام، خاتم النبیین، اللہ تعالیٰ کے بعد اس کائنات میں سب سے اونچی اور بلند شان والے حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص کام کے لئے تشریف لائے تھے، وہ کام مکمل ہوگیا، حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی تکمیل کا اعلان ہوگیا تھا، اب اپنے مالک کی طرف کوچ کر جانے کی تیاری ہی تیاری تھی، بطورِ خاص جب سورت نصر نازل ہوگئی۔

حدیث میں آتا ہے اس کے بعد تو ہر وقت صرف تسبیح وتہلیل اور استغفار ہی آپ کی زبان پر ہوتی تھی، حدیث پاک میں اس موقع کی کئی ساری دعا، تسبیح اور استغفار وارد ہوئی ہیں۔

پھر کئی کئی مرتبہ اپنے عمل اور قول سے بھی جُدائیگی کا اظہار فرمایا، جیسا کہ حجۃ الوداع کی روایات میں آپ نے پڑھا، اس کے علاوہ ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے، مگر اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا، اس سے پہلے رمضان میں آپ ہر سال حضرت جبرئیل کے ساتھ ایک مرتبہ قرآن کریم کا دور فرماتے تھے مگر اس سال دو مرتبہ دور فرمایا۔

پھر ۱۱ھ صفر کے شروع میں ایک دن جنت البقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے، اور وہاں اس طرح دعا فرمائی جس طرح کسی سے رخصت ہو رہے ہوں، پھر انہی دنوں میں اُحد تشریف لے گئے ، اور احد کے شہیدوں کے لئے آٹھ سال میں پہلی مرتبہ اس طرح دعا فرمائی، جس طرح ہر ایک سے رخصت ہو رہے ہوں، پھر اسی دن واپس آکر مسجد نبوی میں ایک تقریر فرمائی، ایک خطبہ دیا جس میں عجیب عجیب باتیں بیان فرمائیں، فرمایا: میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر جانے والا ہوں، قسم بخدا میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں، مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں، قسم بخدا! مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگ جاؤ گے، مگر مجھے یہ ڈر ہے کہ تم میرے بعد دنیا کی حرص کرنے لگ جاؤ، پھر اس میں مشغول ہو کر تم ایک دوسرے سے جھگڑنے لگ جاؤ، پھر تم بھی اسی طرح ہلاک ہوجاؤ، جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ (بخاری ومسلم)

بیماری کی ابتداء

۲۹ رصفر ۱۱ھ میں آپ کسی جنازے کے ساتھ جنت البقیع میں تشریف لے گئے، وہاں سے تشریف لاتے ہی سر مبارک میں دردشروع ہوگیا، پھر بخار ہوگیا، اور بخار اتنا تیز ہوگیا کہ جو کپڑا سر مبارک پر باندھا ہوا تھا، بخار کی شدت کی بناء پر گرمی اس سے باہر آرہی تھی، اسی کو مرض الوفات کہتے ہیں، بیماری تقریباً ۱۳ر۱۴ روز تک رہی، ۱۱ر دن تک اسی حالت میں بنفسِ نفیس آپ نماز کی امامت فرماتے رہے۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ اس حالت میں بھی عدل وانصاف اور بر بری کا بہت خیال تھا، پانچ دن تک جس جس گھر میں رات گزارنے کی باری تھی، ویسے ہی رات گذارتے رہے، مگر اجازت لیکر کسی ایک جگہ آرام کرنا چاہتے تھے، اجازت بھی حکمت سے لی، وہ اس طرح کہ ہر روز شام کے وقت دریافت فرماتے تھے: آج کس کے یہاں رہنے کی باری ہے؟ ازواجِ مطہرات اس اشارہ کو سمجھ گئیں، تو عرض کیا: جہاں آپ کا جی چاہتا ہے وہیں آرام فرمائیں، دوسرے دن یعنی بروزِ پیر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں رہنے کی باری تھی، فرمایا: مجھے وہیں چھوڑ آؤ! حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں حضرات آپ ﷺ کو دونوں بازو سے سہارا دیکر وہاں چھوڑ آئے، اور آخری دم تک وہیں آرام فرمایا۔

آخری نماز کی امامت

پانچ دن کے بعد تکلیف سخت ہوئی، مگر آپ نے غسل فرمایا، جس سے تھوڑا سا افاقہ ہوا، تو آپ ﷺ مسجد تشریف لے گئے، لوگ فوراً جمع ہوگئے، آپ نے ممبر پر بیٹھ کر کچھ نصیحت فرمائی، جس میں بطورِ خاص یہ فرمایا: یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ تم میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے۔ (مؤطا امام مالک)
ممبر سے نیچے تشریف لاکر نمازِ ظہر پڑھائی۔

نماز کے بعد پھر ممبر پر تشریف فرما ہوئے، اور انصار و مہاجرین کے حقوق کے بارے میں وصیت فرمائی، پھر فرمایا: ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ یا تو وہ دنیا کے عیش و آرام میں سے جو بھی چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمادیں، یا پھر اللہ تعالیٰ کے پاس آجائے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس (جنت) کی تمام نعمتیں عطا فرمادیں، اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو قبول کرلیا ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ رونے لگ گئے اور عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لوگ کہنے لگے: حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کیا ہوگیا؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی آدمی کا قصہ سنا رہے رہے ہیں، یہ کیوں رو رہے ہیں، اور اپنے ماں باپ قربان کرنے کی بات کہہ رہے ہیں؟ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ جس بندے کو یہ اختیار دیا گیا تھا وہ آپ ﷺ ہی تھے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی سب سے زیادہ علم والے ہیں، ان دنوں میں بھی اتنی زیادہ بیماری اور کمزوری کے باوجود سب نمازوں کی خود امامت فرمائی، پھر دوسرے دن یعنی چار دن قبل جمعرات کے دن شام کی نماز کے لئے بڑی مشکل سے تشریف لے گئے، شام کی نماز کی امامت فرمائی، جس میں سورہ مرسلات کی تلاوت فرمائی، بس یہی وہ آخری نماز تھی جس کو آپ ﷺ نے مکمل امامت فرما کر پڑھایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت

اسی دن شام کی نماز کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے، بخار بھی زیادہ تیز ہوگیا، اور چکر آنے لگ گیا، حضرت عائشہؓ فرماتیں ہیں: جب طبیعت میں تھوڑا افاقہ ہوا، تو پوچھا کیا لوگوں نے نماز ادا کرلی؟ عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کررہے ہیں، فرمایا: ٹب میں پانی رکھو! ہم نے پانی رکھا، اس میں غسل فرمایا، اور اٹھنے کی کوشش کی، مگر غسل کے بعد غشی

طاری ہوگئی، تھوڑی دیر کے بعد جب پھر افاقہ ہوا تو پوچھا، لوگوں نے نماز ادا کر لی؟ ہم نے عرض کیا: وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی وہی بات پیش آ گئی، جو پہلے پیش آئی تھی، کہ غسل فرما کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن چکر آ گیا، اور اُٹھ نہ سکے!۔

بالآخر فرمایا: ''ابوبکرؓ سے کہہ دو وہ لوگوں کی امامت کریں، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: وہ بہت نرم دل ہیں، آپ کے مصلیٰ کو خالی دیکھ کر برداشت نہیں کر سکیں گے اور قرأت نہیں کر پائیں گے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی بات فرمائی، کہ ابوبکرؓ سے کہو! وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ نے پھر وہی عرض کیا: اس طرح تین مرتبہ ہوا، آخری مرتبہ تھوڑا سختی سے فرمایا: ''تم یوسف (علیہ السلام) والیاں ہیں' 'ابوبکرؓ کو حکم دو، وہ نماز پڑھائیں۔ (بخاری)

علماء کرام لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر ہاتھوں کو کاٹنے والیاں منہ سے زلیخا کو لعن طعن کر رہی تھیں، مگر دل میں دیکھنے کی طمع تھی، یہاں بھی یہی بات تھی، حضرت عائشہؓ فرما تو یہی رہی تھیں کہ وہ برداشت نہیں کر سکیں گے، مگر دل میں یہ بات بھی تھی کہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ پر دیکھیں گے، پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مرض میں وصال فرما گئے تو لوگ ان کی طرف منحوسیت کی نسبت کریں گے۔

خیر! آپ ﷺ کے تاکیدی حکم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ نماز پڑھائی، پھر انہوں نے آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں ۱۷ نمازیں پڑھائیں، یہ اشارہ تھا کہ میرے بعد میرے مصلے پر کون ہوگا۔

یہ جمعرات کی رات تھی، اس کے بعد جمعہ کے دن اور بقولِ بعض ہفتہ کے دن بھی طبیعت بہت خراب رہی، مسجد تک تشریف نہیں لا سکے، پھر اتوار کے روز اور بقولِ بعض ہفتہ کے روز ظہر کے وقت آپ ﷺ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں اس طرح تشریف لے گئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نماز شروع کر لی تھی، جب رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ پیچھے ہٹنے لگے، آپ نے اشارہ کر کے فرمایا: اپنی جگہ رُکیں، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ

کے برابر میں بیٹھ گئے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کررہے تھے اور صحابۂ کرام کو تکبیر سُنا رہے تھے، اور نماز کے اصل امام رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

حضرتِ فاطمہؓ کا رونا اور ہنسنا

لختِ جگر حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ سے بہت زیادہ پیار فرماتیں تھیں، انہی دنوں میں کسی دن حضرت فاطمہؓ کو طلب فرمایا اور ان کے کان میں کوئی بات فرمائی، جس پر وہ رونے لگیں، پھر دوسری مرتبہ اسی طرح کان میں کوئی بات فرمائی، جس پر وہ خوش ہوگئیں اور ہنسنے لگیں۔

حضرت عائشہؓ نے حضرتِ فاطمہؓ سے اس کی حقیقت دریافت کی، انہوں نے جواب میں فرمایا: پہلے رونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: مجھے یہ بات بتادی گئی ہے کہ میں اسی مرض میں دنیا کو الوداع کرجاؤں گا، اور دوسری مرتبہ خوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی تھی کہ ہمارے خاندان میں سے سب سے پہلے آپ مجھ سے ملاقات کروگی، اور تم جنتی عورتوں کی سردار بنوں گی۔ (فتح الباری:۱۰۳/۸، البدایہ والنہایہ:۲۴۰/۵)

یہ پیشن گوئی اسی طرح پوری ہوئی کہ چھ مہینے کے بعد پورے خاندان میں سے سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی، اور وہ عالمِ برزخ میں سب سے پہلے اپنے والد حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل گئیں۔

آخری روز

۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ بروزِ پیر صحت قدرے بہتر تھی، حضرتِ ابوبکر صدیقؓ نمازِ فجر پڑھا رہے تھے، حجرۂ اقدس کے دروازے سے پردہ ہٹا کر نمازیوں پر ایک نگاہ فرمائی، صف بستہ دیکھ کر آپ خوشی سے مسکرائے، صحابۂ کرام کی نظر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی، انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کرلیا کہ شاید آپ نماز پڑھانے تشریف لائیں گے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں: لوگ اتنے

خوش تھے کہ ایسا محسوس ہورہا تھا کہ نماز توڑ کر آپ ﷺ سے خیریت معلوم کرنے لگ جائیں گے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پڑھتے رہیں، یہ دیدار کی آخری جھلک تھی جو صحابۂ کرام کو نصیب ہوئی۔

نماز کے بعد نمازیوں نے خیریت معلوم کی ، پہلے سے طبیعت میں کچھ بہتری دیکھ کر سب مطمئن ہوگئے اور کچھ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے کہ اب طبیعت قدرے بہتر ہورہی ہے، حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کا مدینہ سے باہر ایک گھر تھا اجازت لے کر وہاں تشریف لے گئے۔

مگر جس طرح دن چڑھتا جارہا تھا اسی طرح طبیعت مزید خراب ہوتی جارہی تھی ،حضرتِ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: اسی حالت میں زبانِ مبارک پر بار بار یہ کلمات جاری ہورہے تھے: **مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ** ☆

ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے،اور کبھی یہ الفاظ:

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى ☆

اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کا ساتھ چاہتا ہوں۔ (بخاری)

اور کبھی کبھی اچانک چہرہ مبارک سے چادر ہٹا کر فرماتے تھے:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ

یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(بخاری)

اسی دوران حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمان کہیں سے مسواک لے کر آگئے ، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مسواک کو غور سے دیکھنے لگے، حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں، عرض کیا: مسواک فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! انہوں نے دانتوں سے نرم کر کے مسواک دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح مسواک فرمائی، جیسے کوئی تندرست آدمی مسواک کرتا ہے، قریب میں پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا جس سے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے منہ مبارک صاف فرمایا۔

اب دوپہر کا وقت گذر چکا تھا بلکہ سہ پہر شروع ہورہا تھا، اچانک ہونٹ مبارک ہلے، اور لوگوں نے یہ الفاظ سنے:

اَلصَّلٰوۃُ، اَلصَّلٰوۃُ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ .

نماز! نماز! اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا، پھر بار بار بیہوشی طاری ہونے لگ گئی اور یہ الفاظ بار بار ہونٹوں پر آنے لگ گئے:

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی ☆

یہ کہتے کہتے روح مبارک اپنے مالک کے پاس پہنچ گئی۔

اِنَّـا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَحَبِیْبِنَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَ سَلَّمَ .

غموں اور دُکھوں کے پہاڑ

اس حادثہ کی وجہ سے مصیبتوں کے کیسے پہاڑ ٹوٹ پڑے، غموں اور دُکھوں کے کیسے سیلاب اُمنڈ آئے، اس کا اندازہ حضرتِ انسؓ کی اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں: جس روز رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے شہر میں تشریف لائے تھے، میں نے اس سے زیادہ کوئی چمکتا، روشن اور خوشی والا دن نہیں دیکھا، اور جس روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے اور رحلت فرما گئے، اس سے زیادہ کوئی دُکھ والا، تاریکی والا اور بُرا دن بھی نہیں دیکھا۔ (مشکوۃ، دارمی)

حضرت فاطمہؓ نے اس دکھ میں کچھ ایسے الفاظ کہے جو آج بھی اپنے اثر سے جگر چیر دیتے ہیں، فرمایا: ہائے! ابوجان! آپ نے تو اپنے مالک کے بلاوے پر لبیک کہہ دیا، آپ نے تو جنت الفردوس میں اپنا گھر بنالیا، ہائے! ابوجان! اب ہم آپ کی وفات کی خبر حضرت جبرئیلؑ کو دیں!۔

حضرت عثمانؓ دُکھ کی وجہ سے نڈھال ہو کر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے ، اور حضرتِ عمرؓ تو غم سے کچھ ایسے بے قابو ہو گئے کہ تلوار نکال لی ، کہ جو یہ کہے گا کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے ، اس کی گردن قلم کر دوں گا ، نبی پاک ﷺ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے تھے ، (پھر چالیس دن تک قوم سے الگ رہے تھے) اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے ملنے گئے ہیں ، ابھی آ کر اُن منافقوں کے ہاتھ کاٹیں گے جو آپ ﷺ کی وفات کی بات کرتے ہیں ۔

حضرتِ ابوبکرؓ باہر مقام سُنح میں اپنے گھر پر تھے ، معلوم ہونے پر گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے تشریف لائے ، آنکھوں سے آنسوں کی برسات ہو رہی تھی ، دل اس سے زیادہ غمگین تھا ، مگر ہوش و حواس بالکل درست تھے ، سیدھے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ اقدس میں گئے ، چہرے سے چادر ہٹا کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا ، اور دُکھ کے چند الفاظ کہنے کے بعد فرمایا : میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ، اللہ آپ کو دو موت نہیں دیگا ، جو موت لکھی ہوئے تھی وہ آ چکی ہے ۔

(ابن ہشام)

اس کے بعد لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک زبردست خطبہ دیا ، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا ذکر فرمایا ، اور اچھی طرح درود شریف پڑھا ، پھر قرآن کریم کی آیتیں پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سمجھایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے جانا پہلے ہی سے طے شدہ بات تھی ، جس کو ہونا ہی تھا اور وہ آج ہو چکی ہے ، باقی زندہ رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے ، اس سے لوگوں کو تھوڑا صبر حاصل ہوا ، حضرت عمرؓ بھی مطمئن ہو گئے ، بلکہ وہ فرماتے ہیں : مجھے یہ آیتیں سن کر ایسا لگا کہ آج پہلی مرتبہ سُن رہا ہوں ، جب تھوڑا صبر اور اطمینان ہو گیا تو صحابۂ کرام نے بالاتفاق حضرت ابوبکرؓ کو امت کا امام اور خلیفہ مقرر کیا ، پھر کفن دفن کے انتظام میں مصروف ہو گئے ۔

تجہیز و تکفین کا انتظام

حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کرنے میں کافی تاخیر ہوگئی، پیر کا دن اسی کُہرام میں گذر گیا، اگلے دن یعنی منگل کو صبح سویرے کفن کا انتظام ہوا، اور یہ سارا کام گھر کے لوگوں نے کیا، کپڑے اتارنے کے بغیر ہی غسل دیا گیا، غسل میں شریک ہونے والے یہ خوش نصیب بیان کئے جاتے ہیں، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، اور ان کے دو صاحبزادے حضرت فضلؓ، حضرت قُثمؓ، حضرت اُسامہؓ، حضرت شقرانؓ، حضرت اوسؓ، مؤخر الذکر تینوں حضرات وہ ازاد کئے ہوئے غلام ہیں جن کو گھر کے لوگوں میں شامل کر لیا گیا تھا، اس کے بعد پردے کا مکمل خیال رکھتے ہوئے تین یمنی چادروں میں کفن دیا گیا، کفن کے بعد سوال پیدا ہوا کہ دفن کی خوش نصیبی کس جگہ کو حاصل ہوگی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ کوئی نبی دنیا سے نہیں جاتا مگر اس کی قبر کی جگہ وہی ہوتی ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔ (ترمذی)

اسی کے مطابق حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں اسی جگہ قبر مبارک بنائی گئی جہاں بستر بچھا تھا، مگر حضرت عائشہؓ اس کی ایک دوسری وجہ بیان فرماتیں ہیں، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیں، اسلئے میرے حجرے میں قبر بنائی گئی کیونکہ میدان میں اس پر روک مشکل تھی۔ (بخاری شریف)

حضرتِ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو قبر کھودنے کی خوش نصیبی حاصل ہوئی، انہوں نے بغلی (لحدی) قبر کھودی، جنازہ تیار ہوگیا، اور قبر کے کنارے پر رکھا گیا، لوگ نمازِ جنازہ کے لئے ٹوٹ پڑے، مگر حجرہ مبارک میں اتنی جگہ نہیں تھی، فیصلہ کیا گیا کہ دس دس آدمی جائیں گے اور نمازِ جنازہ پڑھ کر نکلتے جائیں گے، اسی طرح پہلے دس دس مردوں، پھر عورتوں، پھر بچوں کی جماعت نے نمازِ جنازہ پڑھی، مگر امام کوئی نہیں بنا، سب نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں

کوئی امام بن بھی کیسے سکتا تھا؟۔

نمازِ جنازہ کس طرح پڑھتے تھے؟ بعض کہتے ہیں کہ باقاعدہ نمازِ جنازہ پڑھتے تھے، جس میں تکبیر درود شریف اور دعا تھی، جس طرح کہ شمائل ترمذی میں روایت ہے اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: یہی جمہور کا مسلک ہے، مگر دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ صرف صلوۃ وسلام پیش کرتے تھے، جس طرح کہ ابن سعد نے حضرتِ عمرؓ کے پڑھنے کا طریقہ بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

نمازِ جنازہ سے فارغ ہوئے، اور قبر مبارک میں جنازہ رکھنے کی باری آئی تو یہ سعادت بھی گھر کے لوگوں کو نصیب ہوئی، یعنی حضرت علیؓ حضرتِ عباسؓ، حضرتِ فضلؓ اور حضرت قُثَمؓ اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرتِ اُسامہؓ اور حضرتِ عبد الرحمان ابن عوفؓ بھی اس خوش نصیبی میں شامل تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۸۲/۵)

اَ لّٰلھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنَّا!اَ لّٰلھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنَّا!اَ لّٰلھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنَّا!اَ لّٰلھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنَّا!یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَحَبِیْبِنَا وَنَبِیِّنَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ، صَلَاۃً تَکُوْنُ لَہٗ رِضَآءً وَّلِحَقِّہٖ اَدَاءً وَّارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ .

اپنے رب کا عاجز بندہ
فیض الوحید غفرلہ الوحد الغفار
بروز ہفتہ بعد نماز عصر نظر ثانی کا کام مکمل ہوا
۲۳/ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۴/اگست ۲۰۱۹ء
حرم مکی شریف در سفر حج ۱۴۴۰ھ